URDU LITERATURE SERIES

INTIKHAB

MARASI-E-ANIS

With Introduction and Notes.

انتخاب مراثیٔ انیس

مع تمہید و شرح

ALLAHABAD

RAM NARAIN LAL BENI MADHO
PUBLISHERS & BOOKSELLERS

Price Rs. 1·50 nP.

اُردو لٹریچر سیریز

انتخاب

از

مراثیٔ میر انیس

پبلشرز

رام نرائن لال بینی مادھو

۲- کٹرہ روڈ - الہ آباد

بار اول　　　سنہ ۱۹۶۲ء　　　قیمت عہ ۸ر آنے

(کوہ نور پرنٹنگ ورکس الہ آباد)

فہرست

۳

میر انیسؔ کی شاعری کی خصوصیات

مرثیہ کی تاریخ پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صنف اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتی ہوئی میر ضمیر کے ہاتھوں تکمیل کے درجہ کو پہنچتی ہے اور ضمیر کے کلام کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے امکان میں اس صنف میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی تھی جس کی وجہ سے اس کے تکمیل میں کسی کو شبہ ہو۔ یہ خیال خود میر ضمیر ہی کا اپنے مرثیوں کے متعلق نہیں تھا بلکہ اس وقت کے لوگ بھی کچھ ایسا ہی سوچتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ضمیر نے اپنے لحاظ سے مرثیہ کو اس قدر بلند کیا کہ لوگ ان کے کلام کو مرثیے کے لئے حرف آخر سمجھنے لگے لیکن بقول ڈاکٹر اعجاز حسین جب انیس کا کلام لوگوں کے سامنے نمودار ہوا تو یہ بات بخوبی ذہن نشین ہو گئی کہ میر ضمیر نے مرثیہ کا صرف ایک خاکہ تیار کیا تھا وہ ایوان نہ تھا جس کو لوگ ضمیر کا کارنامہ سمجھنے لگے تھے بلکہ اس صنف کا تاج محل تو میر انیسؔ کا کلام ہے۔

انیسؔ نے جس ماحول میں اپنی آنکھیں کھولی تھیں اس میں شاعری کا چرچا گھر گھر تھا اور غزل شعر و شاعری کی بنا پر چھائی ہوئی تھی۔ غزل میں بھی عموماً سطحی مضامین۔ قافیہ پیمائی۔ رنگینی۔ رعایت لفظی اور تصنع رہ گیا تھا مگر انیسؔ کی طبیعت اس ماحول سے کچھ جداگانہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ انھوں نے شاعری کی ابتدا غزل ہی سے کی تھی مگر یہ رنگ کچھ زیادہ دن نہ چل سکا اور انھوں نے غزل سے اجتناب کر کے مرثیہ کے میدان میں قدم رکھا۔ انیسؔ کی انفرادیت اور نمایاں شخصیت اسی سے نمایاں ہے کہ لکھنؤ کے ماحول میں رہتے ہوئے بھی انھوں نے اس وقت کے عام شاعرانہ رجحان

سے بیگانگی برتی اور ایک ایسی زمین کو سرسبز و شاداب کرنا شروع کیا جو ان سے پہلے خشک و بے مزہ تھی۔ جس کا احساس انیسؔ کو ابتدائی مشق ہی میں ہو گیا تھا۔ تب ہی تو خُدا سے دُعا مانگتے ہیں:۔

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر   اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر
توفیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر   گُمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر

جب تک یہ چمنِ مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیم سخن میری قلمرو سے نہ جائے

انیسؔ سے پہلے ضمیرؔ نے واقعہ نگاری۔ منظر نگاری۔ کردار نگاری۔ جذبات نگاری اور رزمیہ عناصر وغیرہ کو مرثیہ کے لئے محض لازمی ہی نہیں قرار دیا تھا بلکہ انھیں کافی ترقی بھی دی تھی لیکن انیسؔ نے انھیں عناصر کو اس حدِ کمال تک پہنچا دیا کہ وہ انھیں کا کارنامہ ہو گیا۔ لہٰذا اختصار کے ساتھ ان عناصر پر تھوڑی روشنی ڈال دی جائے تاکہ انیسؔ کا شاعرانہ جوہر کُھل جائے۔

واقعہ نگاری:۔ مولانا شبلیؔ موازنہ انیسؔ و دبیرؔ میں لکھتے ہیں:۔

"واقعہ نگاری کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) واقعہ نگار کسی تاریخی واقعہ کو بے کم و کاست نظم کردے، اس کے لئے صرف زبان پر قدرت درکار ہے، شاعری کی چنداں ضرورت نہیں۔

(۲) واقعہ اجمالاً معلوم ہے، لیکن واقعہ نگار، واقعہ کے تمام جزئیات اور حالات اپنی طبیعت سے پیدا کرتا ہے، وہ واقعہ کی نوعیت کو دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس قسم کے موقع پر فطرت کا اقتضا کیا ہے۔ ان تمام چیزوں کو وہ موجود فرض کر لیتا ہے اور ان کو ادا کرتا ہے۔ اس قسم کی واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ جو کچھ بیان کیا جائے بالکل بیان واقعی ہو،

اور تمام واقعات میں اس قسم کا تناسب، ربط اور موزونی ہو کہ کسی واقعہ کی نسبت شک کا احتمال بھی نہ آنے پائے۔ اس قسم کی واقعہ نگاری کے لئے صرف قدرت زبان کافی نہیں بلکہ فطرت کا بڑا نکتہ داں ہونا درکار ہے۔

مثلاً احباب کی جُدائی کا واقعہ لکھنا چاہتا ہے تو اس کو ان تمام جزئی کیفیتوں پر نظر ہونی چاہیئے جو اس حالت میں پیش آتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس حالت میں ایک دوسرے کو کس حسرت آمیز نگاہ سے دیکھتا ہے؟ کس قسم کی باتیں کرتا ہے؟ کن باتوں سے دل کو تسلی دیتا ہے؟ رخصت کے وقت بے اختیار کیا حرکات صادر ہوتے ہیں؟ آغاز کی کیفیت کس طرح بتدریج ترقی کرتی جاتی ہے؟ حاضرین پر ان سے کیا اثر پڑتا ہے؟ پھر جُدائی جُدائی میں بھی فرق ہے، باپ بیٹے کی جُدائی، بھائی بھائی کی جُدائی، زن وشو کی جُدائی، احباب کی جُدائی، ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ خصوصیات ہیں، ان مختلف اور کثیر الانواع خصوصیات کا احاطہ کرنا، اور ان کو موثر پیرایہ میں ادا کرنا، شاعرانہ واقعہ نگاری ہے۔

اسی طرح لشکرکشی، معرکہ آرائی، فتح وشکست، سفر وحضر، بیماری وموت، قید وبند، دشت نوردی وبادیہ پیمائی، سیکڑوں ہزاروں واقعات ہیں اور ہر واقعہ کی سیکڑوں جزئیات ہیں، ان تمام کا احاطہ کرنا، اور ان کو ہو بہو ادا کرسکنا کمال شاعری ہے۔

انیسؔ نے اپنے مرثیوں میں ہر قسم کے واقعات وحالات نظم کئے ہیں۔ بہت سے فرضی واقعات بھی اس سلسلہ میں آگئے ہیں۔ اس کے علاوہ چونکہ انیسؔ انسانی فطرت و معاشرت کے زبردست ماہر تھے اس وجہ سے انھوں نے خود کو محض عام واقعات تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ انھیں واقعات میں سے بہت سے باریک نکتے بھی نکالے ہیں جہاں تک عام لوگوں کی نظریں نہیں پہنچ پاتیں یا ان میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ اسے دلچسپ پیرائے میں نظم کرسکیں۔ لیکن میر انیسؔ کے یہاں ایسا نہیں ہے۔ ان کے مرثیوں میں اس قسم کی بے شمار

مثالیں بآسانی مل جائیں گی۔ مثلاً حضرت عباسؑ جب نہر کے کنارے پہنچتے ہیں تو ان کا پیاسا گھوڑا پانی کو دیکھ کر مچل جاتا ہے۔ اب دیکھیے کہ اس واقعہ کو کتنے عمدہ پیرایہ میں بیان کرتے ہیں ؎

دو دن سے بے زباں پہ جو تھا آب و دانہ بند | دریا کو ہنہنا کے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا، سمٹتا تھا بند بند | چمکارتے تھے حضرت عباس ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

یا مثلاً ایک موقع پر گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت یوں لکھتے ہیں ؎

ع وہ ہات ہٹ کے آپ نے رکھا عیال پر

اسی طرح حضرت شہربانوؑ جب اپنی صاحبزادی حضرت صغرا سے وداع ہوتی ہیں تو حضرت اصغر کی طرف سے رخصت کے معمولات یوں ادا کرائے ہیں ؎

بانو نے کہا دست پسر ماتھے پہ رکھ کر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہیں اصغر

مناظر قدرت:۔ مرثیوں میں مناظر قدرت لکھنے کی ابتدا ضمیر نے ضرور کی تھی لیکن ان کے یہاں اس سلسلہ میں دوراز کار تشبیہات و استعارات۔ صنائع و بدائع اور مضمون بندی پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے جس کی وجہ سے منظر نگاری کا اصل جو ہر سامنے نہیں آپاتا یا یوں کہیے کہ وہ اس کے اصل مقصد تک نہیں پہنچ پاتے۔ لیکن انیس کی منظر نگاری بالکل اس کے برعکس ہے۔ اوّل یہ کہ انھوں نے کثرت سے منظر نگاری کی ہے۔ دوسرے یہ کہ انھوں نے جس منظر کو بیان کیا ہے اس کی ہو بہو تصویر کھینچ دی ہے۔ یہاں تک کہ انیس کی منظر نگاری ان کے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ مصنف المیزان بھی مانتے ہیں کہ مناظر

قدرت کشی میں میر انیس لاجواب شاعر تھے۔ تیسرے یہ کہ ان کے یہاں منظر نگاری میں تنوع ہے۔ انھوں نے کہیں صبح کا۔ کہیں دوپہر کا۔ کہیں رات کا۔ کہیں چاند تاروں کا منظر کھینچا ہے۔ غرض یہ کہ مناظر میں سے انھوں نے کوئی چیز نہیں چھوڑی مثلاً صبح کا سماں ؎

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار — تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار — کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغ بہشتِ نعیم کے
ہر سُو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک — شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک — ہر برگ گُل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتّے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

منظر:۔ شبلی منظر کے بارے میں لکھتے ہیں:۔
"کسی خاص واقعہ یا کسی خاص حالت کی تصویر کھینچنا جس کو انگریزی میں سین کہتے ہیں، واقعہ نگاری کی ایک قسم ہے۔ عام واقعہ نگاری اور سین میں یہ فرق ہے کہ واقعہ نگاری میں ہر واقعہ انفرادی حیثیت رکھتا ہے، بخلاف اس کے سین اس کیفیت کا نام ہے جو متعدد واقعات یا واقعہ کے متعدد جزئیات کے مجموعہ سے پیدا ہوتی ہے، مثلاً اس شعر میں ؎

لو چلتی ہے خاک اُڑتی ہے ہے ظہر کا ہنگام
تنہا یہ چلی آتی ہے امنڈی سپہ شام

لو کا چلنا۔ خاک کا اُڑنا۔ ظہر کا وقت ہونا، فوجوں کا امنڈنا ہر چیز کو الگ الگ

لیا جائے تو واقعہ ہے، اور ان سب کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو سین ہے۔"

میر انیس نے اس طرح کی شاعری کو اُردو میں جس قدر فروغ دیا اس کی مثال ان سے پہلے یا بعد میں کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ یہ انھیں کا کمال تھا کہ انھوں نے اس قسم کی بے شمار مثالوں سے اُردو شاعری کا دامن وسیع کر دیا۔

مثال کے طور پر انیس حضرت علی اصغرؑ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں ؎

راوی نے یہ لکھا ہے کہ اس دم بہ حال زار لائے جبین ہاتھوں پہ اک طفل شیر خوار
دن کو ہوا قرآن مہ و مہر آشکار مرجھا گیا تھا پیاس سے لیکن وہ گلعذار
تھا فرط غش سے ننھا سا منکا ڈھلا ہوا
باندھے ہوئے تھا مٹھیاں اور مُنہ کھُلا ہوا

چھوٹا سا ایک سبز عمامہ تھا دوش پر ماتھا جھنڈولے بالے میں ہالے میں جوں قمر
جُتی بھویں وہ جن پہ تصدق دل و جگر آنکھیں تو نرگسی پہ نقاہت زیادہ تر
سایہ میں دامنِ خلفِ بوتراب کے
رُخسار تھے کہ پھول کھِلے تھے گلاب کے

پھیلا ہوا وہ آنکھوں میں کاجل ادھر اُدھر خشکیدہ ہونٹھ موئے مژہ آنسوؤں سے تر
باچھوں سے تھا نمود جمے دودھ کا اثر ہاتھوں میں نیلے ڈورے تھے ہیکل تھی سینہ پر
ننھے سے دل کو ماں کے بچھڑنے کا درد تھا
رَن کی ہوائے گرم سے جسم اس کا سرد تھا

کُرتا بدن میں آتا تھا اس رنگ سے نظر پڑتی ہے اوس پھولوں پہ جیسے دمِ سحر
سینہ تھا صاف صورتِ آئینہ جلوہ گر گرمی سے ہو گیا تھا شلوکہ عرق میں تر
چھاتی میں دم بدم جو دم اس کا اٹکتا تھا
گھبرا کے ننھے ہاتھوں کو دے دے ٹپکتا تھا

جذبات نگاری:۔ انیس سے پہلے اُردو شاعری میں جذبات نگاری کی بڑی کمی تھی۔ کیونکہ غزل اور قصیدہ دو ہی صنفیں شاعری کی دُنیا پر چھائی ہوئی تھیں اور دونوں ہی عشقیہ جذبات تک محدود تھیں۔ مثنویاں اس سلسلہ میں ضرور قابل قدر ہیں کہ ان کی وجہ سے جذبات نگاری میں کچھ وسعت آئی لیکن وہ بھی اس قدر نہیں کہ کسی قسم کی کوئی کمی نہ محسوس ہو۔ یہ انیس کا کمال ہے کہ مرثیوں میں جذبات نگاری کو انھوں نے جو وسعت اور رنگا رنگی دی جس کی مثال پوری اُردو شاعری میں نہیں ملتی۔ انیس نے ہر قسم کے جذبات و احساسات مثلاً شادی و غم، رنج و الم، محبت و ہمدردی، خوف۔ رشک، اور حسد وغیرہ کو بڑے اچھے ڈھنگ میں شعر کا جامہ پہنایا۔ اس کے علاوہ ان کے مرثیوں میں، بچوں، جوانوں، بوڑھوں۔ اور دوست، دشمن، بھائی، بہن اور بیوی کے جذبات و احساسات کثرت سے نظم ہوئے۔ یہ انیس کا کمال ہے کہ انھوں نے جذبات و احساسات کے بیان کے لئے موقع و محل عمر اور جنس وغیرہ کا بھی بڑا خیال رکھا ہے۔ مثلاً بچوں کے جذبات و احساسات انھیں کی مخصوص زبان میں لکھے گئے ہیں جس سے لطف اور حقیقت پیدا ہو گئی ہے۔

مثال کے طور پر امام حسین اپنے نوجوان لڑکے حضرت علی اکبر سے ملنے کے لئے جاتے ہیں جو میدان جنگ میں نزع کے عالم میں پڑے ہیں ؎

جس دم سُنی حسین نے یہ جانگزا صدا — صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ اُلٹ گیا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا — نعرہ کیا کہ اے علی اکبر کروں میں کیا

مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
آئے ضعیف باپ تو دُنیا سے جائیو

ہے ہے مرے شفیق پسر مہرباں پسر — خوش رو پسر سعید پسر قدرداں پسر

مادر کا چین باپ کا آرام جاں پسر | گم گو پسر شہید پسر نوجواں پسر

مقتل کدھر ہے کوئی بتاتا نہیں مجھے

اے نورِ عین! کچھ نظر آتا نہیں مجھے

مجھ کو غریب دشت بلا کہہ کے پھر پکار | اِک بار "یا شہ دوسرا" کہہ کے پھر پکار

اے شیر، سید الشہدا کہہ کے پھر پکار | صدقے ہو باپ یا ابتا کہہ کے پھر پکار

میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائے گی

مرجاؤں گا یہیں جو نہ آواز آئے گی

کچھ ہوش دست و پا کا نہیں بے حواس ہوں | زخمی ہے قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہوں

غمگیں ہوں مُردہ دل ہوں حزیں ہوں اُداس ہوں | دم توڑتے تم تو ہے غضب اور میں پاس ہوں

کیوں کر قرار آئے دلِ ناصبور کو

لاؤں کہاں سے ڈھونڈھ کے آنکھوں کے نور کو

رزمیہ شاعری:۔ مرثیہ سے پہلے اُردو میں رزمیہ شاعری کا وجود نہیں تھا۔ اور مرثیہ میں بھی سب سے پہلے میر ضمیر نے اس کی طرف دھیان دیا۔ اور مبتدی ہونے کی حیثیت سے نبھایا بھی۔ لیکن میر انیس نے اسے جس درجۂ کمال پر پہنچا دیا وہاں سے آگے تو کیا ویسی بھی مثال آگے والے پیش نہ کر سکے۔ رزمیہ شاعری کے لئے جو جو چیزیں ضروری ہیں وہ سب انیس کے مرثیوں میں موجود ہیں۔ ان کی رزمیہ شاعری میں لڑائی کی تیاری، معرکہ کا زور شور، تلاطم، شور و غل، ہلچل، ہنگامہ خیزی، نقاروں کی گرج، طبل جنگ کی آواز، ہتھیاروں کی جھنکار، گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز، نیزوں کی لچک کمانوں کا کڑکنا، نقیبوں کی آواز، بہادروں کا میدان جنگ میں آنا۔ مبارز طلب ہونا، باہم معرکہ آرائی کرنا، لڑائی کے داؤں پیچ دکھانا اور پھر انجام وغیرہ وغیرہ

باتیں اس طرح بیان کی گئی ہیں کہ آنکھوں کے سامنے جنگ کا نقشہ کھنچ جاتا ہے اور دلوں میں وہی جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں جو عموماً جنگ کے وقت ہوتے ہیں۔ فنونِ جنگ کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ لڑتے ہوئے سپاہی چمکتی ہوئی تلواریں۔ بھڑکتے ہوئے گھوڑے اور نعرہ لگاتے ہوئے بہادر نظروں کے سامنے پھر جاتے ہیں۔

ہنگامۂ جنگ :-

نقارۂ دغا پہ لگی چوٹ یک بیک　　اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک
شہپور کی صدا سے ہراساں ہوئے مَلک　　قرنا پھنکی کہ گونج اُٹھا دشت دور تک
شورِ دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

گھوڑوں سے گونجتا تھا وہ سب وادیٔ نبرد　　گردوں میں مثلِ شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
تھا چرخِ چارمیں پہ رُخِ آفتاب زرد　　ڈر تھا گرے زمیں پہ نہ مینائے لاجورد
گرمی ہجومِ فوج سے دوچند ہوگئی
خاک اس قدر اُڑی کہ ہوا بند ہوگئی

فوج کی تیاری :-

حد سے فزوں ہے کثرتِ افواجِ نابکار　　نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ ہے تیغ آبدار
ہر سمت ہے سناں پہ سناں مثلِ خار زار　　ہر صف میں ہے سپر پہ سپر مثلِ لالہ زار
یکجا بہم ہیں جیسے ہو گل بے کھلے ہوئے
گوشوں سے ہیں کمانوں کے گوشے کھلے ہوئے

ہر صف میں برچھیاں بھی ہزاروں چمکتی ہیں　　نوکیں وہ تیز ہیں کہ دلوں میں کھٹکتی ہیں

نیزے تلے ہوئے ہیں سنانیں چمکتی ہیں
ترکش کھلے ہوئے ہیں کمانیں کڑکتی ہیں
سنگیں دلوں نے ہاتھوں میں پتھر اُٹھائے ہیں
تیغوں کے ساتھ گرز گراں سر اُٹھائے ہیں

حضرت قاسمؑ اور ارزق کی جنگ :-

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی نکال
چمکی انی تو برق پکاری کہ الاماں
اک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہاں
ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
بل کیا کہے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غُل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

جھنجھلا کے چوب نیزے کو لایا وہ فرق پر
قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ ماری بچا کے سر
دو انگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا

عباس نامدار نے پہلو سے دی صدا
ہاں اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا
سُنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا
گھوڑا بھی اس طرف کو ادھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

فوج کی بدحواسی :-

چلتی تھی ذوالفقار جو سَن سَن اِدھر اُدھر
دہشت سے چھپتے پھرتے تھے دشمن اِدھر اُدھر
کٹ کٹ کے گر رہے تھے سر و تن اِدھر اُدھر
ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ جوشن اِدھر اُدھر

ڈر کر کے جو سوار گرے وہ مرے گرے
صف پر گری جو صف تو پروں پر پرے گرے

رویں تنوں کے جسم کے ٹکڑے اڑا دیے — ہاتھوں کے کاٹ کاٹ کے پرزے اڑا دیے
گردن بچی کسی کی تو شانے اڑا دیے — پہنچا جو سر پہ ہاتھ تو پہنچے اڑا دیے

اوچھا بھی وار گر کسی دشمن کے لگ گیا
تن جا رہا تڑپ کے الگ ، سر الگ گیا

رجز :- عرب میں جنگ کا یہ طریقہ تھا کہ لشکر سے نکل کر ایک سپاہی اپنی خوبیوں کا بیان کرتا تھا کہ میں اس خاندان کا ہوں' میرے باپ دادا یہ تھے' میں نے فلاں جنگ میں یہ کارنمایاں کیا' میری شرافت یوں مشہور ہے۔ میری شجاعت کا ڈنکا یوں بج رہا ہے۔ غرضیکہ اسی طرح کے فخر و مباہات کی باتیں اس میں ہوتی تھیں چنانچہ میر انیس نے بھی اسی قاعدہ کے مطابق رجز شروع کیا ہے۔

امام حسینؑ کے رجز میں زیادہ تر انیس نے ان کی فضیلت و شرف پہ زور دیا ہے۔ مثلاً۔

میں ہوں سردار شباب چمنِ خلد بریں — میں ہوں انگشترِ پیغمبر خاتم کا نگیں
میں ہوں خالق کی قسم دوش محمدؐ کا مکیں — مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمیں

ابھی نظروں سے نہاں نور جو میرا ہو جائے
محفلِ عالمِ امکاں میں اندھیرا ہو جائے

لیکن کبھی کبھی شجاعت کا ذکر بھی آگیا ہے ؎

بخشا ہے مجھ کو حق نے شہِ لافتیٰ کا زور — اس دست مرتعش میں ہے دستِ خدا کا زور
ہے انگلیوں کے بند میں خیبر کشا کا زور — پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور

اُلٹوں فلک کو یوں جو ہو قصد انقلاب کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے ساغر حباب کا
دُنیا ہو اِک طرف تو لڑائی کو سر کروں   آئے غضب خدا کا ادھر رُخ جدھر کروں
بے جبرئیل کار قضا و قدر کروں   انگلی کے اِک اشارے میں شق القمر کروں
طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآب کی
رکھ دوں زمیں پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

انیس کے مرثیوں میں یوں تو ہر اسلحہ جنگ کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں لیکن گھوڑے اور تلوار پر انھوں نے بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت جنگ میں یہی دو چیزیں سب سے زیادہ کار آمد سمجھی جاتی تھیں۔ انیس نے تلوار کی کاٹ مار کی خوبیوں کے علاوہ اس کی دھات۔ اس کی شکل و صورت۔ دھار کی تیزی اور رفتار کا بیان بھی کیا ہے۔ گھوڑے کی تعریف کے سلسلہ میں بھی انیس نے اس کے جسمانی صفات۔ اسکی تیز رفتاری۔ سرعت اور اسی طرح کی دوسری خوبیوں کو بہت اچھے ڈھنگ میں لکھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں گھوڑے اور تلوار کے بارے میں ذاتی تجربات تھے۔

یوں تو اُردو شاعری میں گھوڑے اور تلوار کی تعریف قصائد اور مثنویوں میں بھی مل جاتی ہے لیکن اول یہ کہ ان میں مبالغہ سے اتنا زیادہ کام لیا گیا ہے کہ اصل تصویر سامنے نہیں آپائی۔ دوئم یہ کہ ان چیزوں پر اتنا کم زور طبع صرف کیا گیا کہ بھولے بھٹکے ہی اس کی مثالیں مل سکیں گی۔ لیکن انیس کے مرثیوں میں ان دونوں باتوں کے برعکس خصوصیات ملیں گی۔ مثلاً

گھوڑے کی تعریف :-

خوش رو و خوش خرام و خوش اندام و خوش لگام   خوش خو و خوش جمال و ادا فہم و تیز گام

جاندار و شوخ چشم و سعید و خجستہ گام　　گُل پوش و تیز ہوش و سمن گوش و لالہ فام
غازی تھا سرفراز تھا، عالی دماغ تھا
گویا ہوا کے دوش پہ اِک زندہ باغ تھا

وہ تھوتھنی، وہ ابلی ہوئی انکھڑیاں وہ یال　　گویا کھلے تھے حور کے گیسو پری کے بال
وہ جلد، وہ دماغ وہ سینہ وہ سم وہ چال　　دم میں کبھی ہُما، کبھی ضیغم، کبھی غزال
وہ قصر آسماں پہ بھی جانے میں طاق تھا
دو پر خُدا اگر اسے دیتا بُراق تھا

غصے میں انکھڑیوں کے اُبلنے کو دیکھئے　　جوبن میں جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھئے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھئے　　تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھئے
وہ تھوتھنی کہ غنچۂ سوسن سے تنگ تر
وہ انکھڑیاں خجل ہوں ہرن جن کو دیکھ کر

سمٹا، جما، اُکڑا، ادھر آیا، اُدھر گیا　　چمکا پھرا جمال دکھایا، ٹھہر گیا
تیروں سے اُڑ کے برچھیوں میں بے خطر گیا　　برہم کیا صفوں کو پرے سے گذر گیا
گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اس کے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا
بجلی کبھی بنا کبھی رہوار بن گیا　　آیا عرق تو ابر گہربار بن گیا
گہ قطب گاہ گنبد دوار بن گیا　　نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا

حیراں تھے اس کے گشت سے لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

مانند شیر غیظ میں آیا وہ پیل تن آنکھیں اُبل پڑیں صفتِ آہوئے ختن
مارا زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن غُل پڑ گیا کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رَن
میخیں زمیں کی اس کی تگاپو سے ہل گئیں
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں

اوپر کی مثالوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مبالغہ کے باوجود بھی گھوڑے کی تعریف میں حقیقت کا رنگ ملتا ہے۔ بالکل اسی طرح تلوار کی تعریف میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

چمکی گری اُٹھی ادھر آئی اُدھر گئی خالی کئے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئی
کاٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی
غل تھا یہ کیا ہے آج جو قہرِ صمد نہیں
ایسا تو رودِ نیل میں بھی جزر و مد نہیں

کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے تنتی تھی بس تنوں سے زمیں پاٹ پاٹ کے
پانی وہ خود پیئے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
کیا جانئے ملا تھا مزا کیا زبان کو
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

دلسوز، شعلہ خو، شرر انداز و جاں گداز لشکر کش و شکست رسان و ظفر نواز

خونخوار و کج ادا و دل آزار و سرفراز حاضر جواب، تیز طبیعت، زباں دراز
سچ اس کی ہے پسند جہاں، گو کجی نہ ہو
معشوق پھر نہیں ہے جو اتنی کجی نہ ہو

چھپتی تھی برق اس کی چمک دیکھ دیکھ کے رہ جاتے تھے سما کے سمک دیکھ دیکھ کے
تھراتا تھا زمیں کو فلک دیکھ دیکھ کے خورشید کانپتا تھا جھلک دیکھ دیکھ کے
جوہر میں پیچ و تاب تھا زلفوں کے جال کا
بجلی کی زرق برق تھی، چم خم ہلال کا

پیاسی بھی خون فوج کی اور آبدار بھی غل تھا کہ ایک گھاٹ میں پانی بھی نار بھی
بجلی بھی ابر تر بھی خزاں بھی بہار بھی تلوار بھی، سپر بھی، چھری بھی، کٹار بھی
پانی نے اس کے آگ لگا دی زمانے میں
اک آفت جہاں تھی لگانے بجھانے میں

قد کتنا خوشنما ہے بدن کس قدر ہے گول جوہر شناس ہے تو اسے موتیوں میں تول
مفتاح فتح ہے درِ نصرت کو اس سے کھول وہ تیغ ہے خراج صفاہاں ہے جس کا مول
اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے
شاہوں کی آبرو ہے، سپاہی کی جان ہے

کردار نگاری مرثیوں کے پہلے بہت محدود تھی۔ عاشق و معشوق کے کرداروں

تک ہی شعراء کی نظر بالعموم جاتی تھی اور مثنویاں بھی چونکہ زیادہ تر عشقیہ ہی لکھی گئیں لہٰذا ان میں بھی یہی عاشق و معشوق ہر جگہ کار فرما نظر آتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں شروع سے آخر تک ایک طرح کی یکرنگی کا احساس ہوتا ہے لیکن مرثیے چونکہ عشقیہ مضامین سے بالاتر تھے لہٰذا فطری طور پر کردار نگاری میں بلندی، وسعت اور ہمہ گیری آئی۔ اس کے علاوہ انیس کے مرثیوں کے اشخاص و کردار تاریخی اہمیت کے لوگ ہیں جن کا تعلق اس گھر سے ہے جس میں اسلام کی نشو و نما ہوئی اور کربلا کی اس مختصر جنگ کا مقصد ہی یہی تھا کہ وہ حق و معرفت کی محافظت میں اپنی جانوں کو قربان کر دیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے کردار کتنے عظیم ہوں گے۔ مرثیوں میں ویسے تو صدہا کردار نظر آئیں گے لیکن انیس نے سب سے زیادہ امام حسینؑ کی شخصیت کے بیان پر زور دیا ہے مگر اس طرح نہیں کہ وہ داستان کے کرداروں کی طرح فوق الفطرت معلوم ہونے لگیں بلکہ یہاں تو بشریت اور ملکیت کا ایک حسین امتزاج نظر آتا ہے۔

کردار نگاری کے سلسلہ میں ایک اور خاص بات انیس کے مرثیوں میں یہ بھی ہے کہ ان میں جگہ جگہ ہندوستانی عناصر نظر آتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں مسعود حسن صاحب 'روح انیس' میں کہتے ہیں "انیس نے اشخاص مرثیہ کی جو سیرت دکھائی ہے وہ نہ خالص عربی ہے نہ بالکل ہندوستانی بلکہ دونوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں ہندوستانیت عربیت سے زیادہ نمایاں ہے۔ بعض لوگ شاید اس کو قابل اعتراض سمجھیں لیکن اگر انیس ایسا نہ کرتے تو نہ واقعہ کربلا کو خاص و عام میں عظمت اور اہمیت حاصل ہوتی۔ نہ امام حسینؑ اور ان کے رفیقوں کی محبت اس طرح ہر دل میں گھر کرتی۔ نہ اہل ہند ان کو قابل تقلید نمونہ قرار دے سکتے۔ اور نہ ان کے مصائب کو اپنی ذاتی مصیبتوں کی طرح محسوس کر سکتے اور اگر یہ نہ ہوتا تو انیس کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔"

انیس کے مرثیوں میں یوں تو یہ ہندوستانیت ہر جگہ نظر آتی ہے لیکن آداب و رسوم کے سلسلہ میں یہی ہندوستانیت بہت زیادہ اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ یہاں تک بعض وقت عورتوں کے طور وطریقہ و نیز ان کی گفتگو سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ عربی نہیں بلکہ خالص ہندوستانی عورتیں ہیں مثلاً

حضرت زینبؑ حضرت عباسؑ کی بیوی کو دعا دیتی ہیں :۔

ع ۔ تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا

یا حضرت عباسؑ کی بیوی کہتی ہیں ؎

مہندی تمہارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دُلھن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

اخلاقی نقطۂ نظر سے اگر انیس کے مرثیوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مرثیوں میں پند و موعظت اور اخلاق و آداب پر اس قدر کہا گیا ہے کہ اگر ان سب کو یکجا کیا جائے تو ایک بہترین کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ مثلاً ؎

زیبا نہیں ہے فخر اضافی پہ افتخار ۔۔۔ پھر تم کو کیا بزرگ تھے گر فخر روزگار
دکھلادو آج حیدرؓ و جعفرؓ کی کارزار ۔۔۔ جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار

تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود کے نواسے علیؑ کے ہیں

یا

خورشید کو کچھ حاجتِ زیور نہیں زنہار ۔۔۔ پھولوں پہ کوئی عطر لگائے تو ہے بیکار
اعلیٰ ہے اگر جنس تو کیا حاجتِ اظہار ۔۔۔ خود مشک ہو خوشبو نہ کہ خوشبو کہے عطار

جو بد ہے سو بد ہے جو نکو ہے سو نکو ہے
چھپنے کی نہیں آپ اگر عود میں بو ہے

مجموعی طور پر انیسؔ نے مرثیہ میں اپنے جوہر ذاتی سے منظر نگاری۔ جذبات نگاری۔ واقعہ نگاری۔ رزم و بزم اور کردار نگاری وغیرہ جیسے اہم مضامین کا ذخیرہ لاکر اس صنف کو اُردو ادب میں سب سے زیادہ ممتاز کردیا۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ مرثیہ اردو ادب میں ایک منفرد کارنامہ ہے جس کی مثال نہ عربی میں ملے گی اور نہ فارسی میں، تو شاید بیجا نہ ہوگا اور اس منفرد کارنامہ کے پیش کرنے میں انیسؔ ہی کی شخصیت سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

انتخاب از مراثیِ میر انیسؔ

بخدا فارسِ[1] میدانِ تہوّر تھا حُر ایک دو لاکھ سواروں میں بہادر تھا حُر

نارِ دوزخ سے ابوذر کی طرح حُر تھا حُر[2] گوہرِ تاجِ سرِ عرش ہو وہ دُر تھا حُر

ڈھونڈھ لی راہ خُدا کام بھی کیا نیک ہوا

پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا

واہ رے طالعِ بیدار زہے عزت وجاہ حُر پہ کیا فضلِ خُدا ہو گیا اللہ اللہ

پیشوائی کو گئے آپ شہِ عرش پناہ خضرِ قسمت نے بتا دی اُسے فردوس کی راہ

مدتوں دور رہے جو وہ قریب ایسا ہو

بخت ایسے ہوں اگر ہو تو نصیب ایسا ہو

نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر ابھی ذرہ تھا ابھی ہو گیا خورشیدِ منیر

شافعِ حشر نے خوش ہو کے بحل کی تقصیر تکیۂ زانوئے شبیرؑ ملا وقتِ اخیر

اوج و اقبال و حشم فوج خُدا میں پایا

جب ہوا خاک تو گھر خاکِ شفا میں پایا

اللہ اللہ حُرِ صفدر و غازی کا نصیب جانِ محبوبِ الٰہی جسے فرمائے حبیب

ہجر میں لطف ملاقات کا دوری میں قریب وہی کام آتے ہیں محسن کے جو ہوتے ہیں نجیب

صدقے ہو جائے اسے عشق دلی کہتے ہیں

اس کو دُنیا میں سعید ازلی کہتے ہیں

---

[1] فارس یعنی سوار ۱۲ [2] حُر یعنی آزاد۔

آیا کس شوق سے کعبے کی طرف چھوڑ کے دیر | کوئی حضرت کا یگانہ بھی نہ سمجھا اُسے غیر
حق نے لکھ دی تھی جو تقدیر میں فردوس کی سیر | فتنہ و شر سے بچا ہو گیا انجام بخیر
ذکر خیر اُس کے موئے پر بھی ہوئے جاتے ہیں
عملِ نیک ہر اک وقت میں کام آتے ہیں

کفر کی راہ سے کارہ تھا جو وہ نیک طریق | کس بشاشت سے ہوا رہبر ایماں کا رفیق
تھے تو لاکھوں پہ کسی کو بھی ہوئی یہ توفیق | خلق طینت میں ہے جس کے وہی ہوتے ہیں خلیق
اوج دیندار کو بے دیں کو سدا پستی ہے
اصل جس تیغ کی اچھی ہے وہی کستی ہے

کیوں نہ بالیدہ ہو اُس کا چمنِ جاہ و جلال | جس کو سرسبز کرے خود اسد اللہ کا لال
ہو گیا فاطمہؑ کے باغ میں آتے ہی نہال | وہ ثمر پائے کہ پہنچے نہ جہاں دستِ خیال
کھل گیا غنچۂ دل عذر جو منظور ہوئے
صورتِ برگِ خزاں دیدہ گنہ دور ہوئے

حُر کہاں اور کہاں احمدِ مرسل کا خلف | بخت نے دیر سے پہنچا دیا کعبہ کی طرف
دل صفا ہو گیا سینے میں تو پائی یہ شرف | جبکہ آنکھیں ہوئیں حق بیں تو ملا درِ نجف
نیک جو امر ہیں دل پر وہی ٹھن جاتے ہیں
جب خدا چاہے تو بگڑے ہوئے بن جاتے ہیں

وصفِ حُر میں ہے زباں معترفِ عجز و قصور | آمد آمد کی بہادر کا سنو اب مذکور
جب ہوئی مستعدِ جنگ سپاہِ مقہور | مہر افلاک امانت نے کیا رن میں ظہور
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمیں پر بھی ستارے نکلے

۱۰
کیا کہوں شانِ جوانانِ جنودؑ اللہ — کوئی ہم خلعت خورشید کوئی غیرتِ ماہ
باندھی شیروں نے صفِ جنگ میانِ جنگاہ — چمنِ خلد سے کرنے لگیں حوریں بھی نگاہ
واں لعینوں نے درِ ظلم و ستم کھول دیا
بڑھ کے عباسؑ نے یاں سبز علم کھول دیا

۱۱
ہو گئے سُرخ شجاعت سے رُخِ آلِ نبیؐ — آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی
رَن میں کڑکا ہوا بجنے لگے باجے عربی — یکہ تازوں نے کیا شورِ مبارزؑ طلبی
اک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیہ کاروں کی
برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

۱۲
برچھیاں تول کے ہر غول سے خونخوار بڑھے — نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلّوں میں کماندار بڑھے — بولے شہؑ یاں سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبیؐ زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں

۱۳
یہ سخن سُن کے مخاطب ہوئے اعدا سے امام — اے سپاہِ عرب و روم و رے و کوفہ و شام
تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حُجّت کو تمام — پسرِ مصحفِ ناطق ہوں سنو میرا کلام
سخنِ حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
شور باجوں کا مناسب ہو تو موقوف کرو

۱۴
یہ صدا سُنتے ہی خود رُک گیا قرنا کا خروش — تھم گیا طبلِ وغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گیا جوڑ کے ہاتھوں کو جلاجلؑ خاموش — کیا بجاتے کہ بجا تھے نہ کسی شخص کے ہوش

۱؎ جنود جمع جند بالضم بمعنی لشکر ۱۲، ۲؎ مبارز بالضم میم و کسر راء آنکہ باکسے برائے جنگ بیرون آید ۱۲
۳؎ جلاجل بالضم ہر دو جیم جمع جُلجُل گھونگھروؤں کو کپڑے میں ٹانک کے گردن شتر میں باندھتے ہیں یہاں پر مراد جھانجھ سے ہے۔ ۱۲

چھیڑنا اُن کو سرِ دوں کا بھی ناساز ہوا
رعبِ فرزندِ نبیؐ سُرمۂ آواز[1] ہوا

۱۵

گم ہوا غلغلۂ فوجِ ستم جب یک بار — یوں گہربار ہوئے شہ کے لبِ گوہر بار
صف کشی کس پہ ہے یہ اے سپہِ ناہنجار — قتل سادات کی لشکر میں یہ کیسی ہے پکار
وطن آوارؤں پہ یہ قرق ہے کیوں پانی کا
کیا زمانے میں یہی طور ہے مہمانی کا

۱۶

مجکو لڑنا نہیں منظور یہ کیا کرتے ہو — تیر جوڑے ہیں جو تم نے تو خطا کرتے ہو
کیوں نبیؐ زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو — دیکھو اچھا نہیں یہ ظلم بُرا کرتے ہو
شمعِ ایمان ہوں اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقع[2] ابھی اک دم میں اُلٹ جائے گا

۱۷

میں ہوں سردارِ شباب[3] چمنِ خُلد بریں — میں ہوں خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکیں
میں ہوں انگشترِ پیغمبرؐ خاتم کا نگیں — مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منوّر ہے زمیں
ابھی نظروں سے نہاں نور جو میرا ہو جائے
محفلِ عالمِ امکاں میں اندھیرا ہو جائے

۱۸

قلزمِ عزّ و شرف کا دُرِ شہوار ہوں میں — سب جہاں زیرِ نگیں ہے وہ جہاندار ہوں میں
آج گو مصلحتاً بیکس و ناچار ہوں میں — وارثِ احمدِ مختار کا مختار ہوں میں
بخدا دولتِ ایماں اسی دربار میں ہے
سب بزرگوں کا تبرّک مری سرکار میں ہے

۱۹

یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ یہ کس کی دستار — یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہوں میں جو سینہ فگار
بَر میں کس کا ہے یہ چار آئینہ جوہردار — کس کا رہوار ہے یہ آج میں جس پر ہوں سوار

---

[1] قاعدہ ہے کہ سرمہ کھانے سے آواز بند ہو جاتی ہے ۱۲ [2] مرقع مراد از دنیا ۱۲ [3] شباب جمع شاب معنی جواناں

کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کس کی ہے
کس جری کی یہ کماں ہے یہ سپر کس کی ہے

۲۰
تنگ آئے گا تو رکنے کا نہیں پھر شبیرؑ　　ایک حملہ میں فنا ہوں گے یہ دو لاکھ شریر
چل سکیں گے نہ تبر مجھ پہ نہ تلوار نہ تیر　　کاٹ جائے گی گلے سب کے یہ بُران شمشیر
شیر ہوں لختِ دلِ غالب ہر غالب ہوں
میں جگر بند علیؑ ابن ابی طالب ہوں

۲۱
مجکو ہوتا نہ اگر بخششِ امت کا خیال　　روک لیتا مجھے رستے میں یہ حُر کی تھی مجال
تھام سکتا تھا لجامِ فرسِ برق مثال　　پوچھ لو دیکھا ہے سب نے مرے تیروں کا جلال
گفتگو میں سپر اُس کی جو نہ ہم ہو جاتے
ہاتھ اک وار میں پہونچوں سے قلم ہو جاتے

۲۲
غیظ سے ہاتھ چباتے تھے علیؑ کے دلدار　　پیچھے تولتے تھے عونؑ و محمدؑ ہر بار
اُگلی پڑتی تھی جگر بند حسنؑ کی تلوار　　میں نے جب سر کی قسم دی تو رُکے وہ جرار
چلتی تلوار تو جنگل تہ و بالا ہوتا
پھر نہ حُر خلق میں ہوتا نہ رسالا ہوتا

۲۳
تھا یہ بپھرا ہوا عباسؑ مرا شیر جواں　　سینۂ حُر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سناں
میں یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ اے بھائی جان　　رحم لازم ہے ہمیں ہم ہیں امامِ دو جہاں
کچھ تردد نہیں سر تن سے اُتارا جائے
کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے

۲۴
گرچہ یہ امر نہیں اہل سخا کے شایان　　کہ کسی شخص کو کچھ دے کے کرے سب پہ بیان
پوچھ لو حُر تو ہے موجود عیاں راچہ بیان　　اُسی جنگل میں مع فوج تھا یہ تشنہ دہان
شور تھا آج چلیں جسم سے جانیں سب کی
مُنہ کے باہر نکل آئیں تھیں زبانیں سب کی

۲۵
زیست ہر شے کی ہے پانی سے شجر ہو کہ بشر   مجھ سے دیکھا نہ گیا میں تو سخی کا ہوں پسر
میں نے عباسؑ دلاور سے کہا گھبرا کر   مشکوں والے ہیں کہاں اونٹ ہیں پانی کے کدھر

کرم ساقیِ کوثر کو دکھا دو بھائی
جتنا پانی ہے وہ پیاسوں کو پلا دو بھائی

۲۶
رہ نہ جائے کوئی گھوڑا کوئی ناقہ بے آب   چھاگلیں جلد منگاؤ مرا دل ہے بیتاب
سقے مشکیزوں کے منہ کھول کے آپہنچے شتاب   متوجہ ہوا میں خود کہ وہ تھا کارِ ثواب

چین آیا نہ مجھے بے اُنھیں آرام دیے
تھا جو اِک جام کا پیاسا اُسے دو جام دیے

۲۷
تھی یہی فصل یہی دھوپ یہی گرم ہوا   ٹھنڈے پانی پہ گرے پڑتے تھے حُر کے رفقا
تشنہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ ملتی نہ تھی جا   سقے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا

بھائیو آؤ جو پانی کی طلبگاری ہے
چشمۂ فیض حسینؑ ابن علی جاری ہے

۲۸
آب شیریں کا جو دریا ہوا جنگل میں رواں   فرس و اشتر و قاطر نہ رہے تشنہ دہاں
شکر کرنے لگے تر ہو گئی ہر خشک زباں   پانی پی پی کے دُعائیں مجھے دیتے تھے جواں

شور تھا ابن یداللہ نے جاں بخشی کی
دین و دُنیا کے شہنشاہ نے جاں بخشی کی

۲۹
ایک دن وہ تھا اور اک دن یہ ہے اللہ اللہ   کہ اُسی طرح ہمیں پیاس میں پانی کی ہے چاہ
چشم امید ہو کیا سب نے پھرالی ہے نگاہ   کوئی اک جام بھی بھر کر ہمیں دیتا نہیں آہ

ہر مسلماں پہ نبی زادے کا حق ہوتا ہے
بچے روتے ہیں تو سینہ مرا شق ہوتا ہے

٣٠

کئی طفل ان میں ہیں کمسن کہ موئے جاتے ہیں   دم اُکھڑتا ہے ہر اجب انھیں غش آتے ہیں
پانی پانی جو وہ کرتے ہیں تو شرماتے ہیں   پاس دریا ہے یہ اِک بوند نہیں پاتے ہیں
سچ ہے غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہے
تیسرا دن ہے کہ فاقوں میں بسر ہوتی ہے

٣١

شہ کی مظلومی پہ گریاں ہوئی ظالم کی سپاہ   عمر سعد نے کی پھر کے رُخِ حُر پہ نگاہ
بولا وہ اشہد باللہ بجا کہتے ہیں شاہ   محسن و منعم و آقا ہے مرا یہ ذی جاہ
ان کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
سخنِ حق میں جو شک لائے وہ منکر ہو جائے

٣٢

ایک میں کیا ہوں زمانے پہ ہے احساں ان کا   ابر رحمت ہیں خطا پوش ہے داماں ان کا
خشک و تر پر ہے کرم خلق میں یکساں ان کا   ہے خوشا حال جو غربت میں ہو مہماں ان کا
جنتی ہے جسے حاصل یہ شرف ہوئے گا
جو ادھر ہوگا خُدا اُس کی طرف ہوئے گا

٣٣

یہ ابھی ہاتھ اُٹھا کر جو دُعا فرمائیں   جتنے عالم کے گنہگار ہیں بخشے جائیں
حق سے جس شے کے طلبگار ہوں فوراً پائیں   جام کوثر یہیں فردوس سے حوریں لائیں
مثل خورشید ہے روشن وہ شرف ان کا ہے
یہ وہ بندے ہیں کہ اللہ پہ حق جن کا ہے

٣٤

ان سے قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیتے ہیں   ہیں سخی ابن سخی بات پہ سر دیتے ہیں
پیٹ سائل کا یہ فاقوں میں بھی بھر دیتے ہیں   یاں تو زر دیتے ہیں فردوس میں گھر دیتے ہیں
اپنے مجرم کے گنہگار کے اُمید ہیں یہ
ذرہ پرور جنھیں کہتے ہیں وہ خورشید ہیں یہ

۳۵
حُر سے گھبرا کے یہ بولا عمر سعد شریر	یہ تو ہے صاف طرفداریِ شہ کی تقریر
اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر نہ تعریف امیر	اللہ اللہ یہ اوصاف یہ مدحِ شبیرؑ
سُن چکا ہوں میں کہ تو مضطر ہے کئی راتوں سے
اُلفتِ شاہ ٹپکتی ہے تری باتوں سے

۳۶
نہ وہ آنکھیں نہ وہ تیور نہ وہ چتون نہ مزاج	سیدھی باتوں میں بگڑنا یہ نیا طور ہے آج
تخت بخشا ہے محمدؐ کے نواسے نے کہ تاج	جن کو سمجھا ہے غنی دل ہیں وہ خود ہیں محتاج
کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے
کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے

۳۷
کیا کسی حور کا دکھلا دیا حضرت نے جمال	مل گیا سایۂ طوبیٰ کہ جو ایسا ہے نہال
قصرِ یاقوت میں پہنچا جو ترا رنگ ہے لال	کون سے میوۂ شیریں پہ ٹپکتی ہے رال
دفعتہً حق نمک کو بھی فراموش کیا
کیا تجھے بادۂ تسنیم نے بیہوش کیا

۳۸
میں جہاں دیدہ ہوں سب مجکو خبر ہے تیری	قرۃ العین محمدؐ پہ نظر ہے تیری
ہونٹ بھی خشک ہیں اور چشم بھی تر ہے تیری	جسم خاکی ہے ادھر جان اُدھر ہے تیری
راہ میں کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے
تو نے فرزند یداللہ سے سازش کی ہے

خیر مخفی نہ رہے گا یہ قصور اور فتور	لکھیں گے عمدۂ اخبار پہ جو ہیں مامور
حاکمِ شام ہے جابر وہ سزا دے گا ضرور	گر تجھے دار پہ کھینچے تو کچھ اس سے نہیں دور
سب تری قوم کے سر تن سے جُدا ہوئیں گے
زن و فرزند گرفتارِ بلا ہوئیں گے

۱۱۹
نفع اس امر میں کیا جس میں ہو مردم کا ضرر — آنکھیں نکلیں گی محبت سے جو دیکھے گا ادھر
نیچر قامتِ سرور پہ جو ڈالے گا نظر — سر چڑھے گا ترا برچھی پہ یہ ہے اس کا ثمر
اُلفتِ زلف سے بھی پیچ میں تو آئے گا
فال رُخ دیکھا تو گھر خال سے لگ جائے گا

۱۲۰
بدرِ پیشانیٔ سرور کا ہے جو سر میں خیال — تو اسی ماہ میں نقصاں ترا ہوئے گا کمال
سب میں ہو جائے گا انگشت نما مثلِ ہلال — تیرِ شمشیر ہے ابرو کی محبت کا مآل
عشقِ رُخسار میں رُتبہ ترا گھٹ جائے گا
مُنھ پہ کہتا ہوں کہ چہرہ ترا کٹ جائے گا

۱۲۱
خوف کس بات کا پیاسوں سے یہ تھرایا کیا — لب پہ ہر مرتبہ بیکس کی ثنا لانا کیا
ننگ کی بات ہے دشمن کی طرف جانا کیا — ہو نبیؐ یا کہ وصی جنگ میں شرمانا کیا
ابھی لے جائیں جو شبیر کا سر ہاتھ لگے
خلد ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ زر ہاتھ لگے

۱۲۲
حر پکارا کہ زباں بند کر او ناہموار — قابلِ لعن ہے تو اور وہ تیرا سردار
ابنِ زہرا ہے جگر بند رسولِ مختار — میرا کیا مُنھ جو کروں مدح امامِ ابرار
اک زمانہ صفتِ آلِ عبا کرتا ہے
آپ قرآں میں خُدا اُن کی ثنا کرتا ہے

۱۲۳
وصف ایسوں کا زباں پر کوئی کیونکر لائے — تین سو آیے ہوں تعریف میں جن کی آئے
کسی انساں نے یہ دُنیا میں ہیں رُتبے پائے — اپنا محبوب و ولی جس کو خُدا فرمائے
اُلفتِ آلِ نبی میں ہی خوش اقبالی ہے
سنگ ہے ان کی محبت سے جو دل خالی ہے

[۴۵] سفلوں سے ہے محبت تجھے اے سفلہ مزاج ۔۔۔ خاک پا اُس کا ہوں میں ہے جو سرِ عرش کا تاج

جس کو کاندھے پہ محمدؐ کے ملی ہے معراج ۔۔۔ میرے آقا سا سخی کون ہے کونین میں آج

کیوں ترے سامنے ٹکروں کو نہیں بخشا ہے

ہاں مجھے شاہ نے فردوس بریں بخشا ہے

[۴۶] باغ جو مجکو دکھایا اُسے کیا جانے گا تو ۔۔۔ راحتِ روح ہے جس باغ کے ہر پھول کی بو

مجکو اللہ نے بخشیں ہیں وہ حوریں خوشرو ۔۔۔ کہ جنھیں تیرے فرشتوں نے نہ دیکھا ہو کبھو

نام کوثر کا نہ لے تو مجھے جوش آتا ہے

انھیں چھینٹوں سے تو بیہوش کو ہوش آتا ہے

[۴۷] عزت دین شرف کون و مکاں ہے شبیرؑ ۔۔۔ جان زہراؑ کی محمدؐ کی زباں ہے شبیرؑ

سنگ پانی ہو وہ اعجاز بیاں ہے شبیرؑ ۔۔۔ جان کیوں ہو نہ اُدھر جانِ جہاں ہے شبیرؑ

مہرباں ہوں تو ابھی عقدہ کشائی ہووے

وہ نہ بخشیں تو خُدا تک نہ رسائی ہووے

[۴۸] کیا میں اور کیا وہ ریاست مری کیا میرے عیال ۔۔۔ جبکہ آفت میں پھنسی احمدِ مختار کی آل

وانکی املاک و زراعت کا ہو کیا مجکو خیال ۔۔۔ یاں ہوئی جاتی ہے سادات کی کھیتی پامال

گھر کا اب دھیان نہ بچوں کا الم ہے مجکو

خانہ بربادیِ شبیرؑ کا غم ہے مجکو

[۴۹] دولتِ حاکم دوں پر ہے ترا دارومدار ۔۔۔ دار دُنیا سے تعلق نہیں رکھتے دیندار

کیا مجھے دار پہ کھینچے گا وہ ظالم غدّار ۔۔۔ خواب غفلت ہے اُسے میرا ہے طالع بیدار

کسی سردار نے یہ اوج نہ پایا ہوگا

دار طوبیٰ کا مرے فرق پہ سایا ہوگا

۵۰ شعر
ہے سرافراز سدا عاشقِ پیشانیٔ شاہ — سجدے کیجے کہ ہے بیت ابرووٗں کی بیت اللہ
عشق آنکھوں کا ہے مردم کے لئے نورِ نگاہ — ہے وہ یوسفؑ جسے ہو مصحفِ رخسار کی چاہ
عاشقِ لب کو خُدا لعل و گہر دیتا ہے
وہ دہن چشمۂ کوثر کی خبر دیتا ہے

۵۱ شعر
خالِ رخسار نہیں گوے سعادت ہے یہ — مجھ سے مجرم کے لئے مہرِ شفاعت ہے یہ
ہوں جو آشفتۂ گیسو تو عبادت ہے یہ — بخدا سلسلۂ بخششِ اُمت ہے یہ
شبِ معراج رسولِ دوجہاں سمجھا ہوں
اس کے ہر تار کو میں رشتۂ جاں سمجھا ہوں

۵۲ شعر
وصفِ دنداں میں رہے جسکی زباں گوہر بار — موتیوں سے وہیں اُس شخص کا بھر دے غفّار
شوق میں سیبِ ذقن کے جسے آئے نہ قرار — حور غرفے سے دکھائیں اُسے رنگِ رخسار
دمبدم چاہنے والوں کے لہو گھٹتے ہیں
یہ گلا وہ ہے گلے جس کے لئے کٹتے ہیں

۵۳ شعر
صدقے اس سینے پہ ہیں عاشقِ صافی سینہ — خاک اُس دل پہ جو اُس سینہ سے رکھے کینہ
حق نما ہے تو جہاں میں ہے یہی آئینہ — اس کا عاشق ہو تو ہوں کور کی آنکھیں بینا
فیض پاتا ہے وہ جس دل میں ولا ہوتی ہے
چشم کو ان کی زیارت سے جلا ہوتی ہے

۵۴ شعر
پاؤں یہ وہ ہیں کہ اِن پاؤں کو جو ہاتھ لگائے — تو سرِ دست سرافرازیٔ کونین وہ پائے
گردِ نعلین مبارک جو اثر اپنا دکھائے — طوطیا ہوئے خجل کُحل جواہر شرمائے
صدقے کر دیں گے سر ان پاؤں پہ ہم ایسے ہیں
دوشِ احمدؐ پہ رہے جو یہ قدم ایسے ہیں

۵۵

عملِ خیر سے بہکا نہ مجھے او ابلیس　　یہی کونین کا مالک ہے یہی راسِ رئیس
کیا مجھے دے گا ترا حاکمِ ملعون و خسیس　　کچھ تردد نہیں کہہ دے کہ لکھے پرچہ نویس
ہاں سوئے ابنِ شہنشاہ عرب جاتا ہوں
لے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

۵۶

کہہ کے یہ ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار　　سُرخ آنکھیں ہوئیں ابرو پہ بل آئے اک بار
تن کے دیکھا طرفِ فوجِ امامِ ابرار　　پاؤں رکھنے لگا تن تن کے زمیں پر رہوار
غُل ہوا سیّدِ والا کا ولی جاتا ہے
لو طرفدار حسینؑ ابنِ علیؑ جاتا ہے

۵۷

حُر نے نعرہ کیا یا حیدرِ صفدر مدد دے　　وقت امداد ہے یا فاتحِ خیبر مدد دے
روحِ زہراؑ مدد دے نفسِ پیمبرؐ مدد دے　　بندۂ آل ہوں یا خواجۂ قنبر مدد دے
تنِ تنہا ہے غلام اور بہت اظلم ہیں
آئی آواز کہ اے حُر ترے حامی ہم ہیں

۵۸

مل گئی راہِ خدا واہ رے اقبال ترا　　پاک عصیاں سے ہوا نامۂ اعمال ترا
جُرم ماضی ہوئے سب عفو خوشا حال ترا　　جلد جا جلد کہ شائق ہے مرا لال ترا
مرد ہے جس کی یہ ہمت یہ ارادہ ہووے
ہاں برادر تری توفیق زیادہ ہووے

۵۹

منتظر ہیں ترے سب فوجِ حسینی کے جواں　　در فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضواں
راہ تکتی ہیں تری دیر سے حورانِ جناں　　شور کوثر پہ ہے شبیر کا مہماں ہے کہاں
فوجِ قدسی تری ہمت کی ثنا کرتی ہے
فاطمہ آج ترے حق میں دُعا کرتی ہے

۶۰

تو بہشتی ہے یہ کافر ہیں کنشتی اے حُر — مٹ گئی سب ترے اعمال کی زشتی اے حُر

دیکھ اب صورت حوران بہشتی اے حُر — کس تلاطم میں بچی ہے تری کشتی اے حُر

غضب اللہ کا شبیرؑ کی ناراضی ہے

پنجتن تجھ سے ہیں راضی تو خُدا راضی ہے

۶۱

اور بالیدہ ہوا سُن کے یہ مژدہ وہ ہزبر — دلِ بیتاب پکارا کہ نہیں طاقتِ صبر

اب تو اِس فوج میں اک دم کی بھی تعویق ہے جبر — قعرِ دوزخ ہے مسلماں کے لئے صحبتِ گبر

ہاں اُٹھا باگ جو شیدائے شہِ عالی ہے

فوجِ اللہ و نبیؐ میں تری جا خالی ہے

۶۲

سُن کے یہ باگ جو لی اسپ سبکتاز اُڑا — ڈر سے رنگِ عمرِ شعبدہ پرداز اُڑا

کیا اُڑا رخش کہ طاؤس بصد ناز اُڑا — دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اُڑا

باغِ زہرا میں نسیمِ سحری جاتی ہے

غُل تھا دربارِ سلیماں میں پری جاتی ہے

۶۳

کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہر چند — حُر کا ہاتھ آنا تو کیسا نہ ملی گردِ سمند

کہتے تھے شرم سے وہ لیکے جو دوڑے تھے کمند — یہ چھلاوہ تھا کہ آندھی یہ فرس تھا کہ پرند

کیا سبک سوئے چمن بادِ بہاری پہنچی

ہم یہیں رہ گئے واں حُر کی سواری پہنچی

۶۴

یاں ہوئے علمِ امامت سے شہِ دیں آگاہ — ہنس کے عباس سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ

میرے لشکر کی طرف ہے رُخِ حُرِ ذیجاہ — سب سے کہدو کہ نہ روکے کوئی اُس شخص کی راہ

جاؤ لینے کو عجب رُتبہ شناس آتا ہے

میرا مہماں مرا عاشق مرے پاس آتا ہے

۵
ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار　　الغیاث اے جگر و جان رسولِ مختار
مجرم ایسا ہوں کہ عصیاں کی نہیں جس کے شمار　　عفو کر عفو کر اے چشمۂ فیضِ غفار
پار دریائے خطا سے مری کشتی ہو جائے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہو جائے

۶
کئی روزوں سے تلاطم میں ہوں اے شاہنشاہ　　مدد اے نوح غریباں مرا بیڑا ہے تباہ
دست و پا گم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سوجھتی راہ　　شور کرتا ہوں کہ بتلائے کوئی جائے پناہ
ابر رحمت کی طرف جا یہ صدا دیتے ہیں
سب ترے دامنِ دولت کا پتا دیتے ہیں

۷
ترے دامن کے نثار اے مرے آقائے جلیل　　رحم کر رحم کہ شرمندہ ہے یہ عبد ذلیل
دل خنک ہوئے جو نکلے کوئی کوثر کی سبیل　　جان آجائے جو مولائے دو عالم ہوں کفیل
نہ وزیروں میں یہ ہمت نہ شہنشاہ میں ہے
سب مرے درد کا درماں تری درگاہ میں ہے

۸
خلق میں آپ کے والد کے کرم ہیں مشہور　　بات میں بخش دئے سیکڑوں بندوں کے قصور
مجھ سے ہیں باگ پکڑ لینے پہ آزردہ حضور　　بخش دیجے تو کرم سے نہیں کچھ آپ کے دور
یہ تو کیونکر کہوں میں لائق تعزیر نہیں
مگر اسود سے زیادہ مری تقصیر نہیں

اے مددگار و معین الضعفا اَدرِکنی　　اے خبر گیر گروہ غربا اَدرِکنی
پاؤں لغزش میں ہیں اے دستِ خدا اَدرِکنی　　ہاتھ باندھے ہوں میں اے عقدہ کشا اَدرِکنی
دیکھئے حُر کو سند نار سے آزادی کی
آیئے جلد خبر لیجئے فریادی کی

مرے اعمال میں ہر چند سراسر ہے بدی　　ہوں گنہگار خدائے ازلی و ابدی
آپ ہیں مالکِ سرکار جنابِ احدی　　اے خُداوندِ جہاں خذ بیدی خذ بیدی
جو تہی دست ہیں تکتے ہیں شہنشاہ کا ہاتھ
آپ کا ہاتھ زمانے میں ہے اللہ کا ہاتھ

ایک یہ خستہ تن اور درپئے جاں لاکھ حریف　　اے سلیماں کہیں پامال نہ ہو مورِ ضعیف
چھوڑ کر آپ کی سرکار کہاں جائے نحیف　　کیجئے اب نظرِ لطف کہ ہوتا ہے خفیف
ہوں سرافراز جو اتنا ہی کرم ہو جائے
نام قنبر کے غلاموں میں رقم ہو جائے

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم　　جوش میں آگیا اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھے ہاتھوں کو پھیلا کے شہنشاہ اُمم　　حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اُس دم
شکر کر سبطِ رسول الثقلین آتے ہیں
لے بہادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیرؑ　　دوڑ کر چوم لئے پائے شہِ عرش سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے باتوقیر　　میں نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر
میں رضا مند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو
مجکو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

کس کے کیوں باندھا ہے ہاتھوں کو میں ہوتا ہوں خجل　　سہل کردیں اُسے گر ادہ کوئی ہو مشکل
بھائی آ مجھ سے بغلگیر تو ہو کھول کے دل　　غافر و راحم و توّاب ہے ربِّ عادل
جُرم سب محو کئے حق نے ترے دفتر سے
آج پیدا ہوا گویا شکمِ مادر سے

شہؑ پکارا بابی انتؑ و امی یا شاہ — قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن میں مل جائے یہ راہ — سب ہے صدقہ انہیں قدموں کا خدا ہے آگاہ

مہر ذرّہ پہ جو ہو نیّرِ تاباں ہو جائے
آپ جس مور کو چاہیں وہ سلیماںؑ ہو جائے

شہؑ کون مقدادؓ تھے سلمان اباذرؓ تھے کون — آپ فرمائیں کہ عمارؓ دلاور تھے کون
شورِ عالم میں جو ہے مالکؓ اشتر تھے کون — اے خداوند جہاں حضرت قنبر تھے کون

انہیں قدموں کا تصدق تھا کہ ممتاز ہوئے
اسی سرکار کے خلعت سے سرافراز ہوئے

شہؑ نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے یہ سب — دے کسی شخص کو بندے میں یہ مقدور ہے کب
اُس مسبّب عنایت کے یہ سارے ہیں سبب — وہی منعم وہی محسن وہی رازق وہی رب

اپنے کیسے سے نہ دام اور درم دیتے ہیں
جب وہ خالق ہمیں دیتا ہے تو ہم دیتے ہیں

شہؑ لاکھ ہاتھ اُس کے ہیں دینے کے وہ ایسا ہے جواد — ہم اُسے بھولیں تو بھولیں اُسے ہر وقت ہے یاد
رزق وہ حوصلۂ حرص سے دیتا ہے زیاد — شکر معبود کا اس پر بھی نہیں کرتے عباد

وہ غنی ہے کہ محتاج زمانہ اُس کا
کبھی خالی نہیں ہوتا ہے خزانہ اُس کا

شہؑ جس قدر اُس سے طلب کیجئے خوشنود ہے وہ — صاحبِ جود ہے وہّاب ہے محمود ہے وہ
ہاتھ پھیلائے جو سو بار تو موجود ہے وہ — بخش دیتا ہے کہ ہم عبد ہیں معبود ہے وہ

پرورش جرم پہ بھی صبح و مسا ہوتی ہے
یاں سے ہوتی ہے خطا واں سے عطا ہوتی ہے

لہ یعنی میرے ماں باپ فدا ہوں آپ پر ۱۲ سلہ آثم بمعنی گنہگار ۱۲

شہ کے یہ ساتھ لئے حُر کو چلے شاہِ اُمم　　ہاتھ میں ہاتھ تھا مہمان کا اللہ رے کرم
راس و چپ قاسمؑ و اکبرؑ تھے زہے شان و حشم　　سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرتِ عباسؑ علم
دور سے اہلِ خطا تیر جو برساتے تھے
رفقا سایہ میں ڈھالوں کے لئے آتے تھے

لائے اس عزت و حرمت سے جو مہماں کو امام　　بولے عباسؑ کمر کھول اب اے نیک انجام
شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام　　عرض کی حُر نے کمر خُلد میں کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی اُمنگ　　ایک ہی وار میں دونوں کو کروں گا چو رنگ
لشکرِ شام سے پیہم چلے آتے ہیں خدنگ　　شاہزادوں کی سپر ہوں کہ عبادت ہے جنگ
لیکن ایسا نہ ہو بچہ کوئی بے جان ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قرباں ہو جائے

شہ نے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت تیری　　مجکو مر کر بھی نہ بھولے گی محبت تیری
وا دریغا ہوئی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری　　خیر فردوس میں ہو جائے گی دعوت تیری
آج رتبہ ترا خیلِ شہدا میں ہو گا
شب کو تو صحبتِ محبوبِ خُدا میں ہو گا

تجبہ مخفی نہیں ہفتم سے جو کچھ ہے مرا حال　　راہیں ہر سمت کی روکے ہوئے ہیں اہلِ ضلال
قحط پانی کا ہے اس دشت میں گندم کا ہے کال　　نانِ جَو کا بھی ہے ملنا کسی قریہ میں محال
سب کو ایذا عوضِ آب و غذا ملتی ہے
دودھ اصغرؑ کو نہ عابدؑ کو دوا ملتی ہے

۵۵
حُر نے رو کر سرِ تسلیم جھکایا بہ ادب　　شہ نے رومال رکھا آنکھوں پہ رونے لگے سب
جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشقِ سلطانِ عرب　　شاہ بولے کہ عجب دوست چھٹا ہائے غضب
دمبدم یاں سے جو آوازِ بکا جاتی تھی
گریۂ آلِ محمد کی صدا آتی تھی

۵۶
حُر چلا فوج مخالف پہ اُڑا کر توسن　　چوکڑی بھول گئے جس کے تگاپو سے ہرن
وہ جلال اور وہ شوکت وہ غضب کی چتون　　ہاتھ میں تیغ سپر دوش پہ بر میں جوشن
دوسرے دوش پہ شملے کے جو بل کھاتے تھے
کاکلِ حور کے سب پیچ کھُلے جاتے تھے

۵۷
زور بازو کا نمایاں تھا بھرے شانوں سے　　دست فولاد دبا جاتا تھا دستانوں سے
برچھیوں اُڑتا تھا دب دب کے فرس رانوں سے　　آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانوں سے
خود روحی کی جو ضو تا بہ فلک جاتی تھی
چشمِ خورشید میں بجلی سی چمک جاتی تھی

۵۸
نیزۂ حُر کی سناں پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ　　تھا یہ ظاہر کہ نکالے ہے زباں مار سیاہ
قبضۂ تیغ پہ رکھے تھی سرِ عجز نگاہ　　آفتابی وہ سپر جس سے خجل گردۂ ماہ
قدر اندازوں کے جانوں کے اُدھر لالے تھے
تیر ترکش میں نہ تھے آگ کے پرکالے تھے

مطلع دوم

۵۹
رن میں جب شہ کی طرف سے حُرِ دیندار آیا　　کس بشاشت سے اُڑاتا ہوا رہوار آیا
غل ہوا سیدِ مظلوم کا غمخوار آیا　　جاں نثارِ خلفِ حیدرِ کرار آیا

طبقِ نور سرِ راہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

۹۰
آنے جانے کا بہادر کے کروں کیا مذکور — پہلے کچھ اور ہی جلوہ تھا پر اب اور ظہور
اے خوشا رتبۂ فیضِ قدمِ پاک حضور — غل تھا آتا ہے ملک پہنے ہوئے خلعتِ نور
صحبتِ اہلِ ولا دل کو جلا کرتی ہے
مس کو اک آن میں اکسیر طلا کرتی ہے

۹۱
واہ کیا فیض ہے سرکار شہِ عالم میں — ذرۂ خاک کو خورشید کیا اک دم میں
نور یہ حور میں دیکھا نہ بنی آدم میں — یہ وہی حُر جری ہے جو ابھی تھا ہم میں
تن ہے خوشبو رُخِ گلرنگ تر و تازہ ہے
خاکِ نعلین مبارک کی عجب غازہ ہے

۹۲
مہر ذرہ ہے جہاں چہرۂ روشن ایسا — چاندنی جس سے کرے کسبِ ضیا تن ایسا
حرز ہو بازوے داؤد کا جوشن ایسا — ہوش پریوں کے اُڑے جاتے ہیں توسن ایسا
گلشنِ دہر میں لو بادِ بہاری آئی
قاف میں غل ہے سلیمانؑ کی سواری آئی

۹۳
حُر پکارا کہ بجا کہتے ہو لاشک لاریب — دامنِ حضرتِ شبیرؑ نے ڈھانپے مرے عیب
دولتِ دیں سے نہ دامن مرا خالی ہے نہ جیب — بارک اللہ[1] کی دیتا ہے صدا ہاتفِ غیب
فیض پا کر پئے شمشیر زنی آیا ہوں
یاں سے محتاج گیا واں سے غنی آیا ہوں

مجکو خورشید کیا نورِ خدا کی ضو نے — نور بخشا پسرِ فاطمہؑ کے پرتو نے
بخت پائے ہیں سکندر کے غلام تو نے — گنج وہ لایا ہوں دیکھا جو نہ تھا خسرو نے

---

[1] یعنی برکت دے اللہ تجھ کو ۱۲

دور دورہ آج سے میرا ہے زمانہ میرا
کبھی خالی نہیں ہوئے گا خزانہ میرا

۹۵
رُخِ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے ۔ مل کے آیا ہوں مُنہ اپنا قدمِ حضرت سے
نور وہ ہے جسے دیکھیں نظرِ رغبت سے ۔ وائے وہ لوگ جو محروم ہیں اِس دولت سے
مجکو بھی دیکھ کے بیدار نہیں ہوتے ہو
ہے غضب آنکھیں تو کھولے ہو مگر سوتے ہو

۹۶
جانِ سلطانِ رسالت کو غنیمت جانو ۔ پسرِ شاہ ولایت کو غنیمت جانو
نور خالق کی زیارت کو غنیمت جانو ۔ نیّرِ برج امامت کو غنیمت جانو
ساتھ اُس کے برکت خلق سے اُٹھ جائے گی
پھر جو ڈھونڈھوگے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئے گی

۹۷
ایک سید کے مٹا دینے میں ہے کون سا نام ۔ اُس ہوا پر ہو کہ بجھ جائے چراغِ اسلام
گر ہو دانا تو کہو بد ہے کہ ہے نیک کلام ۔ خوشنما کب ہے وہ تسبیح نہ ہو جس میں امام
شکر احسان جنابِ احدی کرتے ہیں
پیشوا سے کہیں پیرو بھی بدی کرتے ہیں

۹۸
یہ سخن سُن کے پکارا پسرِ سعد شریر ۔ ہاں طرفدار شہِ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لے کے حربوں کو بڑھا فوج کا انبوہ کثیر ۔ فاتحہ پڑھ کے جواں مرد نے کھینچی شمشیر
حُر کا مُنہ سُرخ ہوا فوج ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

۹۹
رعد تھرا گیا نعرے جو سُنے ضیغم کے ۔ استخواں کانپ گئے زیر زمیں رستم کے
تہ و بالا ہوئیں لشکر کی صفیں جم جم کے ۔ برق شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے

نوبتِ جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
بیرقیں گر گئیں ہاتھوں سے نشاں چھوٹ گئے

چھیڑ کر باگ فرس کو جو ذرا گرمایا
غیظ میں آن کے گھوڑا بھی غضب کف لایا
شیر سا فوج مخالف پہ جھپٹ کر آیا
روند ڈالا اُسے دم میں جسے سرکش پایا
اس کا قاتل تھا جو دشمن شہ عالی کا تھا
کاٹ ہر نعل میں شمشیر ہلالی کا تھا

حشر برپا تھا کہ تیغ تُرِ زیجاہ چلی
آگ برسانے کو بجلی سوئے جنگاہ چلی
کس کرشمہ سے وہ لیلیٰ ظفرِ راہ چلی
گہ بڑھی گاہ پھری گاہ تھمی گاہ چلی
زخم سینوں کے گریباں کی طرح پھٹتے تھے
چال کیا تھی کہ ہزاروں کے گلے کٹتے تھے

کیں صفیں صاف مگر مُنہ کی صفائی نہ گئی
کج ادائی کو نہ چھوڑا وہ لڑائی نہ گئی
کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ رکھائی نہ گئی
سیکڑوں خون کئے اور کہیں آئی نہ گئی
شور تھا برق ہے، جلوہ گری نکلی ہے
جان لینے کو اجل بن کے پری نکلی ہے

جس طرف دیدۂ جوہر سے نظر کرتی ہے
پل نہ گزرے کہ صفیں زیر و زبر کرتی ہے
چشم ہر چند کہ پتلی کو سپر کرتی ہے
ہے وہ طرار کہ آنکھوں میں یہ گھر کرتی ہے
اس کے افسوں سے جو ساحر ہو وہ جل جاتا ہے
سحر پریوں کا اسی طرح سے چل جاتا ہے

پھونکے بجلی کو یہ اُس آگ کی ہے پرکالا
کاٹ جلائے تو کبھی لہر نہ لے پھر کالا
برچھیاں چل گئیں اُس پر جسے دیکھا بھالا
آ گیا دام میں جس شخص پہ ڈورا ڈالا

اس کے پانی میں کفِ مارِ سیہ گھولا ہے
باڑھ ہے یا ملک الموت نے مُنھ کھولا ہے

بند ۱۰۵
آئی جس غول پہ لاشوں سے زمیں پاٹ گئی ہاتھ مُنھ صدر و کمر گردن و سر کاٹ گئی
چاٹ ایسی تھی لہو کی کہ صفیں چاٹ گئی دیکھی تیغوں کی جدھر باڑھ اُسی گھاٹ گئی
جس پہ جاتی تھی نہ بے جان کئے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی کہ لاکھ جگہ گرتی تھی

بند ۱۰۶
گُل نے پھوڑے جو برچھی پہ لگا پھل اُس کا زور دکھلاتا تھا ہر ضرب میں کس بل اُس کا
ڈھیر تھا خاک پہ کاٹا ہوا جنگل اُس کا جو بڑھا جنگ میں قصہ ہوا فیصل اُس کا
شور تھا دیکھئے کیونکر یہ بلا ٹلتی ہے
اس قدر جلد تو سیفی بھی نہیں چلتی ہے

بند ۱۰۷
جنگ میں تیغ کو دعویٰ تھا کہ یکتا ہوں میں سر اُٹھایا تھا یہ گھوڑے نے کہ عنقا ہوں میں
چرخ کہتا تھا کہ یارب تہ و بالا ہوں میں برق کہتی تھی کہ تلوار ہے یہ یا ہوں میں
کس میں ہے یہ جو تڑپ زیرِ فلک میری ہے
تیغ کرتی تھی اشارا یہ چمک میری ہے

بند ۱۰۸
نہ تھمی سنگ سے وہ اور نہ رُکی آہن سے ہاتھ اُڑا دیتی تھی پہونچوں سے تو سر گردن سے
نہ اُٹھی اُس کی کڑی ضرب کسی جوشن سے چل گئی بادِ مخالف جدھر آئی سن سے
جوشِ طوفاں کا دکھا کر وہ خوش اسلوب گئی
خوں کے دریا میں ہر اک کشتیِ تن ڈوب گئی

بند ۱۰۹
کثرتِ جوہرِ ذاتی سے وہ گو جال میں تھی پر تڑپ صورتِ ماہی وہی ہر حال میں تھی
تھی چمک جانے میں بجلی تو پری چال میں تھی کبھی مغفر میں کبھی سر میں کبھی ڈھال میں تھی

کہیں دم لینے کی مہلت تھی نہ بسمل کے لئے
تھی جگر کے لئے برچھی تو چھری دل کے لئے

۱۱۰ صید کرنے کو جدھر صورتِ شہباز آئی	لاکھ تڑپا وہ نہ بے جان لئے باز آئی
غل ہوا شہپرِ شاہین کے تلے قاز آئی	اُڑگیا طائرِ جان اور نہ آواز آئی
گرچہ قبضے میں لئے تھی اُسے پر چھوڑ دیا
تھا زبس صید زبوں کاٹ کے سر چھوڑ دیا

۱۱۱ آب آتشِ سوزاں کا اثر دکھلایا	تاب نے مرگِ مفاجات کا گھر دکھلایا
باڑھ نے جادۂ صحرائے سقر دکھلایا	گھاٹ نے آئینۂ فتح و ظفر دکھلایا
تیغ کہتی تھی درِ فتح کی مفتاح[لہ] ہوں میں
قول قبضہ کا یہ تھا قابضِ ارواح ہوں میں

۱۱۲ خم وہ پایا تھا کہ شرمائے ہلالِ مہِ عید	حُر کے ہاتھ آگئی تھی گلشنِ جنّت کی کلید
بُرش ایسی تھی کہ کٹ کٹ گئی سب فوج یزید	جامۂ کفر کے پُرزے بھی ہوئے بر قع بُرید
نہ بچا تارِ نفس خلق میں جینے کے لئے
چاک زخموں کے فقط رہ گئے سینے کیلئے

۱۱۳ کئی حملے کئے پیہم جو کمانداروں پر	چل گئے تیرِ ملامت کے جفاکاروں پر
چُٹکیاں سب کی دھری رہ گئیں سوفاروں پر	رُخ پھرا تھا کہ گری برق ستمگاروں پر
جل کے خرمن ہوا یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا
کشمکش میں کہیں چھپنے کو بھی گوشہ نہ ملا

تیرہ فوج ستمگار تھے دیکھے بھالے	دم میں اُس شیرِ نیستاں نے قلم کر ڈالے
گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے	آفتِ مرگ کو سر سے کوئی کیونکر ٹالے

لہ مفتاح بمعنی کلید ۱۲-

جب سواروں کے پرے جنگ پہ تُل جاتے تھے
بند سب ناخنِ شمشیر سے کھُل جاتے تھے

۱۵
الف گرز کو کر دیتی تھی ہر ضرب میں دال — تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کبھی برچھی کی انی تھی تو کبھی تیر کی بھال — کبھی تلوار کبھی خنجر بُراں کبھی ڈھال
ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی
دمبدم فوج ستمگر بھی ثنا کرتی تھی

۱۶
شور تھا آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے — جل بجھی کشتیِ تن خون میں طوفانی ہے
ضرب میں فرد ہے یہ زور میں لاثانی ہے — کہتا تھا حُر یہ فقط قوتِ ایمانی ہے
زور تھا مجھ میں نہ ایسا نہ وغا کی طاقت
سب ہے یہ سبط پیمبرؐ کی دُعا کی طاقت

۱۷
کہہ کے یہ فوج میں پھر تشنہ جگر ڈوب گیا — ورطۂ قلزمِ آفت میں گہر ڈوب گیا
سر شام کے بادل میں قمر ڈوب گیا — کشمکش تھی کہ عرق میں گل تر ڈوب گیا
تھا کبھی شیر سا بپھرا ہوا شمشیروں میں
کبھی نیزوں کے نیستاں میں کبھی تیروں میں

۱۸
گہ چھپا اور گہے نکلا وہ مہ برجِ شرف — گہے اس صف میں در آیا گہے روندی وہ صف
گہے دریا کے کنارے گہے صحرا کی طرف — گہے نعرہ تھا کہ صدقے ترے یا شاہ نجف
جتنے مجروح تھے دم اُن کے نکل جاتے تھے
شیر بھی نام علیؑ سُن کے دہل جاتے تھے

۱۹
نخل تھراتے تھے سب گونج رہا تھا جنگل — سر کی جاتی تھی زمیں رن کی غضب تھی ہلچل
کوند جاتی تھی سروں پر جو وہ شمشیر اجل — مُنہ کے بھل گرتا تھا کوئی تو کوئی فرق کے بھل

حشر برپا تھا سواروں پہ فرس ٹوٹتے تھے
دو پہ چار ایک پہ دو پانچ پہ دس ٹوٹتے تھے

۱۲۰
بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ زہے عزت و جاہ — بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبرِ شاہ
کہتے تھے ابن حسنؑ واہ حُرِ غازی واہ — شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشاءاللہ
اپنی جانبازی کا غازی جو صلا پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

۱۲۱
حیف جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی — سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خونریز اُدھر اور اِدھر تنہائی — باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی
آگیا موت کے پنجہ میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پہ گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

۱۲۲
سینہ غربال ہوا تیر چلے اعدا کے — رکھ دیا شیر نے قربوس پہ سر نہوڑا کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرت سے کہا چلّا کے — گر ہو ارشاد تو مہماں کو بچاؤں جا کے
خادمِ حضرتِ زہراؑ و علیؑ گرتا ہے
خاک پر اب وہ سعید ازلی گرتا ہے

۱۲۳
شاہ رونے لگے یہ سنتے ہی مہماں کی خبر — ہوگئی آنسوؤں سے ریش مبارک سب تر
علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر — حُر کی امداد کو ہم جائیں گے اے نورِ نظر
کس سے اس وقت کہوں میں جو قلق مجھ پر ہے
لاش اُٹھاؤں گا کہ مہماں کا حق مجھ پر ہے

۱۲۴
عرض کی حضرتِ عباس نے جاتا تھا غلام — جوش رقت میں کہا شہ نے نہیں اے گلفام
میری الفت میں ہوا قتل حُرِ نیک انجام — دوست کیسے جو بُرے وقت میں ہم آئے نہ کام

اُس پہ جب سخت گھڑی ہو گی تو کام آئیں گے
لاش کیا قبر میں مہماں کی ہم جا دیں گے

بند ۱۲۵
اُس کے لاشے پہ نہ جائیں یہ مروّت سے ہے دور
اُس سے ہم شاد ہوئے وہ بھی تو ہو کچھ مسرور
قصرِ خلد اُس کو دکھائیں کہ ہوے عفو قصور
سُرخ رو جاتا ہے دُنیا سے وہ خالق کے حضور
ایسا ذی رُتبہ کوئی خلق میں کم نکلے گا
میرے مہماں کا مری گود میں دم نکلے گا

بند ۱۲۶
یہ سخن کہہ کے چلے رَن کو جنابِ شبیرؑ
واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حُرِ باتوقیر
دیکھ کے شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر
پہنچے لاشے پہ امامِ دو جہاں وقت اخیر
چمنِ ہستیٔ مہماں کو اُجڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

بند ۱۲۷
گر کے لاشہ کے برابر یہ پکارے سرور
مرے مہماں، مددگار و معین و یاور
گرز کیا تجکو لگا ٹوٹ گئی میری کمر
گر پڑے گھوڑے سے اور آہ نہ کی ہم کو خبر
دوست کے ہجر میں کب دوست کو چین آیا ہے
کھول دے چشم کو بھائی کہ حسینؑ آیا ہے

بند ۱۲۸
واہ اے حُر جری میں تری ہمت کے فدا
اس کو کہتے ہیں محبت اسے کہتے ہیں وفا
ہے یہ بیکس ترا شرمندۂ احساں بخدا
بس یہی بھائی بھی کرتے ہیں جو کچھ تو نے کیا
حق تعالیٰ چمنِ خلد میں گھر دے بھائی
اس ریاضت کا خُدا تجکو ثمر دے بھائی

بند ۱۲۹
حُر کو چونکا کے حبیب ابنِ مظاہرؓ نے کہا
آپ بے تاب ہیں اے حُر جری ہوش میں آ
دیکھ دیدار جگر بند جنابِ زہراؑ
کوچ درپیش ہے یہ وقت نہیں غفلت کا

دم رُکا ہے تو اشارے سے وصیت کرے
نزع میں نور الٰہی کی زیارت کرے

۱۳۰
کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ توقیر غلام / دیکھ تو رحم ترے واسطے روتے ہیں امام
بھائی فرماتے تھے شفقت سے شہِ عرش مقام / اے خوشا حال خُدا سب کا کرے نیک انجام
حشر تک خلق میں یہ ذکر غم انگیز رہا
تو تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز رہا

۱۳۱
نیم وا چشم سے حُر نے رُخِ مولا دیکھا / زیر سر زانوئے شبیرؑ کا تکیا دیکھا
مسکرا کر طرفِ عالمِ بالا دیکھا / شہ نے فرمایا کہ اے حُر جری کیا دیکھا
عرض کی حُسنِ رُخِ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

۱۳۲
باغ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار / صاف نہریں ہیں رواں جھوم رہے ہیں اشجار
شاخ سے میری طرف بڑھتے ہیں میوے ہر بار / حوریں لاتی ہیں جواہر کے طبق بہرِ نثار
ہے یہ رضواں کی صدا دھیان کدھر تیرا ہے
دیکھ اے شاہ کے مہمان یہ گھر تیرا ہے

۱۳۳
مجکو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہ / ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
خلد سے شیرِ خُدا نکلے ہیں اللہ اللہ / لو بر آمد ہوئے شبرؑ بھی پدر کے ہمراہ
ننگے سر احمدؐ مختار کی پیاری آئی
دیکھئے آپ کے نانا کی سواری آئی

۱۳۴
قبلہ رو کیجیئے لاشہ مرا اے قبلۂ دیں / پڑھیے یٰسین کہ اب ہے یہ دم بازپسیں
کوچ نزدیک ہے اے بادشہِ عرش نشیں / دیکھیے تن سے نکلتی ہے مری جان حزیں

بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ اُڑھا دیجئے مولا مجھے نیند آتی ہے

۱۳۵

کہہ کے یہ گود میں شبیرؑ کے لی انگڑائی — آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی — چل بسے حُر جری پھر نہ کچھ آواز آئی
طائرِ روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
پُتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ والا کی طرف

۱۳۶

لاش اُٹھا کر شہِ دیں خیمہ کے در پر آئے — پاؤں مہماں کے سنبھالے علی اکبرؑ آئے
غُل ہوا خیمۂ عصمت میں کہ سرور آئے — پیچھے پردے کے حرم کھولے ہوئے سر آئے
دخترِ فاطمہؑ سامان عزا کرنے لگی
فضّہ پردے کے اُدھر آکے بُکا کرنے لگی

۱۳۷

شاہ چلائی کہ اے زینب و اُمِ کلثوم — ہم بھی مظلوم ہیں مہماں بھی ہوا ہے مظلوم
ماں ہے یاں اس کی نہ خواہر یہ تمھیں ہے معلوم — کون لاشے پہ کرے نالہ و فریاد کی دھوم
اجر ہوگا تمھیں اشکوں سے جو منہ دھوؤگی
اس کو یوں روؤ کہ جس طرح مجھے روؤگی

۱۳۸

کہہ دو کبریٰؑ سے کہ ماتم کے لئے کھول دے سر — روئے نادان سکینہؑ اسے عمو کہہ کر
جانگڑا بین کرے بانوئے تفتیدہ جگر — ہم ادھر لاش پہ ماتم کریں تم روؤ اُدھر
غُل ہے فریاد کا آواز بُکا آتی ہے
سُن لو اماں کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

۱۳۹

میری جانب سے کہو لاش پہ آئیں سجاد — بعد مرنے کے ہو روح مرے دوست کی شاد
یہ وصیت مرے شیعوں کو ہے رکھیں اسے یاد — نام حُر سُن کے کریں آہ و فغان و فریاد

جس عزاخانہ میں وہ تعزیہ میرا رکھیں
اس کا ماتم بھی اُسی بزم میں برپا رکھیں

دوست کے دوست کا غم دوست سدا کرتے ہیں
حق محبّت کا وفادار ادا کرتے ہیں
فاتحہ دیتے ہیں سامان عزا کرتے ہیں
غیر مرجاتا ہے گھر میں تو بکا کرتے ہیں
تھا یہ وہ دوست کہ جاں اس پہ فدا ہوتی ہے
فاطمہؑ اپنا پسر کہہ کے اسے روتی ہے

سن کے یہ شور ہوا حُر دلاور ہے ہے
اے مددگار جگر بند پیمبرؐ ہے ہے
خوں میں سب تر ہے ترا روے منور ہے ہے
تشنہ و بیکس و مظلوم کے یاور ہے ہے
ادھر آتا تھا کہ تیری اجل آئی بھائی
گھر میں سادات کے دعوت بھی نہ کھائی بھائی

بس انیس اب دعا مانگ کہ اے رب عباد
لکھنؤ کے طبقے کو تو سدا رکھ آباد
رونے والے شہ والا کے رہیں خلق میں شاد
ان کے سایہ میں برومند ہو ان کی اولاد
عشرۂ ماہ عزا نالہ کشی میں گذرے
سال بھر شہ کے غلاموں کو خوشی میں گذرے

مرثیہ (۲)

۱؎ جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی　　پردیس میں سادات پہ آفت عجب آئی
فریاد کناں روحِ امیرِ عرب آئی　　غل تھا کہ شبِ قتل شہِ تشنہ لب آئی
سادات کو کیا کیا غمِ جانکاہ دکھائے
رات ایسے مصیبت کی نہ اللہ دکھائے

۲؎ کاغذ پر لکھے کیا قلم اُس شب کی سیاہی　　ہے چار طرف جس کی سیاہی سے تباہی
مرغانِ ہوا پر ہیں طپاں بحر میں ماہی　　تربت سے نکل آئے تھے محبوبِ الٰہی
فریاد کا تھا شور رسولانِ سلف میں
یثرب میں تزلزل تھا اُداسی تھی نجف میں

۳؎ صدمے سے ہوا رنگ رُخِ ماہ کا کافور　　اختر بھی بنے مردمکِ دیدۂ بے نور
غم چھا گیا راحت دلِ عالم سے ہوئی دور　　تصویرِ الم بن گئی جنت میں ہر اک حور
کہتے تھے ملک رات نہ ہووے گی اب ایسی
تاروں نے بھی دیکھی نہ تھی تاریک شب ایسی

۴؎ شمعِ طربِ محفلِ عالم تھی جو خاموش　　تھی رات بھی شبیر کے ماتم میں سیہ پوش
کیا غم تھا کہ شادی تھی ہر اک دل کو فراموش　　ہر چشم کو تھا غم میں سمندر کی طرح جوش
مضطر تھے علیؑ اشکوں سے مُنہ دھوتی تھی زہراؑ
مقتل تھا جہاں شاہ کا واں روتی تھی زہراؑ

۵

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہِ والا　　آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا

مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اُجالا　　خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا

خاک اُڑتی تھی مُنھ پر حرمِ شیرِ خُدا کے

تھا چیں بجبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

۶

جنگل کی ہوا اور درندوں کی صدائیں　　تھرّاتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں

دھڑکا تھا کہ دہشت سے نہ جانیں کہیں جائیں　　روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں

گودوں میں بھی آرام نہ ذرا پاتے تھے بچے

جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

۷

بچوں کے بلکنے پہ حرم کرتے تھے زاری　　غش ہو گئی تھی بالی سکینہ کئی باری

چلاتی تھی رو رو کے وہ شبیرؑ کی پیاری　　یا حضرت عباسؑ چلی جان ہماری

افسوس کہ پانی کا تو قطرہ نہیں گھر میں

اور آگ لگی ہے مرے ننھے سے جگر میں

۸

تھی سب سے سوا بنتِ علیؑ مضطر و بیتاب　　فق ہو گیا تھا شام سے مُنہ صورتِ مہتاب

مژگاں سے رُخِ پاک پہ تھی بارشِ خونناب　　تلوار کلیجہ پہ چلے جب تو کہاں تاب

اِک کرب تھا بسمل کی طرح جانِ حزیں پر

اُٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

۹

کہتی تھی کبھی آج پیمبرؐ نہیں ہے ہے　　حال اپنا دکھاؤں کسے حیدرؑ نہیں ہے ہے

بیٹی پہ فلک ٹوٹا ہے مادر نہیں ہے ہے　　شبیرؑ مصیبت میں ہے شبرؑ نہیں ہے ہے

دیکھا نہ سُنا یہ جو ستم آج ہے لوگو

نازوں کا پلا پانی کو محتاج ہے لوگو

۱۰
در پیش ہے کل فوج ستمگر سے لڑائی　　یاں تھوڑے سے پیاسے ہیں اُدھر ساری خدائی
بے سر دئے رن سے نہ پھرے گا مرا بھائی　　ہو جائے گی حیدرؑ کے بھرے گھر کی صفائی
اِس غم سے سدا اشکوں سے مُنھ دھوتی تھیں اماں
کل دن وہ ہے جس دن کے لئے روتی تھیں اماں

۱۱
تھے دوسرے خیمہ میں اُدھر سبط پیمبرؐ　　دربار میں حاضر تھے رفیقانِ دلاور
اک پہلو میں قائم تھے اور اک پہلو میں اکبرؑ　　اکبرؑ کے اُدھر لختِ دلِ زینبؑ مضطر
شبیر محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباس علی سامنے بیٹھے تھے ادب سے

۱۲
سرگرم تھے مرجانے پہ سب شاہ کے انصار　　عباس سے یہ کہتا تھا وہ کُل کا مددگار
تم رہیو ذرا خیمۂ ناموس سے ہُشیار　　ڈر ہے نہ کرے بے ادبی لشکرِ کُفّار
بیدینوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شب خوں جو اُدھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

۱۳
یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی　　اے چاند یداللہ کے شبِ دو پہر آئی
حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی　　دل یادِ خُدا کرنے لگا چشم بھر آئی
فرمایا بڑا اجر ہے بیداریٔ شب کا
اے تشنہ لبو وقت ہے یہ طاعتِ رب کا

۱۴
اب عمر بھی آخر ہے نمازیں بھی ہیں آخر　　بے توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مسافر
ہر وقت ہے ربِّ دو جہاں حاضر و ناظر　　اجر اُن کا مضاعف ہے جو ہیں صابر و شاکر
مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلا کو
بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

۱۵

نام اُس کا رہے در دِ سفر ہو کہ حضر ہو موجود سمجھ لے اُسے جنگل ہو کہ گھر ہو

سجدے ہی کرے دُکھ میں کہ راحت میں بسر ہو تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں سحر ہو

عشقِ گُلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے

معشوق کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھولے

۱۶

چوٹے لبِ سوفار جو سینے پہ لگیں تیر دم عشق کا بھرتا رہے زیرِ دمِ شمشیر

زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشن تو قیر تکبیر کا نعرہ ہو زباں پر دمِ تکبیر

کٹتے ہیں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے

ہر رنگ میں بوالفتِ اللہ کی نکلے

۱۷

شہ نے سخنِ معرفتِ حق جو سُنائے اشک آنکھوں میں ہر عاشقِ صادق کے بھر آئے

کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے سجادے وہیں لاکے دلیروں نے بچھائے

تکبیریں ہوئیں لشکرِ اللہ نبی میں

سب محو ہوئے یادِ جنابِ احدی میں

۱۸

تسبیح کہیں تھی کہیں سجدے کہیں واری تھا صوت حسن سے کوئی قرآن کا قاری

کرتا تھا کوئی عرض کہ یا حضرتِ باری اب صبح کو عزت ہے ترے ہاتھ ہماری

حرمت سے شریکِ شہدا کیجیو یارب

تو حوصلۂ صبر عطا کیجیو یارب

۱۹

ہم ہیں ترے محبوب کے پیارے کے مددگار مرنے کے لئے آئے ہیں یاں چھوڑ کے گھر بار

یہ بندۂ بیکس ہے مصیبت میں گرفتار کر رحم کہ ہے کہ ذات تری راحم و غفار

فاقوں کے سبب جسم کی طاقت میں کمی ہے

تجھ سے طلبِ قوتِ ثابت قدمی ہے

۲۰
بیکس ہیں مسافر ہیں وطن دور ہے گھر دور　　ہر سمت سے ہمیں گھیرے ہیں یہ لشکرِ مقہور
تیروں سے ہوں غربال کہ تیغوں سے بدن چور　　احمد کے نواسے سے جدائی نہیں منظور
پھر مُنھ کسے دکھلائیں جو سردار کو چھوڑیں
کیونکر ترے مقبول کی سرکار کو چھوڑیں

۲۱
مردوں کے لئے ننگ ہے تلواروں سے ڈرنا　　راحت ہو کہ ایذا یہیں جینا یہیں مرنا
تو چاہے تو مشکل نہیں کچھ سر سے گذرنا　　اے کل کے مددگار مدد جنگ میں کرنا
فاقوں میں ہزاروں سے دغا ہو تو مزا ہے
کچھ حق نمک ہم سے ادا ہو تو مزا ہے

۲۲
کرتے تھے مناجات اُدھر یاورِ انصار　　پڑھتے تھے نمازِ شب ادھر سیّد ابرار
تھی بنت تسبیح بتولِ جگر افگار　　آواز بکا زخمی سے آنے لگی یک بار
اکبر سے اشارہ کیا مُڑ کر کہ یہ کیا ہے
کی عرض پھوپھی جان کے رونے کی صدا ہے

۲۳
یوں تو کئی راتوں سے وہ ہیں مضطر و بیتاب　　راحت کی نہ صورت ہے نہ آرام کا اسباب
غش میں جو ذرا بند ہوئے دیدۂ پُر آب　　روتی ہوئی چونکی ہیں ابھی دیکھ کے کچھ خواب
نعلین کہیں چادرِ پُر نور کہیں ہے
اُس وقت سے بسمل کی طرح چین نہیں ہے

۲۴
سب بیبیاں ہیں اور ہیں بچوں کے لئے پاس　　ایک ایک کو اندیشہ ہے ایک ایک کو وسواس
جو پوچھتا ہے وجہ تو کہتی ہیں بصد یاس　　لوگو مجھے شبیرؑ کے بچنے کی نہیں آس
مانگو یہ دُعا غیب سے بیکس کی مدد ہو
صدقے کرو مجکو کہ بلا بھائی کی رد ہو

۲۵

اُن کا تو یہ احوال ہے اماں کا یہ عالم	اشکوں کی جھڑی آنکھوں سے تھمتی نہ تھی اِکدم
اصغر کی بھی ہے فکر سکینہ کا بھی ہے غم	یہ چھ مہینہ کا ہوا جاتا ہے بیدم
گودی میں اُٹھائیں اُسے یا اس کو سنبھالیں
دو روز کے فاقہ ہیں وہ کس کس کو سنبھالیں

۲۶

رو آتی ہیں عابد کے سرہانے کبھی جا کر	گہوارۂ اصغر پہ کبھی گرتی ہیں آ کر
قرآں کی ہوا دیتی ہیں غش میں اُسے پا کر	بہلاتی ہیں بیٹی کو کبھی اشک بہا کر
وہ کہتی ہے تا صبح یوں ہی روؤں گی اماں
بابا ہی جب آویں گے تو میں سوؤں گی اماں

۲۷

بتلاؤ شہِ جن و بشر کیوں نہیں آتے	اب رات بہت کم ہے پدر کیوں نہیں آتے
آزردہ ہیں کچھ مجھ سے اُدھر کیوں نہیں آتے	کیا آج وہیں سوئیں گے گھر کیوں نہیں آتے
اب پیاسوں کی فریاد بھی بابا نہیں سُنتے
حضرت مرے رونے کی صدا کیا نہیں سُنتے

۲۸

رو کر علی اکبر نے جو کی شہ سے یہ تقریر	پڑھتے ہوئے تسبیح گئے حضرتِ شبیرؑ
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر	قدموں پہ محبت سے گری دوڑ کے ہمشیر
دم تن سے مرا گھٹ کے نکل جائے گا زینبؑ
رو لیجیو جب رونے کا وقت آئے گا زینبؑ

۲۹

فرمایا بہن تم نے بنایا ہے یہ کیا حال	نہ سر پہ عصابہ ہے نہ چادر ہے نہ رومال
ماتھا ہے بھرا خاک سے بکھرے ہوئے ہیں بال	بیٹھو نہیں جیتا ہے ابھی فاطمہؑ کا لال
دم تن سے مرا گھٹ کے نکل جائے گا زینبؑ
رو لیجیو جب رونے کا وقت آئے گا زینبؑ

۳۰

جیتا ہوں میں اور آہ ابھی سے یہ تلاطم — یہ کرب یہ دُکھ درد یہ زاری یہ تظلم
ہوتے ہیں مرے ہوش و حواس آئے ہوئے گم — خنجر کے تلے دیکھو گے کس طرح مجھے تم
بس صبر کرو جیسے گذر جائیں گے بچے
تڑپو گے تم اس طرح تو مرجائیں گے بچے

۳۱

تلوار کسی نے ابھی تولی نہیں مجھ پر — سینہ ابھی تیروں سے مشبک نہیں خواہر
گردن پہ کسی نے ابھی پھیرا نہیں خنجر — مرجائے گا بھائی تمھیں ثابت ہوا کیونکر
ہر چند کہ ساعت نہیں ٹلتی ہے قضا کی
بچ جاؤں تو کیا دور ہے قدرت سے خُدا کی

۳۲

زینبؑ نے کہا خوش ہوں جو میری اجل آئے — بھائی تمھیں اللہ اس آفت سے بچائے
خالق مجھے عابدؑ کی یتیمی نہ دکھائے — بھائی کی بلا لے کے بہن خلق سے جائے
وسواس طبیعت کو بہلنے نہیں دیتے
مجنون ہے دل مجکو سنبھلنے نہیں دیتے

۳۳

آتا ہے سکینہؑ کی یتیمی کا مجھے دھیان — ہر وقت بھرا گھر نظر آجاتا ہے ویران
سمجھانے سے کچھ دل جو بہلتا ہے میں قربان — پھر جاتا ہے آنکھوں کے تلے موت کا سامان
بازو مرے کسنے کو رسن لاتا ہے کوئی
سر پر سے ردا کھینچے لئے جاتا ہے کوئی

۳۴

مُنہ ڈھانپ کے بستر پہ جو سو جاتی ہوں دم بھر — تو چاک گریباں نظر آتے ہیں پیمبرؐ
اماں کبھی چلاتی ہیں یوں کھولے ہوئے سر — بیٹی نہ بچے گا ترا مظلوم برادر
کیا لیٹی ہے بستر پہ کدھر دھیان ہے زینبؑ
شبیر اسی رات کا مہمان ہے زینبؑ

۳۵
یہ ذکر ابھی تھا کہ سکینہؑ نے پکارا	سونا تو گیا آپ کے ہمراہ ہمارا
میں جاگتی ہوں اور جہاں سوتا ہے سارا	گردوں پہ چمکنے نہ لگے صبح کا تارا
نیند آئی ہے بیٹی کو سلا جائیے بابا
بس ہو چکیں باتیں اب ادھر آئیے بابا

۳۶
حضرت نے کہا میں تری آواز کے قربان	اللہ تم اب تک نہیں سوئی ہو مری جان
غربت میں کہاں راحت و آرام کا سامان	بن باپ کے تم کو نہیں چین کسی آن
اچھی نہیں عادت یہ نہ رویا کرو بی بی
پہلو میں کبھی ماں کے بھی سویا کرو بی بی

۳۷
کیا ہوئے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں	مجبور ہوں ایسے کہ تمہیں چھوڑ کے جائیں
تم پاؤ نہ ہم کو نہ تمہیں ہم کہیں پائیں	بی بی کہو پھر چھاتی پہ کس طرح سلائیں
جنگل میں بہت قافلہ لٹ جاتے ہیں بی بی
برسوں جو رہے ساتھ وہ چھٹ جاتے ہیں بی بی

۳۸
جب عمر تھی کم ہم بھی چھٹے تھے یونہیں ماں سے	سوتے تھے لپٹ کر یونہیں خاتون جناں سے
کوچ اُن کا ہوا سامنے آنکھوں کے جہاں سے	ماتم سے ملیں وہ نہ بکا سے نہ فغاں سے
یہ داغ یہ اندوہ و الم سب کے لئے ہیں
ماں باپ زمانے میں سدا کس کے جیے ہیں

۳۹
رستہ وہ اجل کا ہے کہ ہوتا ہی نہیں بند	کوچ آج پدر کا ہے تو کل جائے گا فرزند
ہوتا ہے قلق فرقتِ اولاد میں دو چند	کیا زور ہے بندے کا جو مرضی خدا وند
جو آئے ہیں دنیا میں وہ سب کوچ کریں گے
اس زیست کا انجام یہی ہے کہ مریں گے

۴۰

یہ کہتے تھے حضرت کہ صدا آئی اذاں کی　　گلدستۂ اسلام پہ بلبل نے فغاں کی
اِک دم میں بہار اور ہوئی باغ جہاں کی　　تلوار چلی گلشنِ انجم پہ خزاں کی
مہتاب ہوا گم فلکِ نیلوفری سے
پھولا گلِ خورشید نسیمِ سحری سے

۴۱

گرمی کی سحر اور وہ پھولوں کا مہکنا　　مُرغانِ چمن کا وہ درختوں پہ چہکنا
انجم کا وہ چھپنا کبھی اور گاہ چمکنا　　وہ سرد ہوا اور وہ سبزے کا لہکنا
اُس دشت میں روتی ہے جو شبنم شہِ دیں پر
تھا موتیوں کا فرش زمرد کی زمیں پر

۴۲

جلوہ وہ دمِ صبح کا وہ نور کا عالم　　دلچسپ صدا نوبت و شہنا کی وہ باہم
سرخی وہ شفق کی اُفق چرخ پہ کم کم　　وہ گُل کے کٹوروں پہ دُر افشانیٔ شبنم
خشکی میں بھی سردی سے ترائی کا سماں تھا
پر مالکِ گلزار جناں تشنہ دہاں تھا

۴۳

لشکر میں ادھر مورچے بندی کی ہوئی دھوم　　یاں فرض ادا کرنے لگے عاشقِ قیوم
پیچھے تو جماعت تھی اور آگے شہِ مظلوم　　صف بستہ ملائک ہیں یہی ہوتا تھا معلوم
سب ساجد و راکع تھے شہنشاہ کے ہمراہ
تاباں تھے بہتر مہِ نَو ماہ کے ہمراہ

۴۴

خیمہ تھا فلک آپ قمر دوست ستارے　　تارے بھی وہ تاروں کو فلک جن پہ اُتارے
خم ہو گیا تھا پیرِ فلک شرم کے مارے　　کہتی تھی زمیں اوج ہے طالع کو ہمارے
خورشید نہیں روشنیٔ نیّرِ دیں ہے
خود عرش کا دھوکا تھا یہ میں ہوں کہ زمیں ہے

۴۵

جو صف ہے وہ اِک سطر ہے قرآں مبیں کی — دیوار ہے قبلہ کی طرف کعبۂ دیں کی
کیا خوب جماعت ہے یہ اربابِ یقیں کی — افلاک کی زینت ہے تو رونق ہے زمیں کی
کس طرح شہنشاہ سے وہ فوج جُدا ہو
مشکل ہے کہ دریا سے کہیں موج جُدا ہو

۴۶

اس دم تھی یہ آواز پسِ پردۂ قدرت — اے قدسیو دیکھو مرے بندوں کی عبادت
نہ پیاس کا شکوہ ہے نہ فاقوں کی شکایت — یہ زہد یہ تقویٰ یہ اطاعت یہ ریاضت
کونین میں یہ صاحب اقبال و شرف ہیں
عالم ہوں کہ ان لوگوں کے دل میری طرف ہیں

۴۷

کس عجز سے آگے مرے حاضر ہیں یہ بندے — دیکھو مِرے محبوب کے ناصر ہیں یہ بندے
مظلوم ہیں بیکس ہیں مسافر ہیں یہ بندے — تھوڑے نہ ہوں کس طرح کہ شاکر ہیں یہ بندے
صادق ہیں ولی سے مِرے ان سب کو وِلا ہے
ان کا وہ صلہ ہے جو رسولوں کو ملا ہے

۴۸

پرسش نہ لحد میں ان کے لئے ہے — یہ لائق رحمت ہیں ثواب ان کے لئے ہے
موتی سے جو ہے صاف وہ آب ان کے لئے ہے — میں جس کا ہوں درد شراب ان کے لئے ہے
اِس نخلِ ریاضت کے ثمر ان کو ملیں گے
جو عرش کے نیچے ہیں وہ گھر ان کو ملیں گے

۴۹

فارغ جو صلوٰۃِ سحری سے ہوئے دیندار — پوشاک پہننے کو اُٹھے سیّد ابرار
فرمانے لگے حضرت عباسؑ علمدار — ہاں غازیو اب تم بھی سجو جنگ کے ہتیار
قرباں تمھیں ہونا ہے محمدؐ کے پسر پر
کمروں کو کسو گلشنِ جنّت کے سفر پر

۵۰

آمادۂ شر لشکرِ کفار ہے کل سے ہونا ہے تمھیں آج ہم آغوشِ اجل سے
درپیش ہے جنگ و جدل اس فوج کے دل سے آقا بھی کوئی دم میں نکلتے ہیں محل سے
ہاں صف شکنوں وقت ہے نصرت کی وغا کا
کھلتا ہے پھریرا علمِ فوجِ خدا کا

۵۱

ہم لوگ اسی روز کے مشتاق ہیں کب سے اب ہوگی ملاقات شہنشاہ عرب سے
سیدانیاں تم سب کو دعا دیتی ہیں شب سے صف باندھ کے آؤ درِ دولت پہ ادب سے
فردوس میں نانا سے حضور آج ملیں گے
کوثر پہ تمھیں خلعتِ نور آج ملیں گے

۵۲

اس مژدہ کو سنتے ہی مسلح ہوئے غازی اصطبل سے آنے لگے جراروں کے تازی
شیرِ صفِ جنگا تھا ایک ایک نمازی نعرے تھے کہ قربان شہنشاہ حجازی
ڈیوڑھی پہ شگفتہ تھا چمن خلد بریں کا
خیمہ میں تلاطم تھا وداعِ شہِ دیں کا

۵۳

تھے گرد حرم بیچ میں وہ عاشقِ حق تھا مانندِ سحر رنگ ہر اک بی بی کا فق تھا
بانوے دو عالم کا جگر سینے میں شق تھا زینبؑ یہ تڑپتی تھی کہ حضرت کو قلق تھا
شبیرؑ کے پہلو سے نہ ہٹتی تھی سکینہؑ
بڑھتے تھے تو دامن سے لپٹتی تھی سکینہؑ

۵۴

شہ کہتے تھے بی بی ہمیں اب جانے دو گھر سے سینہ مرا شق ہوتا ہے لپٹو نہ پدر سے
وہ کہتی تھی سایہ جو یہ اٹھ جائیگا سر سے ہے ہے میں تمھیں ڈھونڈھ کے لاؤنگی کدھر سے
بیٹی کا سوا آپ کے کوئی نہیں بابا
شب بھر میں اسی خوف سے سوئی نہیں بابا

۵۵
سمجھاتے تھے حضرت کہ میں صدقے مری پیاری   میداں سے ابھی آئیں گے ہم تو کئی باری
وہ کہتی تھی ہیں آپ کی مظلومی کے واری   سامان نظر آتا ہے یتیمی کا ہماری
در پیش لڑائی نہیں گر فوج شقی سے
کیوں آپ سفارش مری کرتے تھے پھوپھی سے

۵۶
اس آپ کے جانے سے تو ثابت ہے نہ آنا   کیوں کہتے تھے زینبؑ اسے چھاتی پہ سلانا
بانو مرے پیچھے نہ سکینہؑ کو رلانا   پانی جو میسر ہو تو پیاس اسکی بجھانا
بہلائیو جب رو کے مجھے یاد کرے گی
تڑپوں گا لحد میں جو یہ فریاد کرے گی

۵۷
میں سنتی تھی عابدؑ سے جو کچھ کی تھی وصیت   اس گھر کی تباہی کی خبر دیتے تھے حضرت
ہے ہے یہ مری عمر یہ صدمہ یہ مصیبت   لے لو مجھے ہمراہ گوارا نہیں فرقت
ساتھ آپ کے جاؤں گی جو اس دار محن سے
کوئی مرے گردن تو نہ باندھے گا رسن سے

۵۸
ناداں کی ان باتوں پہ گھر روتا تھا سارا   ماتم میں کسی دل کو نہ تھا صبر کا یارا
حضرت کو بھی بیٹی کی نہ فرقت تھی گوارا   ڈیوڑھی تک اُسے گود سے اپنی نہ اُتارا
جس دم وہ چھٹی جیتے جی مر گئے شبیرؑ
کس درد سے روتے ہوئے باہر گئے شبیرؑ

۵۹
جس دم در دولت پہ امیرِ اُمم آیا   بیٹے یہ حرم گھر میں کہ ہونٹھوں پہ دم آیا
تسلیم کو اسلام کا لشکر بہم آیا   کس صولت و اقبال و حشم سے علم آیا
جاتی تھی چمکنے میں ضیا عرش تک اُس کی
خورشید کو پنجہ میں لئے تھی چمک اُس کی

۶۰

آپس میں یہ کہتے تھے رفیقانِ دلاور — دیکھیں یہ ہما سایہ فگن ہوتا ہے کس پر
اکبرؑ کے تو ہے نام پہ سالاریٔ لشکر — عباسؑ کو دینگے شہِ دیں منصبِ جعفر
اِک عشق ہے اس شیر سے سلطانِ اُمم کو
بھائی کو کبھی دیکھتے ہیں گاہ علم کو

۶۱

زینبؑ کے پسر مشورہ کرتے تھے یہ باہم — کیوں بھائی علم لینے کو ماموں سے کہیں ہم
تائیدِ خدا چاہئے گو عمر میں ہیں کم — عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم
واقف ہیں سبھی حیدر و جعفر کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہیں ہم دونوں طرف سے

۶۲

دادا بھی علمدار ہے نانا بھی علمدار — ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہیں زنہار — ہیں بادشہِ کون و مکاں مالک و مختار
عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
چپکے رہو اماں نہ کہیں سُن کے خفا ہوں

۶۳

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمیں کچھ کام — مٹ جائیں نشاں بس یہی عہدہ ہے یہی نام
یہ سر ہے نثارِ قدمِ شاہ خوش انجام — عزّت رہے بھائی یہ دُعا ہے سحر و شام
آقا جسے چاہیں علمِ فوج خُدا دیں
مشتاقِ اجل ہیں ہمیں مرنے کی رضا دیں

۶۴

روتی تھی جو پردے کے قریں زینبؑ دلگیر — سب اُس نے مفصل یہ سُنی بیٹوں کی تقریر
غصّہ سے یہ کہنے لگی زہ صاحبِ توقیر — دونوں کو اشارے سے بُلا لے کسی تدبیر
کچھ کہتا ہے سُن لیں اُسے فرصت اُنھیں گر ہو
عباس نہ دیکھیں نہ شہِ دیں کو خبر ہو

بند ٦٥
یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکوکار — چھوٹے سے یہ فرمانے لگیں زینبؑ ناچار
کیا باتیں ابھی بھائی سے تھیں اے مرے دلدار — اس وقت ہیں ہو کون سے منصب کے طلبگار
سمجھے کہ نہ مادر عقبِ پردہ کھڑی ہے
گھر لٹتا ہے میرا تمھیں منصب کی پڑی ہے

بند ٦٦
اللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار — بچو تمھیں ایسا نہ سمجھتی تھی میں زنہار
دیکھو ابھی تم دونوں سے ہو جاؤنگی بیزار — کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار خبردار
کیا دخل تمھیں امر میں سلطان اُمم کے
دیکھوں گی نہ پھر منہ جو گئے پاس علم کے

بند ٦٧
کچھ اور ہی تیور ہیں علم نکلا ہے جیسے — تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو سب سے
استادہ ہو جاکر عقبِ شاہ ادب سے — عہدہ ہے یہ جس کا مجھے معلوم ہے شب سے
اس امر میں خاطر نہ کریں اور کسی کی
میں خوش ہوں بجا لائیں وصیت کو علیؑ کی

بند ٦٨
دو روز سے بھائی یہ مرے ظلم و ستم ہے — تم فکر علم میں ہو مجھے سخت الم ہے
چھوٹے سے ہیں قد سن بھی تمھارا ابھی کم ہے — کھیل اس کو نہ سمجھو یہ محمدؐ کا علم ہے
ہرگز نہ ابھی کچھ شہِ ذیجاہ سے کہنا
کہنا بھی تو رخصت کے لئے شاہ سے کہنا

بند ٦٩
مانا کہ پہنچتا ہے تمھیں منصبِ جعفرؑ — آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بہتر
چھوٹا مرا بھائی ہے بیٹوں کے برابر — عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر
بگڑوں گی گلہ گر کسی اسلوب کروگے
عباسؑ سے کیا تم مجھے محجوب کروگے

زینبؑ نے عتابانہ جو کی اُن سے یہ گفتار   یوں کہنے لگے جوڑ کے ہاتھوں کو وہ دلدار
شاہوں سے غلاموں نے بھی کی ہے کبھی تکرار   مالک ہیں جسے چاہیں علم دیں شہِ ابرار
رخصت کے لئے تیغ و سپر باندھے ہوئے ہیں
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہیں

زینبؑ نے کہا لے کے بلائیں کہ سدھارو   بس اب مرا دل شاد ہوا اے مرے پیارو
ماں صدقے گئی سر قدمِ شاہ پہ وارو   ہو عید مجھے گر عمرؔ و شمر کو مارو
یہ وقت ہے امدادِ امامؑ ازلی کا
دے چھوٹے سے ہاتھوں میں خدا زورِ علیؑ کا

صدقے گئی سن لو کہ میں کہتی ہوں مکرر   تم پہلے فدا کیجیو سر شہ کے قدم پر
میدان میں زخمی ہوئے گر قاسمؑ و اکبرؑ   پھر تم مرے فرزند نہیں دونوں کی مادر
جب دل ہوا ناراض تو فرزند کہاں کے
کس کام کے وہ لال جو کام آئے نہ ماں کے

اُن میں سے اگر رن کی طرف ایک سدھارا   زہراؑ کی قسم منہ نہ میں دیکھوں گی تمھارا
جس وقت سنوں گی کہ سر اُن دونوں نے وارا   اُس وقت تمھیں ہوگا مرا دودھ گوارا
بے جاں ہوئے بعد اُن کے تو ماتم نہ کروں گی
دیکھو جو مروں گی بھی تو ناراض مروں گی

ہیں دونوں بھتیجے مرے پیارے مرے محبوب   تم اُن پہ تصدق ہو یہی ہے مجھے مطلوب
جینا نہیں بہتر کسی صورت کسی اسلوب   دودھ اپنا میں بخشوں تمھیں کیا خوب
ایذا جو اُٹھاؤ گے تو راحت بھی ملے گی
جب آئیں گی لاشیں تو یہ دولت بھی ملے گی

دیکھو کہے دیتی ہوں خبردار خبردار جیتے جو رہے دودھ نہ بخشوں گی میں زنہار
شیروں کے یہ ہیں کام کہ کھینچیں جس گھڑی تلوار رکھ دیویں گلا بڑھ کے تہِ خنجرِ خونخوار
توڑیں ہیں صفیں جنگ میں جب کھیت پڑے ہیں
جنات کے لشکر سے علیؑ یوہیں لڑے ہیں

اعدا کو مرے دودھ کی تاثیر دکھاؤ اجلال حسنؑ شوکت شبیرؑ دکھاؤ
جعفرؑ کی طرح جوہرِ شمشیر دکھاؤ تن تن کے یداللہ کی تصویر دکھاؤ
خورشید امانت سے قرابت میں قریں ہو
تم شیر ہو شیروں کے حسینوں کے حسیں ہو

جعفرؑ سے نمودار کے دلبر ہو دلیرو حیدرؑ سے دلاور کے دلاور ہو دلیرو
جرار ہو کرار ہو صفدر ہو دلیرو ضرغام ہو ضیغم ہو غضنفر ہو دلیرو
تیروں سے جوانوں کے جگر توڑ کے آؤ
خیبر کی طرح کوفے کا در توڑ کے آؤ

خندق کی لڑائی کی طرح جنگ کو جھیلو بچے اسداللہ کے ہو جان پہ کھیلو
تیغوں میں دھنسو چھاتیوں سے نیزوں کو ریلو کوفہ کو تہِ تیغ کرو شام کو لے لو
دو اور جلا آئینۂ تیغ عرب کو
لو روم کو قبضہ میں تو قابو میں حلب کو

خاقاں کے رہے تخت نہ قیصر کو رہے تاج ہاں غازیو چین و حبش و زنگ سے لو باج
چڑھتا ہے لڑائی پہ جوانمردوں کو معراج گیتی تہ و بالا ہو وہ تلوار چلے آج
یوں آئیو چار آئینہ پہنے ہوئے بر میں
جس طرح علیؑ بعد ظفر آتے تھے گھر میں

میلے نہ ہوں تیور یہ سپاہی کے ہنر ہیں　　جس کے ہیں بس اسکے ہیں جدھر ہیں بس اُدھر ہیں
گہ عطر میں ڈوبے ہیں گہے خون میں تر ہیں　　صحبت میں مصاحب ہیں لڑائی میں سپر ہیں
وہ اور کسی سے نہ جھکیں گے نہ جھکے ہیں
غربت میں نہ فرق آئے کہ سر پیچ پچکے ہیں

یہ سُن کے جو نکلے وہ جری خیمے سے باہر　　کس پیار سے مُنہ دونوں کا تکنے لگے سرور
اکبر نے یہ کی عرض کہ اے سبط پیمبرؐ　　تیار ہے سب قبلۂ کونین کا لشکر
جلدی ہے لڑائی کی اُدھر فوج ستم کو
ارشاد جسے ہو وہ بڑھے لے کے عَلَم کو

شہ بولے کہ عباس دلاور کو بلاؤ　　پیارے مِرے محبوب برادر کو بلاؤ
عاشق کو مددگار کو یاور کو بلاؤ　　جلدی مرے حمزہ مِرے جعفر کو بلاؤ
یہ اوج یہ رُتبہ یہ حشم اُس کے لئے ہے
زیب اُس سے علم کی ہے علم اُس کے لئے ہے

سب تکنے لگے صورتِ عباسؑ فلک جاہ　　نازاں ہوا خود اوج پہ اپنے علم شاہ
یعنے مِرا حامل ہے نشانِ اسداللہ　　بالیدہ تھا پرچم تو پھریرا تھا ہوا خواہ
جان آگئی تھی سُنتے ہی اس خوشخبری کو
پنجہ کبھی اشارے سے بُلاتا تھا جری کو

خوش ہو کے یہ عمو کو پکارے علی اکبرؑ　　جلد آئیے یاد آپ کو فرماتے ہیں سرور
حاضر ہوا جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ صفدر　　ارشاد کیا شہ نے علم بھائی کو دے کر
رکھیئے اسے کاندھے پہ یہ ہے آپ کا عہدہ
لو بھائی مبارک ہو تمھیں باپ کا عہدہ

بوسہ دیا عباسؑ دلاور نے علم پر   تسلیم کی اور رکھ دیا سر شہ کے قدم پر
کی عرض کہ قربان اس الطاف و کرم پر   سَو سر ہوں تو صدقے ہیں شہنشاہ اُمم پر
ادنیٰ جو ابھی تھا اُسے اعلیٰ کیا مولا
قطرے کو ترے فیض نے دریا کیا مولا

اس چترِ فلک قدر کا سایہ مرے سر پہ   اس دھوپ میں ہوگا پھریرا مرے سر پہ
یہ ابر مرے سر پہ یہ طوبیٰ مرے سر پر   قائم رہیں لاکھوں برس آقا مرے سر پہ
سلطان دو عالم کی غلامی کے صلے ہیں
سب اوج یہ نعلین اُٹھانے سے ملے ہیں

حضرتؑ نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے   حاضر ہے اگر جان بھی کام آئے تمھارے
حصہ یہ تمھارا تھا سو پہنچا تمھیں بارے   مالک ہو تمھیں ہم تو ہیں اب گور کنارے
تھا دل میں جو کچھ وہ بخدا ہو نہیں سکتا
بھائی ترا حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا

یہ کہہ کے بڑھے سرورِ دیں جانبِ توسن   ہتھیار لگائے ہوئے پہنے ہوئے جوشن
اسوار ہوئے آپ جو گردان کے دامن   اللہ رے ضیا خانۂ زیں ہوگیا روشن
وہ پاؤں رکابوں کے لئے باعثِ ضو تھے
خورشید کے قدموں کے تلے دو مہ نو تھے

رانوں کو اشارہ سے لگا کوندنے شبدیز[1]   اسوار کے دل کا تھا اشارہ اُسے مہمیز[2]
گرما کے جو شبیرؑ نے تازی کو کیا تیز   اعدا پہ چلا غول سواروں کا جلو ریز

---

[1] شبدیز۔ مشکی گھوڑا۔ خسرو پرویز کے گھوڑے کا نام۔
[2] مہمیز۔ سواروں کا آہنی خار موزوں پر ایڑی کے قریب لگاتے ہیں۔

ایک ایک جوانِ عربی رشکِ ملک تھا
اللہ کے لشکر کا علم سر بہ فلک تھا

۹۰
کیا فیضِ سواری تھا کہ زر ریز تھی یہ راہ — طالع تھا ادھر مہر ادھر تھا علمِ شاہ
مابین دو خورشید تھی فوجِ شہِ ذی جاہ — پنجہ پہ تجلّی تھی کہ اللہ رے اللہ
بالا تھی چمک مہر منوّر کی چمک پر
اور اُس کی زمیں پر تھی ضیا اس کی فلک پر

۹۱
ایک ایک جواں زیورِ جنگی کو سنوارے — نیزوں کی چمک اور وہ ممندوں کے طرارے
جعفر کے جگر بند ید اللہ کے پیارے — رستم سے ہر اک جنگ کرے شیر کو مارے
سیاف ہو مرحب سا تو شمشیر سے ماریں
ارجن سے کماندار کو اک تیر سے ماریں

۹۲
کمسن کئی لڑکوں کا جُدا غول تھا شب سے — سوئے بھی نہ تھے ولولۂ جنگ میں شب سے
روکے ہوئے باگوں کو شہِ دیں کے ادب سے — اعدا کی طرف دیکھتے تھے چشمِ غضب سے
ہتیار جو باندھے تھے تو کیا تن پہ کھلے تھے
سب نیچے تولے ہوئے مرنے پہ تُلے تھے

۹۳
وہ چاند سے مُنھ اور وہ گورے بدن اُن کے — شرمندہ ہوں غنچے بھی وہ نازک دہن اُن کے
یوسفؑ کی طرح عطر فشاں پیرہن اُن کے — مر کر وہی کپڑے ہوئے آخر کفن اُن کے
کیا حُسنِ عقیدت تھا عجب دل کے جواں تھے
آقا پہ فدا ہونے کو سب ایک زباں تھے

۹۴
عمریں تو کم و بیش پہ سب گیسوؤں والے — اک غول میں تھے چاند کئی اور کئی ہالے
ذی مرتبہ سیدانیوں کے گود کے پالے — غنچہ تھا وہ سب اکبر گلرو کے حوالے

اُن تازہ نہالوں میں نمودار یہی تھے
اُس گلشنِ یکرنگ کے مختار یہی تھے

۹۴
مقتل کو جو پُر نور کیا عسکرِ دیں نے ‌ ‌ دیکھا طرفِ چرخ حقارت سے زمیں نے
اونچا نہ کیا سر فلک ماہ جبیں نے ‌ ‌ کی فرش پہ حسرت سے نظر عرش بریں نے
اُٹھ اُٹھ کے چمک اپنی دکھانے لگے ذرّے
خورشید کے پہلو کو دبانے لگے ذرّے

۹۵
کھولا جو پھریرے کو علمدار جری نے ‌ ‌ لوٹے گُل فردوس نسیمِ سحری نے
تاروں کو اُتارا فلکِ نیلوفری نے ‌ ‌ پرچم جو کُھلا کھول دئے بال پری نے
عیسیٰؑ نے پکارا کہ نثار اس کے حشم کے
خورشید نے مُنھ رکھ دیا پنجہ پہ علم کے

۹۶
ترتیب صفِ فوج کا جس دم ہوا اِعلامؔ[1] ‌ ‌ باندھے علیؑ اکبر نے صفِ لشکرِ اسلام
ظاہر جو ہوئی شان جوانان گل اندام ‌ ‌ کوفہ کے نشاں جُھک گئے کانپے سپہِ شام
اللہ رے شوکت شرفاءُ نجبا کی
اسلام کا لشکر تھا کہ قدرت تھی خُدا کی

۹۷
ناگاہ بجا طبل بڑھا لشکرِ سفّاکؔ[2] ‌ ‌ تا چرخ گیا غلغلۂ کوس شغب[3] ناک
فریاد سے قرنا کی ہلا گنبدِ افلاک ‌ ‌ تھرّا گیا آواز دُہل سے کُرۂ خاک
نوبت تھی زبس قتل امامِ مدنی کی
صاف آتی تھی تاشوں سے صدا سینہ زنی کی

---

[1] اِعلام۔ خبر کرنا۔ آگاہ کرنا۔ ‌ ‌ [2] سفّاک۔ خونریز۔ قتل کرنے والا۔
[3] شغب ناک۔ شور۔ خروش۔ فتنہ۔ فساد۔

۹۹
واں شور تھا باجوں کا ادھر نعرۂ تکبیر   ایک ایک جری جھومتا تھا تول کے شمشیر
ناگاہ سوئے فوج خدا آنے لگے تیر   عباس علمدار نے دیکھا رخِ شبیرؑ
کی عرض کہ لڑنے کو شریر آتے ہیں مولا
کیا حکم ہے اب پیاسوں پہ تیر آتے ہیں مولا

۱۰۰
شہ نے کہا شرم آتی ہے کیا حکم میں دوں آہ   ہفتاد و دو تن یاں ہیں اُدھر سیکڑوں گمراہ
غازی نے یہ کی عرض کہ اے کُل کے شہنشاہ   یہ شیر نیستان علیؑ ہیں تو وہ روباہ
لاکھوں ہوں تو کیا ڈر ہے شجاعان عرب کو
اقبال سے آقا کے بھگا دیتے ہیں سب کو

۱۰۱
فرمایا کہ فاقہ سے ہے سارا مرا لشکر   پانی نہیں ملتا کہ لب خشک کریں تر
بہتر ہے اگر پہلے کٹے تن سے مرا سر   غازی نے کہا شیر گرسنہ ہیں یہ صفدر
حملوں سے اُلٹ دیں گے پرے فوج عدو کے
بھوکے ہیں یہ زخموں کے پیاسے ہیں لہو کے

۱۰۲
حضرت نے کہا خیر لڑو فوج ستم سے   معلوم ہے سب آج جدا ہو دیں گے ہم سے
دُنیا سے نہ مطلب ہے نہ کچھ جاہ و حشم سے   کٹ جائے گا اپنا بھی گلا تیغ دو دم سے
مقبول ہیں وہ جو مری امداد کریں گے
اس جنگ کو بھی لوگ بہت یاد کریں گے

۱۰۳
جس دم یہ سنی قبلۂ کونین کی گفتار   جانباز بڑھے فوج سے چلنے لگی تلوار
تھے پیاسوں کے حملے غضبِ حضرتِ قہار   چوٹی کے جواں بھاگ گئے پھینک کے تلوار
کون آنکھ ملا سکتا تھا شیروں سے عرب کے
جب کرتے تھے نعرے قدم اُٹھ جاتے تھے سب کے

۱۰۴
لڑتا تھا غضب ایک کے بعد ایک وفادار   دن چڑھتا تھا یاں گرم تھا واں موت کا بازار
سر بیچتے تھے جنس شہادت کے طلبگار   بڑھ بڑھ کے خریدار پہ گرتا تھا خریدار
لیں پہلے ہم ایک ایک کی جاں اس کی پڑی تھی
عقبیٰ کا جو سودا تھا تو قیمت بھی کڑی تھی

۱۰۵
آیا جو عزیزوں کے لئے موت کا پیغام   فرزندوں نے جعفرؑ کے بڑے رن میں کئے نام
اولادِ عقیلؑ آ چکی شبیرؑ کے جب کام   لڑنے کو گئے مسلمؑ بیکس کے گل اندام
تھا حشر بپا ندیاں بہتی تھیں لہو کی
بچوں نے اُلٹ دی تھیں صفیں فوج عدو کی

۱۰۶
لشکر میں تلاطم تھا غضب چلتی تھی تلوار   بیتاب تھے یاں زینبؑ ناشاد کے دلدار
مُنھ دیکھ کے حضرت کا یہی کہتے تھے ہر بار   ہم جائیں گے بعد ان کے سوئے لشکرِ کفار
جی جائیں جو مولا ہمیں مرنے کی رضا دیں
ایسا نہ ہو قاسمؑ کو حضور اذن وغا دیں

۱۰۷
کچھ اُن سے کہا چاہتے تھے سرورِ ذیشاں   جو غُل ہوا مارے گئے مسلمؑ کے دل و جاں
لاشے بھی ہوا دھر آ چکے جب خون میں غلطاں   پھر ہاتھوں کو جوڑا کہ ملے رخصتِ میداں
شہ نے کہا یہ داغ تو دشوار ہے ہم پر
اُن دونوں نے سر رکھ دئے ماموں کے قدم پر

۱۰۸
حضرت نے کہا ماں سے بھی ہو آئے ہو رخصت   کیا کہتے ہو لٹوا دوں میں ہمشیر کی دولت
مایہ ہو تمھیں اُس کا تمھیں اُس کی بضاعت   چھوٹے نے یہ حضرت سے کہا تھام کے رقت
جھوٹے نہیں ہم آپ ابھی پوچھ لیں سب سے
اماں تو رضا دے چکی ہیں مرنے کی شب سے

۱۰۹
بچوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر ۔۔۔ ان دونوں کا منھ دیکھ کے رونے لگے شبیرؑ
فرمایا چھڑاتا ہے تمھیں بھی فلکِ پیر ۔۔۔ اچھا میں رضامند ہوں جو مرضیِ ہمشیر
وہ سیدۂ پاک نواسی ہے نبیؐ کی
فیاض کی ہمشیر ہے بیٹی ہے سخی کی

۱۱۰
یہ سن کے جھکے آخری تسلیم کو ذی جاہ ۔۔۔ خورشید کے آگے مہ نو بن گئے وہ ماہ
کی سوئے فلک دیکھ کے شبیرؑ نے اک آہ ۔۔۔ وہ شیر چلے گھوڑوں پہ چڑھ کر سوئے جنگاہ
ماں ڈیوڑھی سے چلائی کہ رخصت ہو مبارک
سرکار شہنشاہ سے خلعت ہو مبارک

۱۱۱
سلطان دو عالم نے مخلع کیا واری ۔۔۔ تم جاتے ہو یا جاتی ہے دولھا کی سواری
پروان چڑھے ختم ہوئیں شادیاں ساری ۔۔۔ لو دور سے لیتی ہوں بلائیں میں تمھاری
صدقے گئی نیزوں کو ہلاتے ہوئے جاؤ
شکلیں مجھے پھر پھر کے دکھاتے ہوئے جاؤ

۱۱۲
تسلیم کو گھوڑوں سے جھکے دونوں وہ گلرو ۔۔۔ دل ماں کا یہ امڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو
باگیں جو اٹھائیں تو فرس بن گئے آہو ۔۔۔ پھر دیکھنے پائی نہ انھیں زینب خوشخو
میداں کی طرف یاس سے ماں رہ گئی تک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

۱۱۳
میداں میں عجب شان سے وہ شیر نر آئے ۔۔۔ گویا کہ بہم حیدر و جعفر نظر آئے
غل پڑ گیا حضرت کی بہن کے پسر آئے ۔۔۔ افلاک سے بالائے زمیں دو قمر آئے
یوسفؑ سے فزوں حسن گرانمایہ ہے اُن کا
یہ دھوپ بیاباں میں نہیں سایہ ہے اُن کا

وہ چاند سا مُنھ اور وہ گیسوئے مُعنبر | وہ بدر سے رُخسار زہے قدرتِ داور
سب شان یداللہ کی سب شوکت حیدرؑ | چتون وہی غصّہ وہی سارے وہی تیور
یہ دبدبہ کس صاحبِ شمشیر نے دیکھا
دیکھا جسے معلوم ہوا شیر نے دیکھا

تن تن کے جو شاں اپنی دکھاتے تھے وہ ذیجاہ | چھاتی سے لگاتے تھے دونوں کو یداللہ
شمشاد سے قامت نہ دراز اور نہ کوتاہ | کھیلے ہوئے تیغوں میں فنِ جنگ سے آگاہ
ناخن سے دلیروں کے سب انداز وغا تھے
بچّے تھے مگر بچّۂ ضرغام خدا تھے

تھے حُسن میں اُن دونوں کے آئینۂ رو ایک | پیشانی و ابرو سرو صدر و گلو ایک
شاں ایک شکوہ ایک جو رنگ ایک تو بو ایک | دل ایک جگر ایک جسد ایک لہو ایک
اور اُن سا کوئی غرب سے تا شرق نہیں ہے
دو ٹکڑے ہیں اِک سیب کے کچھ فرق نہیں ہے

پڑھنے لگے اشعار رجز جب وہ دلاور | اللہ رے فصاحت فصحا ہو گئے ششدر
ہر بیت تھی دُشمن کے لئے تیغ دو پیکر | ہر مصرعہ برجستہ میں تھی تیزیٔ خنجر
دے کون جواب اُن کا کہ دم بند تھا سب کا
واں قافیہ تھا تنگ شجاعانِ عرب کا

اظہار نسب میں جو محمدؐ کا لیا نام | سب پڑھنے لگے صلِّ علیٰ صاحب اسلام
آگے جو بڑھے نام علیؑ لے کے وہ گلفام | دل ہِل گئے تھرّانے لگا روم سے تا شام
جعفرؑ کا جو کچھ ذکر کیا بعد علیؑ کے
مجرے کو علم جھک گئے سب فوج شقی کے

۱۱۹

آغاز تھا ذکرِ شرفِ حضرتِ شبیرؑ ڈنکے پہ دھڑ چوب لگی چلنے لگے تیر
اُس وقت بڑے بھائی سے کی چھوٹے نے تقریر تلوار علم کیجئے اب کس لئے تاخیر
کہئے تو جُدا ہو کے ستمگاروں پہ جائیں
اسواروں پہ ہم آپ کمانداروں پہ جائیں

فرمایا بڑے بھائی نے ہنس کر نہیں بھائی تم جان ہو دشوار ہے دم بھر کی جُدائی
ہو جاتی ہے اِک آن میں ہر صف کی صفائی کر دیتے ہیں سر کون سی ایسی ہے لڑائی
بازو ہوں قوی ہاتھ سے گر ہاتھ نہ چھوٹے
سر تن سے اُتر جائے مگر ساتھ نہ چھوٹے

۱۲۱

نانا کی طرح فوج پہ حملے کریں آؤ تلواروں میں تن تن کے چلو برچھیاں دکھاؤ
ان چھوٹے سے ہاتھوں کا ہمیں زور دکھاؤ ہم سینہ سپر تم پہ ہوں تم ہم کو بچاؤ
ہم شیروں پہ رُستم کا بھی مُنھ پڑ نہ سکے گا
جب دو ہوئے اِک دل تو کوئی لڑ نہ سکے گا

۱۲۲

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ بہتر بس کھینچ لئے تیغے دونوں نے برابر
دو بجلیاں کوندیں کہ لرزنے لگے لشکر نیزوں کے نیستاں میں در آئے وہ غضنفر
برباد کیا رو میں سواروں کو دبا کے
رہوار بھی اسوار تھے گھوڑوں پہ ہوا کے

۱۲۳

ان چھوٹی سی تلواروں کے تھے کاٹ نرالے تھیں کہنیاں پہونچوں سے جُدا ہاتھوں سے بھالے
مثل اپنی جماعت تھے جو بے مثل رسالے تھے جائزہ اُن سب کا یہی دیکھنے والے
ناز اپنے ہنر پر تھا شجاعان عرب کو
نیزوں کو قلم کر کے ندارد کیا سب کو

۱۲۴

موت آئی اُدھر تیغے دونوں جدھر آئے　　جب ہاتھ بڑھا پاؤں پہ کٹ کٹ کے سر آئے

گہ سینہ تک آئے تو کبھی تا کمر آئے　　خالی نہ پھرے جس پہ گئے خوں میں بھر آئے

ہر تیغچہ بجلی تھا ستمگاروں کے حق میں

ڈوبے ہوئے تھے دو مہ نو خون کی شفق میں

۱۲۵

اُٹھتی تھی نہ ڈر سے کسی خونخوار کی گردن　　سر خود کا جھک جاتا تھا تلوار کی گردن

دو چار کے منہ کٹ گئے دو چار کی گردن　　اسوار کا سر اُڑ گیا رہوار کی گردن

دو تیغچے بجلی سے گذرتے تھے کمر سے

آدھے ہوئے جاتے تھے لعیں جان کے ڈر سے

۱۲۶

دو چھوٹے سے تیغوں سے قیامت نظر آئی　　معصوموں کے ہاتھوں سے کرامت نظر آئی

سر کٹنے کی اعدا کے علامت نظر آئی　　لوہے کی سپر بھی نہ سلامت نظر آئی

بے وجہ نہ پھر جاتے تھے منہ اہل جفا کے

دریا کے تھپیڑے تھے طمانچے تھے قضا کے

۱۲۷

گردن سے بڑھے کاٹ کے پیکر نکل آئے　　جوشن کو دکھاتے ہوئے جوہر نکل آئے

چار آئینہ میں شیر کے باہر نکل آئے　　صابون سے دو تار برابر نکل آئے

محراب کے نیچے کسے جھکتے نہیں دیکھا

مچھلی کو بندھے پانی میں رکتے نہیں دیکھا

۱۲۸

ہر غول میں غلطاں و طپاں تھے سر و پیکر　　دستانے کہیں تھے کہیں ڈھالیں کہیں مغفر

جب تیغچے اُن دونوں کے اُٹھتے تھے برابر　　منہ خوف سے ڈھالوں میں چھپاتے تھے ستمگر

رد کے انھیں طاقت یہ نہ تھی پیر و جواں کی

صورت نظر آنے لگی تیغ دو زباں کی

۱۲۹

غارت تھی وہ صف جس سے وغا کرکے پھرے وہ　　دو ہاتھ میں سو سو کو فنا کرکے پھرے وہ
سرداروں کے سر تن سے جدا کرکے پھرے وہ　　ہر غول میں اک حشر بپا کرکے پھرے وہ
غل تھا کہ پرے ٹوٹے ہوئے جم نہیں سکتے
سر کٹنے کی دہشت سے قدم تھم نہیں سکتے

۱۳۰

گھوڑے تھے چھلاوہ کبھی یاں تھے کبھی واں تھے　　بجلی میں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
یاں تھے جو سبک رو تو اُدھر گرم عناں تھے　　مچھلی تھے کسی جا تو کہیں آب رواں تھے
ہو سکتی تھی مچھلی سے یہ سُرعت نہ ہرن سے
جھونکے تھے ہوا کے کہ نکل جاتے تھے سن سے

۱۳۱

بے آب تھے دو دن سے یہ جاندار تھے گھوڑے　　ہر مرتبہ اُڑ جانے پہ تیار تھے گھوڑے
اِس پار کبھی تھے کبھی اُس پار تھے گھوڑے　　نقطہ تھے وہ سب فوج کہ پرکار تھے گھوڑے
دس بیس جو مر جاتے تھے ٹاپوں سے کچل کے
بڑھ سکتا نہ تھا اِک بھی احاطہ سے اجل کے

۱۳۲

تلنے ہوئے سینوں کو جدھر جاتے تھے دونوں　　تلواروں کی موجوں سے گزر جاتے تھے دونوں
ہر غول میں بے خوف و خطر جاتے تھے دونوں　　سب ہوتے تھے بس یا تو ٹھہر جاتے تھے دونوں
اُلٹی ہوئی صف دیکھ کے ہنس دیتا تھا کوئی
بھائی کی طرف دیکھ کے ہنس دیتا تھا کوئی

۱۳۳

دم لیکے جو گھوڑوں کو اُڑاتے تھے وہ جرار　　اعدا کے رسالوں کو بھگاتے تھے وہ جرار
شیروں کی طرح فوج پہ جاتے تھے وہ جرار　　دو کرتے تھے یکتا جسے پاتے تھے وہ جرار
شیروں نے جو مارا ابھی تو رو داروں کو مارا
جب آنکھ ملی جن کے نمو داروں کو مارا

۱۳۴

جمعیتِ لشکر کو پریشاں کیا دم میں | جو فوج کہ جاں تھی اُنھیں بیجاں کیا دم میں
تلواروں سے جنگل کو گلستاں کیا دم میں | سر کاٹ کے خونخواروں کو غلطاں کیا دم میں
بیدست تھے علموں کو جو بے دین لئے تھے
بچوں نے جوانوں کے نشاں چھین لئے تھے

۱۳۵

دو لاکھ کو دونوں نے کیا تھا تہ و بالا | تیغ ایک کی چلتی تھی تو اک بھائی کا بھالا
اک بڑھ گیا گر ایک نے گھوڑے کو نکالا | دم اس نے لیا اُس نے لڑائی کو سنبھالا
یکجا فرسِ تیز قدم ہو گئے دونوں
جب بھیڑ پڑی کچھ تو بہم ہو گئے دونوں

۱۳۶

وہ چھیڑ کے تازی کو سواروں میں در آیا | دم بھر میں پیادوں کو یہ پامال کر آیا
جب شیر سا بپھرا وہ اُدھر یہ ادھر آیا | جاں آگئی جب بھائی کو بھائی نظر آیا
بچ بچ کے نکلتے تھے جو نیزے کے تلے سے
اک بھائی لپٹ جاتا تھا بھائی کے گلے سے

۱۳۷

کچھ بھائی سے بڑھ کر جو وغا کرتا تھا بھائی | بچ جانے کی بھائی کے دُعا کرتا تھا بھائی
حق بھائی کی اُلفت کا ادا کرتا تھا بھائی | ہر زور پہ بھائی کی ثنا کرتا تھا بھائی
تم سا نہیں صفدر کوئی واللہ برادر
کیا خوب لڑے سلمک اللہ برادر

۱۳۸

کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا بصد آداب | بھائی میں بھگادوں ابھی انکو جو ملے آب
اب پیاس کی گرمی سے کلیجے کو نہیں تاب | سینے میں مرا دل نہیں آتش پہ ہے سیماب
ہم لوگ مُحق کیا نہیں اس آبِ رواں کے
تالو میں خلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

۱۳۹

کہتا تھا بڑا بھائی میں صدقے ترے گلفام — ہم خشک زبانوں کو بھلا پانی سے کیا کام
اب جلد اجل آئے تو کوثر کا پئیں جام — غش ہم کو بھی آجائے گا پانی کا نہ لو نام
آنکھیں تو ستمگاروں کی تیغوں سے لڑی ہیں
چھپکے رہو اماں درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں

۱۴۰

اس نہر کا لینا تو کچھ ایسا نہیں مشکل — روکیں ہمیں کیا تاب لعینوں کے ہے کیا دل
پل باندھ دیں لاشوں کے ابھی ہم سرِ ساحل — بتلائیے پھر نہر کے لینے سے کیا حاصل
دیکھو نہ اُدھر پیاس سے گو لاکھ تعب ہے
اماں ہمیں گر دودھ نہ بخشیں تو غضب ہے

۱۴۱

اشک آنکھوں میں بھر کر کہا چھوٹے نے بہت خوب — ہر دم ہے رضامندیٔ مادر ہمیں مطلوب
ایسے تو نہیں ہم کو بزرگوں سے ہوں محجوب — منظور یہ تھا فخر کا نکلے کوئی اسلوب
دریا کو بھی دیکھیں نہ اب اُن کو اُٹھا کے
پیتے بھی تو پہلے شہِ والا کو پلا کے

۱۴۲

جعفر کے جو پوتے ہیں تو حیدر کے نواسے — کچھ ہم علی اکبر سے زیادہ نہیں پیاسے
یہ کہتے ہی لڑنے لگے پھر اہلِ جفا سے — فریاد کہ بچوں پہ گری فوج قضا سے
خوں سر کا بہا منھ پہ تو گھبرا گئے دونوں
دو لاکھ کی تیغوں کے تلے آ گئے دونوں

۱۴۳

ڈوبے ہوئے تھے شام کے بادل میں وہ دو ماہ — پردے سے کھڑی تکتی تھی زینب سوئے جنگاہ
عباس سے کہتے تھے تڑپ کر شہِ ذی جاہ — اب مجھ سے جدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیونکر متحمل ہو دل اس رنج و محن کا
گھر لٹتا ہے بھائی مری نادار بہن کا

۱۴۴
اُس بی بی کے فاقوں کے ہیں پالے ہوئے یہ لال ‏ ‏ دولت ہے یہی اور یہی حشمت و اقبال
سات آٹھ برس کے ہیں ابھی کیا ہے سن و سال ‏ ‏ سب ہاتھ ملیں گے جو یہ گُل ہو گئے پامال
تازہ یہی دو پھول ہیں جعفرؑ کے چمن میں
مرجائے گا باپ ان کی خبر سُن کے وطن میں

۱۴۵
رو کر دمِ رخصت وہ یہی کہتے تھے ہر بار ‏ ‏ میں شاد کا خادم ہوں یہ دونوں ہیں غمخوار
آگاہ صعوباتِ سفر سے نہیں زنہار ‏ ‏ اے اخترِ زہراؑ مرے بیٹوں سے خبردار
میں کہہ نہیں سکتا ہوں کہ ماموں پہ فدا ہیں
اب تو یہی دونوں مرے پیری کے عصا ہیں

۱۴۶
شوہر کا تڑپنا اُسے کچھ بھی نہ رہا یاد ‏ ‏ ہے ہے مری اُلفت میں لُٹی زینبؑ ناشاد
یوں بھائی پہ صدقے کوئی کرتا نہیں اولاد ‏ ‏ ہم دیکھتے ہیں اور بہن ہوتی ہے برباد
رووے گی وہ بیٹوں کو تو سمجھائیں گے کیونکر
مُنھ زینبؑ دلگیر کو دکھلائیں گے کیونکر

۱۴۷
عباسؑ نے کی عرض کلیجہ ہے دو پارا ‏ ‏ اُن کو تو کسی کی نہیں امداد گوارا
زخمی ہوئے اور مجکو نہ اکبرؑ کو پکارا ‏ ‏ جائے یہ غلام آپ جو فرمائیں اشارا
حضرت کی قسم دے کے میں سمجھاؤں گا ان کو
مچلیں تو گودی میں اُٹھا لاؤں گا ان کو

۱۴۸
حضرت نے کہا صاحبِ عزت ہیں وہ دونوں ‏ ‏ لختِ جگرِ شاہِ ولایت ہیں وہ دونوں
ضرغامِ نیستانِ شجاعت ہیں وہ دونوں ‏ ‏ واللہ بڑے صاحبِ ہمت ہیں وہ دونوں
دو لاکھ تو کیا ہیں جو کروروں میں گھریں گے
بے جان دیے وہ نہ پھرے ہیں نہ پھریں گے

۱۴۹

بڑھنے لگے میداں کی طرف قاسم ذی جاہ — اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ میں جاتا ہوں یا شاہ
ہے دونوں کی فرقت کا مجھے صدمۂ جانکاہ — لاکھوں میں ہیں تنہا پھوپھی اماں کے پسر آہ
ریتی پہ کہیں گر نہ پڑیں برچھیاں کھا کر
میں ساتھ انھیں لے آتا ہوں اعدا کو بھگا کر

۱۵۰

گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری — سر ننگے میں نکلوں گی جو تم جاؤ گے واری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پیاری — بتلاؤ تو میں ان کی ہوں عاشق کہ تمھاری
میداں کی طرف قاسمؑ بے پر بھی نہ جائیں
تلواروں میں عباسؑ دلاور بھی نہ جائیں

۱۵۱

زہراؑ کی قسم کچھ نہیں بیٹوں کا مجھے دھیان — بھائی پہ تصدق ہوں یہی تھا مجھے ارمان
وہ آئے تو وسواس سے دل ہوگا پریشاں — صدقے کو نہیں پھیر کے لاتے ہیں میں قربان
خود روؤں گی پر شاہ کو غم کھانے نہ دوں گی
لاشے بھی اٹھانے کے لئے جانے نہ دوں گی

۱۵۲

میداں میں ہے کیا اور بجز نیزۂ و شمشیر — مر جاؤں گی زخمی ہوئے گر قاسمؑ دلگیر
دل کس کا چھدے تم کو لگائے جو کوئی تیر — سمجھاؤں میں صدقے گئی کیوں روتے ہیں شبیرؑ
باقی ہے اگر زیست تو پھر آئیں گے دونوں
غم کس لئے کیا ہوگا جو مر جائیں گے دونوں

۱۵۳

شہزادوں کو کھوتے ہیں غلاموں کے لئے آہ — میں جوڑتی ہوں ہاتھ بس اب روئیں نہ للہ
ہے شرم کی کیا وجہ میں لونڈی وہ شہنشاہ — تو ایسے ہوں بیٹے تو نثارِ شہِ ذی جاہ
ممتاز ہے فدوی ہے جو زہراؑ کے پسر کا
شان اس کی بڑھے فخر ہو جو جدّ و پدر کا

۱۵۴

باپ اُن کا اگر ہوتا تو وہ سر نہ کٹاتا — زہراؑ کے کلیجہ کے عوض برچھیاں کھاتا
بیٹوں کو یوں ہیں میری طرح نذر کو لاتا — اپنے کوئی محسن کو نہیں دل سے بھلاتا
جو پاس ہے جس کے وہ عطائے شہِ دیں ہے
کہہ دے مرے ماں جائے کا حق کس پہ نہیں ہے

۱۵۵

بیٹوں سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی — سر پر مرے دُنیا میں سلامت رہیں بھائی
اِک دولت اولاد لُٹائی تو لُٹائی — کیا لُٹ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی
کیوں روؤں میں دُنیا میں جو دلبند نہیں ہیں
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہیں ہیں

۱۵۶

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے — لو شاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے — وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو عرش کے تارے
پامالی کو اب دونوں کی اسوار بڑھیں گے
بچوں کے سر اب کٹ کے نشانوں پہ چڑھیں گے

۱۵۷

یہ سنتے ہی تھرّانے لگے حضرتِ عباسؑ — گھبرا کے اُٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس
سر کھولے ہوئے بیبیاں ڈیوڑھی کے جو تھیں پاس — سب نے کہا لو شہ کی بہن ہو گئی بے آس
ٹوٹا ہے فلک بنتِ شہنشاہ نجف پر
زینبؑ کو چلو لے کے بس اب اٹھی صف پر

۱۵۸

ہے ہے کا جو اِک شور ہوا رانڈوں میں برپا — زینبؑ بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا
چلّائی ارے چپکے رہو غل ہے یہ کیسا — بھائی ہیں سلامت مجھے کیوں دیتی ہو پرسا
ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائیں گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مر جائیں گے شبیرؑ

۱۵۹

تم روتے ہو کس واسطے میں تو نہیں روتی — دامانِ مژہ بھی نہیں اشکوں سے بھگوتی
دل ہوتا جو ایسا ہی تو کیوں بیٹوں کو کھوتی — دولت کوئی ماں جائے سے پیاری نہیں ہوتی
قائم رہے اقبال محمدؐ کے خلف کا
بس نام بھرے گھر میں نہ لو ماتمی صف کا

۱۶۰

سر اپنے نہ کھولو کہ مجھے آتا ہے وسواس — اک شب کی دلھن گھر میں ہے اس کا بھی نہیں پاس
شبیرؑ تو سر بر ہیں جو بیٹوں سے ہوئی یاس — اکبرؑ مری امید ہے قاسمؑ ہے مری آس
اب خُلد میں دادی کے قریں جائیں گے دونوں
کیا پیٹنے رونے سے چلے آئیں گے دونوں

۱۶۱

باتیں یہ کہیں سب سے یہ سنبھلا نہ دلِ زار — تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
واں لاشوں پہ روتے ہوئے پہنچے شہِ ابرار — مہماں کوئی ساعت کے ملے وہ جگر افگار
کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

۱۶۲

رُخ زرد تھے اور خاک میں آلودہ تھے گیسو — جھک آئے تھے کٹ کٹ مہِ نو سے وہ ابرو
تلواروں سے ٹکڑے تھے وہ بلور سے بازو — مہتاب سی وہ چھاتیاں اور تیر سے پہلو
پُھکتا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے
ہونٹوں پہ زبانیں نکل آئی تھیں عطش سے

۱۶۳

ٹکڑے ہوا سینہ میں دلِ سبطِ پیمبر — ہے ہے کہا اور لاشوں پہ لپٹے شہِ صفدر
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش میں آکر — بالیں پہ حضور آتے ہیں چونکو تو برادر
مشتاق تھے تم سیدِ ذی جاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدارِ شہنشاہ کو دیکھو

۱۶۴
سُن کر یہ صدا غش سے جو چونکا وہ دل افگار — دونوں نے رکھا سر قدمِ شاہ پہ اِک بار
اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار — دُشمن ہیں بہت قبلۂ عالم سے خبردار
ہم دونوں غلاموں کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹیں جو اماں انھیں سمجھائیو بھائی

۱۶۵
یہ کہہ کے لگے ہچکیاں لینے کو وہ پیارے — بس موت کے آثار نمایاں ہوئے سارے
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیرؑ پکارے — ماموں سے بچھڑتے ہو میں قربان تمھارے
پھر کی نہ کوئی بات سفر کر گئے دونوں
آنسو تھے رواں آنکھوں سے اور مر گئے دونوں

۱۶۶
حضرت کی جو رونے کی صدا خیمہ میں آئی — رانڈوں نے اُدھر ماتمی صف گھر میں بچھائی
زینبؑ نے کہا ہائے غضب روتے ہیں بھائی — فضہ یہ پکاری کہ دوہائی ہے دوہائی
لو چاک گریبان کئے آتے ہیں شبیرؑ
معصوموں کے لاشوں کو لئے آتے ہیں شبیرؑ

۱۶۷
بیٹھی صفِ ماتم پہ اُدھر شاہ کی خواہر — سیدانیوں نے اُٹھ کے اُدھر کھول دئے سر
لاشوں کو لئے آئے جو گھر میں شہِ صفدر — زینبؑ کے قریں بیٹھ گئے سر کو جُھکا کر
فرمایا کہ لو لختِ جگر آئے تمھارے
لو دودھ انھیں بخشو پسر آئے تمھارے

شبیرؑ نے جب دودھ کا زینبؑ سے لیا نام — ہر چند کیا ضبط پہ تھرا گیا اندام
دل تھام کے کہنے لگی وہ بیکس و ناکام — آپ اِن سے رضامند ہیں یا شاہِ خوش انجام
فرمایا دل اُن دونوں سے واللہ خوشی ہے
میں اُن سے خوشی ہوں مرا اللہ خوشی ہے

۱۶۹

عاشق تھے مِرے اور مرے غمخوار تھے دونوں سچّے تھے مگر صادق الاقرار تھے دونوں
اس وقت میں ماموں کے مددگار تھے دونوں حیدرؑ کی طرح صفدر و جرّار تھے دونوں
موت آئی کہ داغوں سے دل اب بھر گیا زینبؑ
دونوں یہ نہیں مرگئے ہیں مرگیا زینبؑ

۱۷۰

افسوس کہ اُن دونوں کی دیکھی نہ جوانی میں کیا کہوں کیا صاحبِ ہیبت تھے یہ جانی
ہوتی ہے بہت زخمیوں کو تشنہ دہانی پر ہم سے دمِ مرگ بھی مانگا نہیں پانی
سمجھے کہ گرفتارِ ستم آج ہے ماموں
وہ جانتے تھے پانی کو محتاج ہے ماموں

۱۷۱

ہمشیر سے یہ کہہ کے جو روئے شہِ ابرار بس آگیا فرزندوں کی ہمت پہ اُسے پیار
تھراتی ہوئی خاک سے اُٹھی وہ دلِ افگار پاس آنکے لاشوں کی بلائیں لیں کئی بار
کانپے جو قدم گر کے سنبھلنے لگی زینبؑ
منھ خون بھرے چہروں سے ملنے لگی زینبؑ

۱۷۲

دیکھا جو لہو بچّوں کا چھاتی اُمنڈ آئی نزدیک تھا مرجائے یداللہ کی جائی
پر فاطمہؑ کے صبر کی شان اُس نے دکھائی سب سے یہ کہا نیک لگی میری کمائی
بچّے مِرے قرباں ہوئے احسان خُدا کا
اے بیبیو صدقہ ہے یہ شاہِ شُہدا کا

۱۷۳

رو کر شہِ والا نے کہا صدقے میں تم پر دم بھر انھیں رو لو کہ یہ مہماں ہیں خواہر
بانو نے اشارا کیا اے سبطِ پیمبرؐ قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر
گر ضبط اسی طرح سے فرمائیں گی زینبؑ
یہ ماتمِ اولاد ہے مرجائیں گی زینبؑ

روتے ہوئے خیمہ سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ — فرزندوں کو چلّانے لگی زینبؑ ذیجاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہیں آہ — صدقے گئی جاؤ شہِ کونین کے ہمراہ
زخمی ہوئے شبیرؑ تو جاں اپنی میں دوں گی
اچھا میں تمھیں دونوں سے ماں جائی کو لوں گی

لو تیغیں کاندھوں پہ دھرو اے مرے پیارو — تنتے ہوئے شبیرؑ کے ہمراہ سدھارو
گو پیاسے ہو دو دن کے یہ ہمت کو نہ ہارو — یہ خون میں ڈوبے ہوئے کپڑے تو اُتارو
اُٹھ بیٹھو میں صدقے گئی اتنا نہیں سوتے
اس طرح تو جاگے ہوئے دولھا نہیں سوتے

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل — بچو تمھیں کیا سُن کے کہیں گے شہِ عاقل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ ماں صورتِ بسمل — سُلجھاؤ یہ زُلفیں کہ اُلجھتا ہے مرا دل
کیا غش میں ہو یہ سونے کا نقشہ نہیں ہوتا
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہیں ہوتا

پھر دونوں کے سر زانو پر رکھ کر کے پکاری — لو اب ہوا معلوم کہ تم مر گئے واری
بیہوشی میں کچھ مجکو خبر تھی نہ تمھاری — اب آنکھوں سے کھو جائیں گی یہ صورتیں پیاری
دُنیا کو نہ دیکھا کہ اجل آ گئی بچو
ہے ہے یہ تمھیں کس کی نظر کھا گئی بچو

بچو تمھیں قسمت نے نہ پروان چڑھایا — حسرت رہی ماں نے تمھیں دولھا نہ بنایا
پیدا ہوئے جس دن سے کبھی چین نہ پایا — دیکھی نہ جوانی کہ پیامِ اجل آیا
ہے ہے چمن دہر میں پھولے نہ پھلے تم
جب فصل بہاری کے دن آئے تو چلے تم

میں روتی تھی در پر مجھے سمجھا گئے تم　　دروازہ پہ دم بھر کے لئے آ نہ گئے تم
بچے بے دودھ نہیں بھی مجھے دکھلا نہ گئے تم　　پیاسے تھے مگر جانبِ دریا نہ گئے تم
جیتی ہے وہ ماں جس کے گذر جانے کے دن تھے
یہ بیاہ کی راتیں تھیں کہ مرجانے کے دن تھے

خاموش انیسؔ اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار　　کافی ہے رُلانے کو ترے درد کی گفتار
اِس جنس کا گر آج نہیں کوئی خریدار　　فیاض ہے لیکن شہِ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ اُمید کھلے گا
کُھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجکو ملے گا

مرثیہ (۳)

۱
پھولا شفق سے چرخ پہ جیب لالہ زار صبح — گلزار شب خزاں ہوا آئی بہار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح — سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گزار صبح
تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

۲
چلنا وہ باد صبح کے جھوکوں کا دمبدم — مرغان باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا پیچ و خم — سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا

۳
وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار — تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار — کو کو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغ بہشت نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

۴
آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں — تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤس آسماں
ذروں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں — نہر فرات بیچ میں تھی مثل کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سر کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارش باراں نور تھی

۵

اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرجدی　　کوسوں تھا سبزہ زار سے صحرا زمردی
ہر خشک و تر پہ تھا کرمِ بحرِ سرمدی　　بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی
روکے ہوئے تھی نہر کو اُمّت رسولؐ کی
سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتولؑ کی

۶

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد　　مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد　　یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

۷

تھا بسکہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب　　نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
تھی نہرِ علقمہ بھی خجالت سے آب آب　　روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
ساحل سے سر ٹپکتی تھیں موجیں فرات کی

۸

تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ　　ہر سُو جما رہا تھا صفیں شمرِ رُو سیاہ
گیتی کو تہلکہ تھا یہ تھی کثرتِ سپاہ　　ممکن نہ تھا کہ ہو گذرِ طائرِ نگاہ
سب مستعد تھے قتلِ شہِ کائنات پر
طوفانِ آب تیغ اُٹھا تھا فرات پر

۹

اک صف میں برچھیوں کی چمک تھی کہ الحذر　　لچکا رہے تھے ڈانڈ سوارانِ خیرہ سر
وہ بُوریاں جو سنگ کے دل میں کریں گذر　　اینان وہ توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر
تھا اک گلا تو خنجرِ بے پیر کے لئے
وہ برچھیاں تھیں سب تنِ شبیرؑ کے لئے

۱۰
ناوک فگن لئے ہوئے حلقے کمان کے چلاتے تھے یہ چھاتیوں کو تان تان کے
دشمن ہیں بادشاہِ دو عالم کی جان کے دم لیں گے جسم شاہ کو تیروں سے چھان کے
ہرگز کریں گے پاس نہ احمدؐ کی آل کا
ریتی پہ خون بہائیں گے زہراؓ کے لال کا

۱۱
جب بندھ چکیں صفیں تو علم کھل گئے تمام غل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شہِ امام
حلقے میں اہلبیتؑ کے روتے تھے یاں امام لپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوئے نیک نام
بکھرائے سر کے بال حرم ساتھ ساتھ تھے
پٹکے میں شاہِ دیں کے سکینہ کے ہاتھ تھے

۱۲
زینبؑ بلک رہی تھی پریشاں تھے سر کے بال نعلین کا نہ ہوش نہ چادر کا تھا خیال
سینہ کبود چاک گریباں شکستہ حال کہتی تھی مجھ پہ رحم کر اے فاطمہؑ کے لال
پوچھے گا کون ساتھ چھٹے گا جو آپ کا
نہ ماں کا آسرا ہے مجھے اب نہ باپ کا

۱۳
زینبؑ کے اضطراب پہ شہ روے زار زار فرمایا اے بہن تری اُلفت کے میں نثار
یاد آ گیا حسینؑ کو اُس وقت ماں کا پیار لیکن میں کیا کروں نہیں کچھ میرا اختیار
واللہ اپنے قول کا ہر دم خیال ہے
بھیا حسینؑ مخبرِ صادق کا لال ہے

۱۴
بچپن میں جو زباں سے کہا ہے کریں گے ہم کھائیں گے تیر ظلم لہو میں بھریں گے ہم
حلق اپنی زیرِ خنجرِ قاتل دھریں گے ہم اُمت کے بخشوانے کو پیاسے مریں گے ہم
اب ہاتھ اُٹھاؤ فاطمہؓ کے نورِ عین سے
ہو گی کبھی نہ وعدہ خلافی حسینؑ سے

۱۵
یہ سن کے گر پڑی جو قدم پر وہ نوحہ گر   لپٹا لیا گلے سے بہن کو بچشم تر
رو کر کہا کہ ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر   زینبؑ خدا کے واسطے بیٹھو نہ اپنا سر
خاصانِ حق کا خلق میں رتبہ بلند ہے
صابر رہو کہ صبر خدا کو پسند ہے

۱۶
فرما کے یہ سکینہ کے منہ پر نگاہ کی   گودی میں لے لیا اُسے اور دل سے آہ کی
بولی بلائیں لے کے وہ رخسارِ شاہ کی   سمجھی میں آخری یہ نگاہیں ہیں چاہ کی
رونا یہ بے سبب نہیں منہ موڑ موڑ کے
مرنے چلے ہیں آپ مجھے گھر میں چھوڑ کے

۱۷
معلوم ہو گیا کہ نہ اب آئیے گا آپ   چھاتی پہ سونے والے کو تڑپائیے گا آپ
چھوڑا اگر مجھے تو نہ پھر پائیے گا آپ   میں اپنی جان دوں گی اگر جائیے گا آپ
فرقت میں مجھ کو جی سے گذرنا قبول ہے
اچھا سدھارو گر مرا مرنا قبول ہے

۱۸
منہ چوم کے یہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال   صدقے عقیقِ لب پہ ترے فاطمہؑ کا لال
معلوم ہے حسینؑ کو بی بی تمہارا حال   کیونکر نہ روؤں میں کہ قلق ہے تجھے کمال
اِن برگِ گل سے ہونٹوں کے صدقے امام ہو
سولہ پہر ہوئے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو

۱۹
تدبیر اک نکالی ہے آنسو نہ اب بہاؤ   ہم پانی لینے جاتے ہیں تم ماں کے پاس جاؤ
سوکھی زباں دکھا کے نہ شبیرؑ کو رلاؤ   بی بی دعا کے واسطے ننھے سے ہاتھ اٹھاؤ
حق سے کہو بتول کے جانی پہ رحم کر
یا رب ہماری تشنہ دہانی پہ رحم کر

۲۰
ناچار شہ کی گودی سے اتری وہ رشک حور روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
پھیلی زمیں پہ روشنیٔ آفتابِ نور پڑھنے لگے درود رفیقانِ ذی شعور
چوما ادب سے پائے امامِ انام کو
خم ہو گئے تمام نمازی سلام کو

۲۱
حق کے ولی مصاحبِ سردار انس و جن کوئی جواں کوئی متوسط کوئی مسن
فاقوں میں با حواس لڑائی میں مطمئن کہتے تھے روزِ قتل ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو
قربان ہوں حسین پہ رن میں تو عید ہو

۲۲
وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ جس کی صفا کو دیکھ کے ہو آئنہ بھی دنگ
زیور کی طرح جسم پہ زیبا سلاحِ جنگ جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لالہ رنگ
کہتے تھے سب چڑھائے ہوئے آستین کو
آقا ابھی کہیں تو اُلٹ دیں زمین کو

۲۳
تھے اک طرف عزیزِ شہِ آسماں وقار تھا جن کی چاہ میں دلِ یوسفؑ بھی بیقرار
جانباز سرفروش بہادر وفا شعار ایک ایک رونق چمنستانِ روزگار
ہر چند باغِ دہر کو کیا کیا ملا نہیں
اب تک تو اِس روش کا کوئی گُل کھلا نہیں

۲۴
خلق و مروّتِ حسَنی اُن پہ ختم تھی حُسن اُن پہ ختم گلبدنی اُن پہ ختم تھی
زور ان پہ ختم تیغ زنی ان پہ ختم تھی ہر معرکے میں صف شکنی ان پہ ختم تھی
غازی تھے صف شکن تھے جری تھے دلیر تھے
جس میں علیؑ رہے اُسی بیشہ کے شیر تھے

۲۵
اُن سب گُلوں میں اِک علی اکبرؑ کا سا گُلبدن — تھا جس کی جامہ زیبی کا شہرہ چمن چمن
رخسار سے بہم تھے جو گیسوئے پُرشکن — حیراں تھے سب کہ مل گئے کیونکر حلب ختن
سُرخی تھی لب پہ گو کہ نہ پانی نصیب تھا
دیکھا جو غور سے تو یمن بھی قریب تھا

۲۶
کہتے تھے مُسکرا کے پدر سے یہ دمبدم — عرصہ ہے کیا سوار ہوں اب قبلۂ اُمم
آمادۂ دغا ہے ادھر لشکرِ ستم — دُشمن اگر بہت ہیں تو ہم بھی نہیں ہیں کم
نامرد برقِ تیغ سے جل جائیں تو سہی
دب دب کے موریوں سے نکل جائیں تو سہی

۲۷
کہتے تھے اشک بھر کے امامِ فلک جناب — صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب
دو روز سے ملا نہیں میرے چمن کو آب — جی بھر کے دیکھ لوں علی اکبرؑ ترا شباب
طاقت نہیں کلیجے میں شیروں کے داغ کی
پیارے میں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

۲۸
قربانِ احتشامِ علمدارِ حق پژوہ — لرزاں تھا جس جری کے تہور سے دشتِ کوہ
سردار صفدروں کا دلیروں کا سرگروہ — حمزہؓ کا دبدبہ اسداللہ کا شکوہ
دل کانپتے تھے دیکھ کے تیور دلیر کے
گویا سیاہ شام تھی پنجے میں شیر کے

۲۹
اِک سُو چراغِ محفلِ شبیرؑ تھا جلوہ گر — روشن تھے جن کے چہرۂ انور سے دشت و در
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر — تن تن کے جھومتا تھا مگر مثلِ شیرِ نر
جرأت نثار ہوتی تھی اُس سرفروش پر
شملہ چھٹا تھا سبز عمامے کا دوش پر

۳۰

تلوار تول تول کے دستِ حنائی میں کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم اس لڑائی میں
حاصل تھا ہاتھ کو یدِ بیضا صفائی میں اختر کی ضو دکھاتا تھا کنگنا کلائی میں
ساعد فروغ دیتے تھے تارِ نگاہ کو
دکھلاتی تھیں ہتھیلیاں آئینہ ماہ کو

۳۱

تھے پہلوئے حسینؑ میں زینبؑ کے دونوں لال گویا قرینِ بدر تھے دو نجم بے مثال
کاندھوں پہ پیچے نظر آتے تھے دو ہلال ظاہر تھا چتونوں سے یداللہ کا جلال
نو دس برس کا سِن تھا مگر کیا دلیر تھے
بچے بھی شیرِ حق کے گھرانے کے شیر تھے

۳۲

دونوں یتیم حضرتِ مسلمؓ تھے کیا عقیل حاضر تھے باادب عقبِ سرورِ جلیل
آپس میں کہتے تھے کہ پدر تو ہوئے قتیل ہم کوفیوں کو ماریں گے عمریں ہیں گو قلیل
گھر سے طلب کیا تھا اسی اعتقاد پر
لعنت خدا کی مذہبِ ابنِ زیاد پر

۳۳

مہماں سے یہ سلوک مسافر سے یہ دغا یہ ظلم اک غریب پہ بیکس پہ یہ جفا
لے جا کے بام پر سرِ انور کیا جدا خندق میں تن کو پھینک دیا وامصیبتا
ایسی کبھی وکیل پہ آفت پڑی نہیں
سنتے ہیں ہم کہ لاش بھی اب تک گڑی نہیں

۳۴

اس فوج میں یقیں ہے کہ ہووے وہ روسیاہ مارا ہمارے بھائیوں کو جس نے بیگناہ
منت پہ اُن غریبوں کے مطلق نہ کی نگاہ سر چھوٹے چھوٹے کاٹ لئے سنگدل نے آہ
پائیں ابھی تو کشتۂ تیغِ دو دم کریں
ہم نیمچوں سے ہاتھوں کو اس کے قلم کریں

۳۵

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گلعذار ‏ جو صدرِ زیں پہ مصدرِ رحمت ہوا سوار
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیق و یار ‏ آگے بڑھے علم لئے عباسؓ نامدار
پھولا ہوا چمن تھا امامِ اُمم کے ساتھ
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ

۳۶

اللہ رے فیض جلوۂ ابنِ شہِ نجف ‏ رن کی زمیں کو حق نے دیا خلعتِ شرف
کس شان سے کھڑے تھے نمازی جمائے صف ‏ بس یک بیک بجا دُہلِ جنگ اس طرف
گیتی لرز گئی دلِ اوتاد ہل گئے
تیرِ ستم کمانوں کے چلّوں سے ہل گئے

۳۷

لشکر سے تب بڑھا پسرِ سعد چند گام ‏ چلّے میں رکھ کے تیر یہ سب سے کیا کلام
شاہد رہیں تمام دلیرانِ فوجِ شام ‏ میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک سوئے امام
ہے شاق مجکو خلق میں جینا حسینؑ کا
کیا شاد ہوں ہدف ہو جو سینہ حسینؑ کا

۳۸

لکھا ہے جب لگا کے وہ ناوک ہٹا شریر ‏ یکبار فوجِ شہ پہ چلے دس ہزار تیر
بے جاں ہوئے پچاس رفیقانِ بے نظیر ‏ لاشوں پہ ان کے روئے امامِ فلک سریر
افتادہ خاک و خوں میں وہ اہلِ تمیز تھے
ہاں کچھ رفیق باقی تھے اور کچھ عزیز تھے

۳۹

جس وقت خاتمہ رفقا کا ہوا بخیر ‏ تھے پھر تو سب عزیز نہ تھا ان میں کوئی غیر
روتے تھے حال فخرِ سلیماں پہ وحش و طیر ‏ کرنے لگے عزیز بھی ملکِ عدم کی سیر
ماتم ہوا حرم میں امامِ جلیل کے
تیغوں سے ٹکڑے ہو گئے پوتے عقیل کے

۴۰
راہی سوئے عدم ہوئے جس دم وہ بے پدر
نکلے وغا کو زینبؑ ذیجاہ کے پسر
مانند شیر حق کے تھے حملے اِدھر اُدھر
کٹ کٹ کے نیچوں سے گرے سرکشوں کے سر
اُلٹیں صفیں جدھر وہ دمِ جنگ پھر پڑے
آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھا کے گر پڑے

۴۱
ناگاہ گھر میں آن کے فضہ نے دی خبر
لو کام آئے زینبؑ ناشاد کے پسر
رن میں گئے ہیں اکبر و عباس نام ور
روتے ہیں بھانجوں کے لئے شاہ بحر و بر
رن سے بہن کے بیٹوں کے شبیرؑ لائیں گے
صف ماتمی بچھاؤ کہ لاشے اب آئیں گے

۴۲
دوڑے حسینؑ جانبِ مقتل با اشک و آہ
آنکھوں کے سامنے ہوئے بیدم وہ رشک ماہ
مردوں کو بھانجوں کے اُٹھا لائے گھر میں شاہ
سر پیٹے اہلبیت رسولِ فلک پناہ
زینبؑ مگر نہ روئی ادب سے امام کے
چُپ رہ گئی کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

۴۳
باہر امام لے گئے لاشے اُٹھا کے جب
غیرت کا جوش آگیا قاسمؑ کی ماں کو تب
مل مل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب
ہمشکل مصطفےٰ کہیں مرنے نہ جائے اب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
میں فاطمہ کو حشر میں کیا مُنھ دکھاؤں گی

۴۴
دل میں یہ سوچتی ہوئی اُٹھی وہ خوشخصال
قاسمؑ کو اپنے پاس بلایا بصد ملال
رو کر کہا کہ اے حسنِ مجتبیٰ کے لال
کچھ اس ضعیف ماں کی بھی عزت کا ہے خیال
جاری ہیں اشک خوں مرے چشم پُرآب سے
زینب کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

۴۵
گھر لُٹ رہا ہے فاطمہؑ زہرا کا ہائے ہائے — دشمن وہ دوست ہے جو نہ اس دکھ میں کام آئے
غیروں نے یاں حسینؑ کے قدموں پہ سر کٹائے — کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے جائے
گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے
مُنھ دیکھتے ہو کیا تمھیں پالا ہے شاہ نے

۴۶
سب مر چکے امام دو عالم کے اقربا — باقی ہے کون اکبرؑ و عباسؑ کے سوا
حضرت کی تن کی جان ہیں وہ دونوں مہ لقا — سر ان کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا
تم بھی خجل رہو گے سدا جد کے سامنے
شرمائیں گے حسنؑ بھی محمدؐ کے سامنے

۴۷
جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد — کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے تم کو یاد
جلدی دو دلھن سے مل کے سدھارو پئے جہاد — قربان ہو چچا پہ یہی ماں کی ہے مُراد
بیاہا تمھیں بر آئی ہر اک آرزو مری
اب وہ کرو کہ جس میں رہے آبرو مری

۴۸
مادر کے مُنھ کو دیکھ کے بولا وہ گلعذار — ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں وقت کارزار
جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار — رخصت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار
رن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

۴۹
اب بھی اگر نہ دیں گے رضا سرورِ اُمم — رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم
اماں مزار کشتہ ستم کی ہمیں قسم — قدم ہے اب کوئی دم میں سوئے عدم
کیا دخل ہم سے آگے جو وہ شہسوار ہوں
عباسؑ ہوں کہ اکبرؑ عالی مقام ہوں

٥٠

یہ کہہ کے آئے سر کو جھکائے دلھن کے پاس   آنکھوں میں اشک درد کلیجے میں دل اداس
فرمایا ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس   سب مر گئے عزیز شہنشاہ حق شناس
بستی تمام لٹ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کا گھر جو تھا وہ عزا خانہ ہو گیا

٥١

کس سے کہیں جو حال دلِ دردناک ہے   تلوار چل رہی ہے جگر چاک چاک ہے
اس زندگی پہ حیف ہے دنیا پہ خاک ہے   اب کوئی دم میں دلبرِ زہرا ہلاک ہے
آئی تباہی آل نبیؐ کے جہاز پر
نرغہ ہے شامیوں کا امامِ حجاز پر

٥٢

تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم کرو مدد   آفت میں آج ہے پسرِ ضیغمِ صمد
دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے یہ روزِ بد   صدقے کرو ہمیں کہ بلا ان کی ہوئے رد
راضی رضائے حق پہ بصد آرزو رہو
حیدرؑ سے ہم بتولؑ سے تم سرخرو رہو

٥٣

واللہ قتل ہوں گے جو عباسؑ نامور   صدمے سے ٹوٹ جائے گی شبیرؑ کی کمر
اکبر خدا نخواستہ مارے گئے اگر   مر جائیں گے تڑپ کے شہنشاہ بحر و بر
وہ مستعد ہیں حلق کٹانے کے واسطے
ہم کیا پلے ہیں لاش اٹھانے کے واسطے

٥٤

سوچو تمھیں گلا نہ کٹائیں تو کیا کریں   فریاد فاطمہؑ کی صدائیں سنا کریں
رخصت کرو تو فوجِ ستم سے دغا کریں   کھولو جو لعل لب تو گہر ہم فدا کریں
صاحب ہمیں سپردِ عروسِ اجل کرو
مشکل کشا کی پوتی ہو مشکل کو حل کرو

۵۵

گھونگھٹ ہٹا کے ہم کو دکھاؤ تو رُخ کا نور　　پاس اب نہ آسکیں گے کہ ہوتے ہیں تم سے دور
آنکھوں پہ ہیں ہتھیلیاں رقت کا ہے وفور　　نرگس کے پھول ہاتھوں سے ملنا یہ کیا ضرور

جینے کی اس چمن میں خوشی دل سے فوت ہے
بلبل جو گُل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے

۵۶

صاحب بھلا عدم کے مسافر سے کیا حجاب　　ہم یوں ہیں جس طرح کہ سرِ آب ہو حباب
ایسی روا روی میں ٹھہرنے کی کب ہے تاب　　کہتی ہے موت گور کی جانب چلو شتاب

رستہ ہے پُر خطر کہیں وقفہ ذرا نہ ہو
منزل بہت کڑی ہے یہ جلدی روانہ ہو

۵۷

اِک دم کی بھی ہمیں تو جُدائی ہے تم سے شاق　　کیا کیجئے نصیب میں تھا صدمۂ فراق
لائی اجل بگڑ کے گریباں سوئے عراق　　بولو زباں سے کچھ کہ نہ رہ جائے اشتیاق

چُپکی یوہیں رہو گی تنِ پاش پاش پر
کیا بین بھی کرو گی نہ دولھا کی لاش پر

۵۸

جب یہ سُنے کلام تو جی سنسنا گیا　　دل پہ چھُری چلی کہ جگر تھرتھرا گیا
مُنھ پر دُلھن کے صاف رنڈاپا سا چھا گیا　　جوشِ بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا

دولھا کو اتنی بات سُنا کر اِک آہ کی
صورت بتاتے جاؤ ہمارے نباہ کی

۵۹

سمجھی کہ جیتے اب نہیں پھرنے کے رن سے تم　　پیاسا گلا کٹا کے ملو گے حسنؑ سے تم
سوؤ گے مُنھ چھپا کے لحد میں کفن سے تم　　اچھا سلوک کرتے ہو صاحب دُلھن سے تم

اِک رات کی بنی پہ جفا یوں ہی چاہیئے
اے شمعِ بزم مہر و وفا یوں ہی چاہیئے

۲۰
فرمایا کیا کریں جو نہ روئیں بدرد یاس — نہ باپ کی نہ بھائی کی اور نہ چچا کی آس
مہماں ہیں جہاں میں کوئی دم کے حق شناس — سونپا تھا آپ کو سو رہے آپ بھی نہ پاس
وارث ہے کون پھر جو گلے سب کے کٹ گئے
تم کیا کرو نصیب ہمارے اُلٹ گئے

۲۱
میں کون ہوں بھلا جو کہوں گی کہ تم نہ جاؤ — راضی ہیں ماں تمہاری تو جاؤ گلا کٹاؤ
گھر تو اُجاڑ ہو چکا جنگل کو اب بساؤ — نبھ جائے گا ہمارے رنڈاپے کا غم نہ کھاؤ
مسکن کریں گے رن میں تنِ پاش پاش پر
ہم بھی فقیر ہوئیں گے صاحب کی لاش پر

۲۲
باتیں یہ سُن کے روتے تھے قاسم بحالِ زار — ھل من مبارز کی صدا آئی ایک بار
ماں نے کیا اشارہ کہ اے میرے گلعذار — موقع نہیں ہے دیر کا اُٹھو یہ ماں نثار
کیا جانے ہوگا قبر میں کیا حال باپ کا
جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

۲۳
فرما کے الوداع اُٹھا دلبرِ حسنؑ — برہم ہوئی وہ بزم وہ صحبت وہ انجمن
غُل پڑ گیا کہ لُٹتی ہے اِک رات کی دُلھن — اس وقت سب سے دولھا کی اُنکا تھا یہ سخن
جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہے بیبیو زنِ بیوہ کے لال کی

۲۴
جاتا ہے سر کٹانے کو رن میں یہ رشکِ ماہ — لو میں نے دودھ بخش دیا سب رہیں گواہ
دُنیا میں یادگار رہا حشر تک یہ بیاہ — دو رانڈیں ایک جا ہوں یہ تھی مرضیِ اِلٰہ
سمجھے نہ اب کوئی کہ دُلھن کی عزیز ہوں
کل تک کی ساس آج سے اس کی کنیز ہوں

مطلع ثانی

۶۵
جب خیمۂ حسینؑ سے نکلا حسن کا لال ۔ دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرور بصد ملال
بس گر پڑا قدم پہ یہ کہکر وہ خوشخصال ۔ دیجئے رضائے حرب مجھے بہر ذوالجلال
چلائی ماں کہ سبط پیمبر نہ روکیو
شبیرؑ نے دی صدا کہ برادر نہ روکیو

۶۶
لپٹا کے اُس کو چھاتی سے بولے شہ اُمم ۔ پیارے تمھارا داغ بھی دل پر سہیں گے ہم
یہ پیش و پس ہے منزل ہستی میں کوئی دم ۔ تم آگے چند گام تو ہم پیچھے دو قدم
کچھ غم نہیں جو راہ ہے خنجر کی دھار پر
ہر دم خُدا کا فضل ہے اس خاکسار پر

۶۷
یہ کہہ کے دل قلق سے بھر آیا جو ایک بار ۔ روئے مثال ابر شہ آسماں وقار
تر آنسوؤں سے ہوگئی ریش خضابدار ۔ تسلیم کرکے قاسمِ گلرو ہوا سوار
دولھا کی نور رُخ کی ضیا چرخ تک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی

۶۸
پہنچا جو رزم گاہ میں وہ غیرت قمر ۔ نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا ادھر اُدھر
بولے عدو یہ کوئی فرشتہ ہے یا بشر ۔ خورشید خاوری کی بھی خیرہ ہے یاں نظر
اللہ ری چمک رُخ پُر آب و تاب کی
سہرہ بنا ہوا ہے کرن آفتاب کی

۶۹
کیوں وصف لعل لب میں حلاوت نہ پائے لب ۔ ہے مدح خواں کو قند مکرر ثنائے لب
شیریں لبوں کے ہیں لب شیریں فدائے لب ۔ دیکھے یہ لب تو یوسفِ مصری چھپائے لب
ترکِ ادب ہے اس کی ثنا اس طریق سے
دھونا زباں کو چاہئے آبِ عقیق سے

۷۰

دنداں محیط نور کے ہیں گوہر خوش آب　　براق اس قدر ہیں کہ ہے برق کو حجاب
ان سے مقابلہ کی نہیں اختروں کو تاب　　بتیس موتیوں کی یہ خرمن ہے انتخاب
حیراں ہے چشم حور ظہور ان کا دیکھ کر
دانا درود پڑھتے ہیں نور ان کا دیکھ کر

۷۱

ناگاہ رجز پڑھنے لگے قاسمؑ جری　　عالم میں کون ہے جو کرے ہم سے ہمسری
ہم حیدری ہیں ہم میں ہے زورِ غضنفری　　ہم سے ہے اوج پایۂ اورنگ صفدری
شہرہ ہے حرب و ضرب میں شہ خاص و عام کا
سکہ ہے ششجہت میں ہمارے ہی نام کا

۷۲

جد ہے مرا امیر عرب شحنۂ نجف　　ضرغام دیں معین رسولان ماسلف
دادی جناب فاطمہؑ زہرا سی ذی شرف　　عمو حسینؑ صاحبِ لولاک کا خلف
میں پارۂ دل حسنؑ خوشخصال ہوں
ہیرے سے جو شہید ہوا اس کا لال ہوں

۷۳

اس کا پسر ہوں اے سپہ مصر و روم و شام　　گلزار فاطمہؑ کا ہے جو سرو سبز فام
واللہ اُس کا لخت جگر ہوں میں تشنہ کام　　تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام
جاں اُس کی ہوں میں جس کو نہ جاگیر جد ملی
پہلو میں مصطفےٰ کے نہ جس کو لحد ملی

۷۴

ناگاہ فوج شام سے تیر ستم چلے　　تیر و سنان و نیزہ و خنجر بہم چلے
قاسم بھی یاں سے کھینچ کے تیغ دودم چلے　　اعدا پہ چھیڑ کر فرسِ خوش قدم چلے
پیدل تو اُس قطار کے تھے کس قطار میں
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

ڈھالیں اُٹھیں کہ دن شہ دیجور ہوگیا   لامع جو برق تیغ ہوئی نور ہوگیا
حیراں ہر ایک ظالم مقہور ہوگیا   چہروں کا رنگ خوف سے کافور ہوگیا
آئی ہنسی اجل کو بھی اس طرح مر گئے
گھوڑوں پہ تن چڑھے رہے اور سر اُتر گئے

تھا ابن سعد شوم کو اس دم بہت ہراس   غرق سلاح ارزق شامی کھڑا تھا پاس
اس سے کہا کہ فوج نہایت ہے بے حواس   تو جا کے لڑ تو قتل ہو شاید یہ حق شناس
رکتا ہے برچھیوں سے نہ دام کمند سے
جلدی سناں پہ اس کو اُٹھالے سمند سے

کہنے لگا بگڑ کے وہ باصد غرور ولاف   تو آپ بے حواس ہے تقصیر ہو معاف
یہ امرائے امیر شجاعت کے ہے خلاف   یاں تب لڑوں اگر علیؑ آئیں پے مصاف
فرق آئے گا نہ میری کبھی آن بان میں
لڑکے سے لڑ کے نام مٹا دوں جہان میں

ڈرتے ہیں سب جری مری جنگ و جدال سے   رستم کا زور آگے مرے کم ہے زال سے
رکتی نہیں یہ تیغ تہمتنی کی ڈھال سے   ناداں ہوں کیا لڑوں میں جو اس خورد سال سے
بیٹوں کو میرے بھیج کہ چاروں دلیر ہیں
جنگ آزما ہیں سور ہیں صفدر ہیں شیر ہیں

لکھا ہے چار تھے پسر ارزقِ پلید   دشمن تو آل پاک کے شیطان کے مرید
بولا یہ اُن کو دیکھ کے وہ پیروِ یزید   ہاں جا کے اس یتیم کو جلدی کرو شہید
سُلواؤ قبر میں حسنؑ دل ملول کو
بیوہ بنا دو دختر سبطِ رسولؐ کو

شے
یہ چاند مجتبیٰ کا ہے خوں میں اسے ڈباؤ تلواریں مارو ذبح کرو برچھیاں لگاؤ
انعام دوں یہ جنگ اگر فتح کرکے آؤ سہرے سمیت کاٹ کے دولھا کے سر کو لاؤ
خلعت ملیں گے جاؤ گے جس دم سلام کو
سر اس کا نذر دیجو تمھیں میر شام کو

شے
نکلا یہ بات سنتے ہی ان میں سے ایک پل پیچھے چلی شریر کے ہستی ہوئی اجل
نعرہ کیا یہ غیظ سے موذی نے کھا کے بل ہاں اے حسن کے لال خبردار ہو سنبھل
کام آئے کچھ تو نام شہِ ذوالفقار کے
پشتی پہ ہو کوئی تو مدد کو پکار کے

شے
قاسم یہ نعرہ رن ہوئے جھکا کے راہوار امداد وقت جنگ ہے شیروں کو ناگوار
کافی ہے بس ہمیں سپر حفظ کردگار او خیرہ سر اجل تری گردن پہ ہے سوار
دشمن کو اپنی ضرب طمانچہ قضا کا ہے
آ کوئی وار کر جو ارادہ وغا کا ہے

شے
یہ سنتے ہی کماں کو اٹھا کر بڑھا شریر چلّے میں تین پھال کا جوڑا شقی نے تیر
تھا بسکہ تیز دست حسنؑ کا مہ منیر بجلی سی آئی کوندکے شمشیر بے نظیر
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

شے
اک ہاتھ میں گرے جو کئی دست نابکار بولے کمر میں رکھ کے یہ شمشیر آبدار
اب دیکھ میرے تیر کا توڑ او خطا شعار پکڑا کماں کے قبضے کو یہ کہہ کے استوار
چلّہ جو کھینچنے لگے سرکش کو تاک کے
رستم کی فوج چھپ گئی تودوں میں خاک کے

۵
چٹکی سے چھوٹ کر جو چلا تیر بے اماں — قربان تیرے ہاتھ کے چلائی یہ کماں
بچتی ہے کب خدنگ اجل سے کسی کی جاں — نکلا وہ تیر توڑ کے سینہ کے استخواں
اک دم میں دی شکست خطا و ثواب نے
غُل تھا قفس کی تیلیاں توڑیں عقاب نے

۶
مرکب سے گر کے مر گیا جب وہ عدوے دیں — نکلا اُدھر سے تب پسرِ ثانیِ لعیں
نیزے کو تولتا ہوا مغرور و خشمگیں — ابرو پہ بل نگاہ میں قہر اور جبیں پہ چیں
ہمراہ اُس کے تیغ بکف سو سوار تھے
اور اس طرف مدد کو شہِ ذوالفقار تھے

۷
نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند — بجلی سا کوندھنے لگا دولھا کا بھی سمند
نیزہ اُڑا کے نیزے سے کی یہ صدا بلند — کیوں تو نے دیکھے نیزۂ مشکل کشا کے بند
یہ سُن کے اُس نے ڈھال کو چہرے پہ کر لیا
پتلی کو بیحیا کی سناں میں پرو لیا

۸
بیکار کور ہو کے ہوا جب وہ خیرہ سر — پٹکے میں ہاتھ ڈال کے پٹکا زمین پر
آواز دی زمیں نے کہ فی النار والسقر — جا تو بھی ہے برادرِ عینی ترا جدھر
جز موت کچھ شقی کو نہ اُس دم نظر پڑا
آنکھیں کھلیں تو قعرِ جہنم نظر پڑا

۹
چھوٹا برادر سوم اس کا بکر و فر — تانے ہوئے وہ گرز گراں سر کہ الحذر
یاں بہر حفظ دستِ یداللہ تھے سپر — تیغِ دو دم کو شیر نے تولا بچا کے سر
یوں دو کیا عمودِ سرِ نابکار کو
جس طرح تیغ تیز اُڑا دے ینار کو

۹۰

مرتے ہی اُس کی فوج کے جو تھا پسر بڑھا — قاسمؑ پکارے او دیل خود سر کدھر بڑھا
سُنتے ہی یہ وہ تیغ دو دم کھینچ کر بڑھا — جھنجلا کے مجتبیٰ کا بھی لختِ جگر بڑھا
لڑتا وہ گیا کہ تیر اجل کا نشانہ تھا
اک ہاتھ میں نہ سر تھا نہ بازو نہ شانہ تھا

۹۱

بے جاں ہوئے نبرد میں بیٹے جو اس کے چار — ارزق کا دل ہوا صفتِ لالہ داغدار
جوشِ غضب سے سُرخ ہوئیں چشم نابکار — مثلِ تنور مُنہ سے نکلنے لگا بخار
جیبِ قبا کو مثلِ کفن پھاڑتا ہوا
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

۹۲

شانے پہ تھی شقی کے وہ دو ٹانک کی کماں — ارجن بھی جس سے سہم کے گوشے میں ہو نہاں
چار آئینہ وہ پہنے تھا بر میں کہ الاماں — دب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخواں
کہتی تھی یہ زرہ بدنِ بد خصال میں
پکڑا ہے بیل مست کو لوہے کے جال میں

۹۳

آمد شقی کی دیکھ کے گھبرا گئے امام — عباسؑ نامور سے یہ رو کر کیا کلام
لو بھائی جنگ ہو چکی قصہ ہوا تمام — آیا سوئے یتیم حسنؑ موت کا پیام
ہمشکل مجتبیٰ کو بلا لو پکار کے
مانگو دُعا سروں سے عمامے اُتار کے

۹۴

یہ کہہ کے قبلہ رو ہوئے سلطانِ کائنات — درگاہ کبریا میں دُعا کی اُٹھا کے ہات
اے خالق زمین و زماں ربّ کائنات — ارزق کے ہاتھ سے مرے قاسم کو دے نجات
تو حافظِ جہاں ہے کریم و رحیم ہے
یارب بچا اسے کہ یہ لڑکا یتیم ہے

۹۵

فضّہ پکاری خیمے میں آکر بچشمِ تر لوگو تمھیں یتیم حسنؑ کی بھی ہے خبر
آیا ہے لڑنے ارزق ملعون و خیرہ سر کھولو سروں کو اے حرمِ شاہ بحر و بر
عباسؑ روتے ہیں علی اکبرؑ اُداس ہیں
ایسا ہے کچھ کہ سبطِ نبیؐ بے حواس ہیں

۹۶

نکلا یہ سب کے مُنھ سے کہ ہے ہے حسنؑ کا لال زینبؑ نے اُٹھ کے کھول دئے اپنے سر کے بال
سینے سے مل گیا دلِ بانوئے خوشخصال چلّائی ماں گذر گیا کیا میرا نونہال
عابد کا تپ میں گرم بدن سرد ہوگیا
قاسم کے چھوٹے بھائی کا مُنھ زرد ہوگیا

۹۷

چلّائی رو کے زوجۂ عباس نوجواں یارب ہے تو یتیم حسن کا نگاہباں
سُن کر یہ غُل دُلھن کے بھی آنسو ہوئے رواں لے کر بلائیں ساس پکاری کہ میری جاں
خالق کرے گا رحم نہ آہ و بکا کرو
دولھا پہ آ بنی ہے میں صدقے دُعا کرو

۹۸

اس اضطراب میں جو سُنا ساس کا سخن زانو سے سر اُٹھا کے ہوئی قبلہ رو دُلھن
آہستہ کی یہ عرض کہ اے ربِ ذوالمنن دُشمن پہ فتحیاب ہو لختِ دلِ حسن
لڑنے گئے ہیں تشنہ دہن تیری راہ میں
رکھ میرے ابنِ عم کو تو اپنی پناہ میں

۹۹

یارب دُلھن بنے مجھے گذری ہے ایک شب دولھا جو مرگیا تو مجھے کیا کہیں گے سب
اب تک تو شرم سے نہ ہلائے تھے میں نے لب پر کیا کروں کہ اب ہے مری روح پر تعب
شبیرؑ کے آفتاب کا وقتِ غروب ہے
دولھا سے پہلے مجکو اُٹھائے تو خوب ہے

۱۰۰

سہرے کے پھول بھی ابھی سوکھے نہیں ہیں آہ جو آگیا پیام رنڈاپے کا یا الٰہ

یہ عقد تھا کہ موت تھی ماتم تھا یہ کہ بیاہ بعد ان کے ہوگا خلق میں کیونکر مرا نباہ

اُٹھوں جہاں سے دلبر شبیر کے سامنے

عورت کی موت خوب ہے شوہر کے سامنے

۱۰۱

فوجیں ادھر دُعا کی چلیں سوئے آسماں بل کھا کے اُس طرف یہ پکارا وہ بدزباں

رستم بھی ہو تو کھینچ نہیں سکتی مری کماں جوشن کو توڑتا ہے مرا تیر بے اماں

ہے اُس کی فتح ساتھ ہوں میں جس رئیس کے

سرمہ کیا ہے دیو کو جنگل میں پیس کے

۱۰۲

قاسم نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند اللہ کو غرور و تکبر ہے ناپسند

حق نے فروتنی سے کیا ہم کو سربلند نیزے کا بند باندھ کوئی چھیڑ کر سمند

دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے

کھل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہے

۱۰۳

کیا زور تیرا اور تری ضرب او ذلیل تعریف اپنی خود یہ سفاہت کی ہے دلیل

جوہر خود اس کے کھلتے ہیں جو تیغ ہے اصیل کاٹے ہماری تیغ نے بازوئے جبرئیل

جرأت میں ہم کسی کو بھلا کیا سمجھتے ہیں

مضبوط جو ہیں وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

۱۰۴

یہ گرزِ مثلِ راہ سفر ہے ترے لئے دستِ اجل ترا یہ تبر ہے ترے لئے

برچھی کا پھل قضا کا ثمر ہے ترے لئے کالی بلا تری یہ سپر ہے ترے لئے

ضربت نہ چل سکے گی جو ماریں گے ہم تجھے

بے آبرو کرے گی یہ تیغِ دو دم تجھے

۱۰۵
کیا ہو سکے گا تجھ سے بھلا وقت دار و گیر　　دستانے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہیں او شریر
حلقہ کہیں کماں کا نہ کر لے تجھے اسیر　　دشمن ہیں سب ترے جنھیں سمجھا ہوا ہے تیر
او تیرہ رو بھلا یہ سپر کیوں لگائے ہے
آ ہوش میں کہ تجکو سیاہی دبائے ہے

۱۰۶
گو اسلحہ ہے زیور مردان سر گذار　　سب حربے چل سکیں گے بھلا وقت گیر و دار
ہے دم میں فیصلہ جو کھنچے تیغ آب دار　　لادے ہوئے ہے تن پہ عبث ایک خر کا بار
چھپتے نہیں ہزار میں تیور دلیر کے
یہ تو نہیں ہے کلب ہے برقع میں شیر کے

۱۰۷
بیٹوں کے غم نے کر دئے مختل ترے حواس　　گھبرا نہ بھیجتے ہیں تجھے بھی انھیں کے پاس
فاقہ ہے ہم پہ اور ہے سولہ پہر کی پیاس　　آنکھیں ملا کے دیکھ بھلا ہے کہیں ہراس
کم ہیں جو نورِ عین تو آنکھیں چرائے ہے
ثابت ہوا جھلم سے کہ منہ کو چھپائے ہے

۱۰۸
آگے ہمارے دعوئ جرأت خدا کی شان　　گدی سے کھینچ لوں ابھی بڑھ کر تری زباں
مغرور اس پہ ہے کہ میں لڑکا ہوں نوجواں　　لے میان سے تبر کہ اس کا بھی ہو جائے امتحاں
ہیں شیر شیر خوار جنابِ امیر کے
جھولے سے پھینک دیتے ہیں اژدر کو چیر کے

۱۰۹
بارہ برس کے سن میں لڑے شاہ ذوالفقار　　مرحب سا پہلواں نہ بچا وقت کارزار
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش او زبوں شعار　　گینڈے کی ڈھال کاٹتی ہے تیغ آبدار
لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں منہ پھیر پھیر کے
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے شیر کے

۱۱۰
قابل کیا جو مصحفِ ناحق کے لال نے　　تر کر دیا اُسے عرقِ انفعال نے
برچھا اُٹھایا ہاتھ میں اس بدخصال نے　　چھیڑا فرس کو قاسمِؑ یوسف جمال نے
تکنے لگے صفوں سے جواں سب لڑے ہوئے
عباسِ نامدار قریب آ کھڑے ہوئے

۱۱۱
قاسم نے عرض کی کہ بہت دھوپ ہے حضور　　رہئے چچا کے پاس یہ تکلیف کیا ضرور
فرمایا صدقے میں تری ہمت کے اے غیور　　دُشمن کے پاس آنے نہ دو ہم کھڑے ہیں دور
ہشیار ہاں عمو کہ دمِ کارزار ہے
جاتا ہے اب کہاں یہ تمھارا شکار ہے

۱۱۲
کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو بار بار　　بیٹا سپر تو ہاتھ میں لے لو چچا نثار
صدقے ترے حواس کے اے میرے شہسوار　　ہاں دونوں پاؤں رکھیو رکابوں میں استوار
آنے دو اُس کو تیغ ابھی دم بھر تھمی رہے
گھوڑا نہ بد مزاج ہو یتری جمی رہے

۱۱۳
فارس ہے تم سا کون تہِ چرخِ چنبری　　دکھلا رہے ہو صاحبِ دلدل کی بگدھری
صدقے ہیں اے نہنگِ محیطِ دلاوری　　دکھلا دے ضربِ تیغ جہانگیرِ حیدری
ابرو پہ بل ہو آنکھوں سے آنکھیں لڑی رہیں
بھاری زرہ وہ پہنے ہیں چوٹیں کڑی رہیں

۱۱۴
بیٹا تمھیں خُدا نے دیا ہے علیؑ کا زور　　گو پیل ہے یہ ہم تو سمجھتے ہیں اُس کو مور
بہرام کی طرح سے چلا اب میاں گور　　دیکھو گے دیکھنے کا فقط ہے یہ زور شور
چلتے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی
گرجے ہیں جو بہت وہ برستے نہیں کبھی

۱۱۵

سُن کر صدائے شیر پکارا وہ بزدلا کیا ان کے ساتھ آپ بھی ہیں عازمِ وغا
تیوری چڑھا کے حضرت عباسؑ نے کہا بس بے تجھے یہ طفل مری احتیاج کیا
کچھ تجھ سے کم نبیرۂ خیبر شکن نہیں
دو ایک سے لڑیں یہ ہمارا چلن نہیں

۱۱۶

نیزہ جما کے جانبِ قاسم بڑھا وہ یل دولھا نے مسکرا کے صدا دی سنبھل سنبھل
گھوڑا نہ گر پڑے ترے لنگر سے منھ کے بھل تو ہے فرس پہ اور تری گردن پہ ہے اجل
ضیغم ہیں بیشۂ اسدِ ذوالجلال کے
کیجیو سناں کے وار ذرا دیکھ بھال کے

۱۱۷

یہ کہہ کے اپنے نیزے پہ چھوٹی سی دی ہکان آئی چمک کے برق پکاری کہ الاماں
اِک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہاں ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

۱۱۸

قاسمؑ نے زور سے جوانی پر رکھی انی بھاگا شقی کے جسم سے زورِ تہمتنی
بگڑا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کے آ بنی تھی اس سناں کی نوک کہ ہیرے کی تھی کنی
اُڑ کر گری زمیں پہ سناں اس ہکان سے
گرتا ہے جیسے تیر شہاب آسمان سے

۱۱۹

جھلا کے چوب نیزے کو لایا وہ فرق پر قاسمؑ نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر
دو انگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا

۱۲۰

نکلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اُٹھائے جب چلتے ہیں بے کمان کیانی بصد غضب
چلّے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب تیوری چڑھائی قاسمؑ نوشاہ نے بھی تب
تیرِ نگاہ سے وہ خطاکار ڈر گیا
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلّہ اُتر گیا

۱۲۱

بولے یہ مسکرا کے جگر گوشۂ حسنؑ رُخ پھیر لو نہ او ستم ایجاد بیل تن
چلّائے بڑھ کے حضرت عباس صف شکن کیا تجکو خوب یاد ہیں تیر افگنی کے فن
دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو
دعویٰ ہے کچھ ابھی تو چڑھالے کمان کو

۱۲۲

کند و گذار تیر نظر پر بھی کی نظر ظالم عقاب تیر کے بھی اُڑ گئے ہیں پر
شیروں کے کاٹ ڈالے ہیں روئیں تنوں کے سر ہاں اب بتا صواب کدھر ہے خطا کدھر
ترکش کو پھینک دے جو حمیت کا جوش ہو
چٹکی سے کو کو تھام کے حلقہ بگوش ہو

۱۲۳

دو سمت سے چلے جو ملامت کے اُس پہ تیر چلّایا تیغ تیز علم کر کے وہ شریر
ہاں اے حسن کے لال بدخشاں بدہ بگیر نکلی چمک کے یاں سے بھی تیغِ قضا نظیر
چمکا کے تیغ تیز جو قاسم سنبھل گئے
سمجھا جو کچھ فرس کے بھی تیور بدل گئے

۱۲۴

مانند شیر غیظ میں آیا وہ بیل تن آنکھیں اُبل پڑی صفتِ آہوئے ختن
مارے زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن چلّائے سب کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن
میخیں زمیں کی اس کی تگاپو سے ہل گئیں
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں

۱۲۵

فرفر نفس کی آتی تھی تھنوں سے جب صدا　　کہتے تھے لوگ سب کہ ہے رفرف یہ بادپا
دشمن کو گھورتا ہے دہانا چبا چبا　　غل تھا کہ بس فرس ہو تو ایسا ہو باوفا
دشمن کو کیا نبرد میں بچنے کی آس ہو
لڑے کٹاریاں یہ فرس جس کے پاس ہو

۱۲۶

چھل بل دکھائی فوج کو دوڑا اتھما اُڑا　　صورت بنائی جست کی سمٹا جڑا اُڑا
دیکھی زمیں کبھی کبھی سوئے سما اُڑا　　مثل سمند بادشہِ انما اُڑا
جن تھا پری تھا سحر تھا آہو شکار تھا
گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

۱۲۷

دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بیک　　دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک
تکنے لگے فلک کے دریچوں سے سب ملک　　اک زلزلہ تھا اوج ثریا سے تا سمک
چہرے پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی

۱۲۸

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد　　تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلائے بد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانیِ حسد　　کہتا تھا بازوے شہِ دیں یا علی مدد
یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغِ جھول کو
جس طرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

۱۲۹

لایا جو حرف سخت زباں پر وہ بدخصال　　جھپٹا مثال شیر درندہ حسن کا لال
گھوڑے سے بس ملایا گھوڑا بصد جلال　　اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اُس کی سپر سے ڈھال
ادھر لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پاؤں رکھ دئے سر پر سمند کے

۱۳۰

عباس نامدار نے پہلو سے دی صدا ہاں اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا
گھوڑا بھی اس طرف کو ادھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

۱۳۱

غازی نے دی صدا کہ وہ مارا ذلیل کو بچے نے آج پست کیا مست پیل کو
کیا منہدم کیا رہِ عصیاں کے میل کو لوگو سنو گرا دیا حرفِ ثقیل کو
دو ہوگئی کمر نہیں تسمہ لگا ہوا
دیکھو تو آکے لاش کے ٹکڑے پہ کیا ہوا

۱۳۲

قاسم سے پھر کہا کہ مبارک تمھیں ظفر تسلیم کی ادب سے چچا کو جھکا کے سر
اور عرض کی یہ دور سے ہاتھوں کو جوڑ کر اقبال آپ کا کہ مہم ہوگئی یہ سر
پشتی پہ آپ جب ہوں تو پھر کیا ہراس ہو
کام آئے کیوں نہ راس جو استاد پاس ہو

۱۳۳

فرمایا جان عم یہ بشر تھا کہ دیو زاد ڈھایا ہے تم نے کفر کا گھر خانۂ عناد
آؤ کہ تم پہ پھونک دیں پڑھ کر کے ان یکاد چلائی در سے ماں نہ بر آئی مری مراد
بیوہ کا لال بچ گیا صدقے جبین پر
اسپند کوئی کر دے مرے نورِ عین پر

۱۳۴

عباس نامدار تو سنتے چلے ادھر یعنی خوشی کی جا کے شہِ دیں کو دوں خبر
اس غمکدے میں دہر کے شادی کہاں مگر یاں اس نبی پہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہلِ شر
لاکھوں سے لڑ کے پیاس سے مجبور ہوگئے
حربے ہزارہا جو چلے چور ہوگئے

بند ۱۳۵

کیونکر تمام فوج سے یہ تشنہ لب لڑے — اک اک لڑا نہ آہ بہم ہو کے سب لڑے
کھا کھا کے زخم مثل امیر عرب لڑے — جانبازیاں غضب کی دکھائیں غضب لڑے
جلوہ میان تشنہ دہانی دکھا دیا
بچپن میں لڑکے زور جوانی دکھا دیا

بند ۱۳۶

للکارا جس نے بس وہیں گھوڑا ڈپٹ کے آئے — یوں آئے جیسے شیر درندہ جھپٹ کے آئے
بجلی گری اُدھر یہ جدھر کو پلٹ کے آئے — صف کو بچھائے آئے پرے کو اُلٹ کے آئے
مُنہ سُرخ تھا کُھلے ہوئے تھے زخم سینے کے
بن کر لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے

بند ۱۳۷

کاٹے رسالے تیغ سے کارِ قلم لیا — دستِ یمیں نے جنگ امامِ اُمم کیا
پھر دست چپ میں تیغ و سپر کو بہم لیا — تیورائے سنبھلے مُنہ سے لہو ڈالا دم لیا
یاں بند ہو کے آنکھ کُھلی جتنی دیر میں
سو تیر دل کو توڑ گئے اتنی دیر میں

بند ۱۳۸

آخر گرا سیاہ میں وہ چودھویں کا ماہ — روکے تھی فوج تیروں سے اور برچھیوں سے راہ
لشکر کے ساتھ تھا پسرِ سعد روسیاہ — تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
غل تھا کہ روند ڈالا ہے لشکر کے باغ کو
ہاں غازیو بجھا دو حسن کے چراغ کو

بند ۱۳۹

تیغیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر — پڑتی تھیں وہ قریب سے سب ناتواں پر
تیروں پہ تیر تھے تو کمانیں کمان پر — حملہ تمام فوج کا تھا ایک جان پر
یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

۱۴۰
غش میں جُھکا فرس پہ جو وہ غیرت قمر — مارا کسی نے فرق پہ اِک گرز گاو سر
برچھی لگی جو سینے پہ ٹکڑے ہوا جگر — گرتے تھے اسپ سے کہ کمر پر لگا تبر
طارق کی تیغ کھا کے پکارے امام کو
فریاد یا حسینؑ بچاؤ غلام کو

۱۴۱
سُنتے ہی استغاثۂ داماد کی صدا — دوڑے حسین جانب مقتل برہنہ پا
گھبرا کے بولے حضرت عباسؑ باوفا — تلوار کس پہ چل گئی ہے ہوا یہ کیا
چلّائی ماں ارے مری بستی اُجڑ گئی
اے بھائی دوڑو بن کے لڑائی بگڑ گئی

۱۴۲
جھپٹے جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار — بجلی گری یزید کے لشکر پہ ایک بار
اُس غیظ میں یمیں سے جو آئے سوئے یسار — بھاگے پھرا کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار
بھاگڑ میں خوں سے رن کی زمیں لال ہو گئی
دولھا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی

۱۴۳
دیکھا امام نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں — سوکھے ہوئے لبوں پہ ہے اینٹھی ہوئی زباں
داماد سے لپٹ گئے حضرت بصد فغاں — بیجاں ہوا حسین کے آگے وہ نیمجاں
جب لاش اُٹھائی شہ نے تو چور استخوان تھے
سب چاند سے بدن پہ سُموں کے نشان تھے

۱۴۴
ڈیوڑھی پہ لائے لاش جو سلطان بحر و بر — پردا اُٹھایا ڈیوڑھی کا فضّہ نے دوڑ کر
لاشے کے پاؤں تھامے تھا کوئی تو کوئی سر — چادر کمر کی تھامے تھے عباسؑ نامور
لٹکی تھیں دونوں خاک میں زلفیں اٹی ہوئیں
رُخ پر پڑی تھیں سہرے کی لڑیاں کٹی ہوئیں

۱۴۵

لاشہ ادھر سے لے کے چلے شاہ کربلا
دوڑے اُدھر سے پیٹتی ناموس مصطفےٰ
فضہ تھی آگے آگے کھُلے سر برہنہ پا
آئی جو صحن میں تو یہ رانڈوں کو دی صدا
چھپ جائے جس سے دور کا ناتا ہے صاحبو
دولھا دولھن کے لینے کو آتا ہے صاحبو

۱۴۶

بہنیں کدھر ہیں ڈالنے آنچل نبی پہ آئیں
اب دیر کیا ہے حجرے سے باہر دولھن کو لائیں
رخصت ہوں جلد تاکہ براتی بھی چین پائیں
جاگے ہیں ساری رات کے اپنے گھروں کو جائیں
دل پر سہے فراق کی شمشیر تیز کو
ماں سے کہو دولھن کے نکالے جہیز کو

۱۴۷

ناگاہ لاش صحن تک آئی لہو میں تر
بیٹھے جو سب عروس کو بھی ہو گئی خبر
تھا سامنا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر
گھبرا کے تب سکینہ سے بولی وہ نوحہ گر
دولھا کی لاش آئی ہے سہرے کو توڑ دو
مسند اُلٹ دو حجرے کے پردے کو چھوڑ دو

۱۴۸

یہ کہہ کے نوچنے لگی سہرا وہ سوگوار
افشاں چھُڑا کے خاک ملی مُنھ پہ چند بار
کہنے لگی لپٹ کے سکینہ جگر فگار
ہے ہے بہن بڑھاؤ نہ سہرے کو میں نثار
وہ کہتے تھے کہ جاگ کے تقدیر سو گئی
بی بی نہ پکڑو ہاتھ کہ میں رانڈ ہو گئی

۱۴۹

یہ کہہ کے غش ہوئی جو تلق سے وہ نوحہ گر
حجرے سے دوڑی بالی سکینہ برہنہ سر
آ کر قریب صحن پکاری بچشم تر
اے بیبیو کسی کو دولھن کی بھی ہے خبر
کیسی گھڑی ہے ہائے یہ اماں کدھر گئیں
دوڑو پھوپھی جہان سے کبریٰ گذر گئیں

۱۵۰

روکر بہن سے کہنے لگے شاہ بحر و بر — اُس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر

بیٹی لُٹے گی اس کی ہمیں تھی نہ کچھ خبر — اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولھا کو اِک نظر

زخمی بھی ہے شہید بھی ہے پدر بھی ہے

دولھا ہے نام کو بھی چچا کا پسر بھی ہے

۱۵۱

حضرت یہ سن کے ہٹ گئے با چشم اشکبار — پیٹی یہ سر کہ غش ہوئی بانوے دلفگار

چادر سپید اُڑھا کے دولھن کو بحالِ زار — گودی میں لائے زینبؑ غمگیں کو سوگوار

چلّائی ماں یہ گر کے تنِ پاش پاش پر

قاسم بنے اُٹھو دولھن آئی ہے لاش پر

۱۵۲

صدقے گئی چچی کو نہ ہوئے کہیں ملال — رکھو دولھن کی پیٹھ پہ ہاتھ اے حسن کے لال

واری بس اب اُٹھو کہ پریشاں ہے میرا حال — کیسا یہ خواب ہے کہ دولھن کا نہیں خیال

کروٹ تو لو کہ ماں کے جگر کو قرار ہو

اس بچپنے کی نیند پہ اماں نثار ہو

۱۵۳

جس دم دولھن نے لاش کے ٹکڑوں پہ کی نگاہ — نکلی لہو میں ڈوبی ہوئی اِک جگر سے آہ

قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشکِ ماہ — میرا قصور عفو ہو اے میرے بادشاہ

بولی نہ تھی حجاب سے تقصیر وار ہوں

اب حکم ہو تو لاش پہ اُٹھ کر نثار ہوں

۱۵۴

اے پارہ دلِ حسنؑ اے فدیۂ حسینؑ — کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہے شور و شین

کیا کہہ کے روؤں اُٹھ گیا اب تو جہاں سے چین — بیوہ کو کوئی سکھائے تو صاحب کروں میں بین

چھوڑا دولھن کو لاش پہ رونے کے واسطے

دولھا بنے تھے قبر میں سونے کے واسطے

۵۵ ؁
صاحب بتا تو دو ہمیں رونے میں کیا کہوں بیکس کہوں کہ فدیۂ راہِ خدا کہوں
پیاسا کہوں شہید کہوں یا بنا کہوں دولھا کہوں کہ قاسمِ گلگوں قبا کہوں
ماتم بھی یوں تو ہوتا ہے شادی بھی ہوتی ہے
اک شب کی رانڈ دولھا کو کیا کہہ کے روتی ہے

۵۶ ؁
کیوں رونے والو سنتے ہو آواز شور و شین اس بزمِ پاک میں ہیں نہاں نوحہ گر حسینؑ
منبر کے پاس فاطمہ روتی ہیں کرکے بین ماتم کرو کہ مر گیا حضرت کا نورِ عین
شبیر کو بھی قلق ہے شہِ بے وطن کو بھی
پُرسا دو تم حسینؑ کو بھی اور حسنؑ کو بھی

۵۷ ؁
لکھے انیسؔ میں نے بہ سُرعت یہ چند بند لے جائے شوق سے جسے مضموں جو ہو پسند
اک جا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند اُس کے کرم سے ہوگا یہ دریا کبھی نہ بند
نہریں رواں ہیں فیض شہِ مشرقین کی
پیاسو پیو سبیل ہے نذرِ حسینؑ کی

مرثیہ (۴)

۱
جب رن میں سربلند علیؑ کا علم ہوا   فوجِ خدا پہ سایۂ ابرِ کرم ہوا
چرخِ زبرجدی پئے تسلیم خم ہوا   پنجے پہ سات بار تصدق حشم ہوا
دیکھا نہ تھا علم جو کبھی اس نمود کا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا درود کا

۲
وہ شان اس علم کی وہ عباسؑ کا جلال   نخلِ زمردی کے تلے تھا علیؑ کا لال
پنجے پہ جان دیتی تھیں پریوں کا تھا یہ حال   غل تھا کہ دوشِ حور پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
ہر لہر آبدار تھی کوثر کی موج سے
طوبیٰ بھی دب گیا تھا پھریرے کی اوج سے

۳
تھا پنجتن کا نور جو پنجے پہ جلوہ گر   اعمٰی کی پتلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر
ذرّے نثار کرتے تھے اٹھ اٹھ کے اپنا زر   تکتے تھے فوق سے لو تلک تحت سے بشر
اللہ ری چمک علمِ بوترابؓ کی
تارِ نظر بنی تھی کرن آفتاب کی

۴
قربان احتشام علمدار نامور   رُخ پر جلالتِ شہِ مرداں تھی سربسر
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر سی نظر   قبضے میں تیغ بر زرہ دوش پر سپر
چھایا تھا شور لشکرِ ابن زیاد پر
غل تھا چڑھے ہیں شیرِ الٰہی جہاد پر

۵
وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم   وہ نور وہ شکوہ وہ توقیر وہ کرم
پنجے کی وہ چمک وہ سرفرازی علم   گرتی تھی برق فوج مخالف پہ دمبدم
کیا رفعتِ نشان سعادت نشان تھی
سائے میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی

۶
پنجہ اُٹھا کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار　　عالم میں پنجتن کی بزرگی ہے بار بار
یہ شش جہت انھیں کے قدم سے ہے برقرار　　کیوں بیعتہ دوست ہوتے ہو اے قوم نابکار
آٹھوں بہشت ملتے ہیں مولیٰ کے نام سے
بیعت کرو حسین علیہ السلام سے

۷
غرفوں سے جھانک جھانک کے بولی ہر ایک حور　　صلِّ علیٰ علم کی چمک ہے کہ برق طور
یارب رہے نگاہ بد اُس کے ضیا سے دور　　پنجہ ہے ایک جگہ کہ ہے پنجتن کا نور
جلوے ہیں سب محمد و حیدر کی شان کے
قربان اس جواں کے نثار اس نشان کے

۸
آگے کبھی نہ دیکھی تھی اس حسن کی سپاہ　　دُنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ
دیکھیں کسے کسے کہ ہے اِک ایک رشک ماہ　　جاتی ہے جس کے رُخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
دیکھو انھیں دموں سے ہے رونق زمین کو
چُن کر حسینؑ لائے ہیں کس کس حسین کو

۹
شہرہ بہت تھا حُسن میں کنعاں کے ماہ کا　　قصہ سُنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا　　یوسف ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
سُنتے تھے ہم کہ عالم ایجاد زشت ہے
ایسے چمن کھلے ہیں تو دُنیا بہشت ہے

۱۰
ہمشکل مصطفےٰ کا ہے کیا حُسن کیا جمال　　صبح جبیں ہے اور شب گیسو ہے بیمثال
یہ لب یہ خط یہ چشم یہ ابرو یہ رُخ یہ خال　　یاقوت و مشک و نرگس و نجم و مہ و ہلال
اِک گُل پہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے
چہرہ نہ کہئے قدرت پروردگار ہے

۱۱

لختِ دلِ حسنؑ بھی ہے کس مرتبہ حسینؑ — جس کے چراغِ حسن سے روشن ہیں سب زمین

یہ زلفِ مشک بیز یہ آئینۂ جبیں — سرمایۂ خطا و ختن کائنات چین

رُخ کی بلائیں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئیں

سہرے کی ہر لڑی سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئیں

۱۲

نامِ خدا ہیں عون و محمد بھی کیا شکیل — اک مہرِ بے نظیر ہے اک بدرِ بے عدیل

افروختہ ہیں رُخ یہ شجاعت کی ہے دلیل — ہمت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل

مثلِ علیؑ ہیں جنگ و جدل پر تلے ہوئے

دونوں کے نیمچوں کے ہیں ڈورے کھلے ہوئے

۱۳

عباسؑ نامور بھی عجب سج کا ہے جواں — نازاں ہے جس کے دوشِ منوّر پہ خود نشاں

حمزہؓ کا رعب صولتِ جعفرؑ علیؑ کی شاں — ہاشم کا دل حسینؑ کا بازو حسنؑ کی جاں

کیونکر نہ عشق ہو شہِ گردوں جناب کو

حاصل ہیں سیکڑوں شرف اس آفتاب کو

۱۴

اس مہر کو تو دیکھو یہ ذرے ہیں جس کے سب — سرتاجِ آسمان و زمیں نورِ عرش سب

ابرِ کرم خدیوِ عجم خسروِ عرب — عالی ہمم امامِ امم شاہِ تشنہ لب

جنباں زبانِ خشک ہے ذکرِ الٰہ میں

گویا کھڑے ہیں ختمِ رسل رزمگاہ میں

۱۵

کیا فوج تھی حسینؑ کی اس فوج کے نثار — اک ایک آبروئے عرب فخرِ روزگار

جرار و دیں پناہ و نمودار نامدار — لڑکوں میں سبزہ رنگ کوئی کوئی گلعذار

فوجیں کوئی سماتی تھیں ان کی نگاہ میں

وہ سب پلے تھے بیشۂ شیرِ الٰہ میں

۱۶
اِک ایک ملک جرأت و ہمّت کا بادشاہ — کیواں خدم سپہر حشم عرش بارگاہ
آنکھیں غزال رشک مگر شیر کی نگاہ — وہ رعب چتونوں میں اللہ کی پناہ
دیکھا تو دل کو توڑ کے برچھی نکل گئی
ابرو ذرا جو ہل گئے تلوار چل گئی

۱۷
وہ اشتیاق جنگ میں لڑکوں کے ولولے — بیتاب تھے کہ دیکھئے تلوار کب چلے
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سے گلے — سب فاطمہؑ کی بیٹیوں کی گود کے پلے
اِک اِک رسول حق کی لحد کا چراغ تھا
جس پر علیؑ نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

۱۸
اکبر سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کئے — یہ تیغے نہ لیویں گے دم بے لہو پیئے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جیئے — صدقے ہوں اس قدم پہ یہ سر ہیں اسی لئے
آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
آج آپ دیکھئے گا تماشا لڑائی کا

۱۹
بچین یہ خادمان اُولوالعزم کے نہ جائیں — جب چاہیں معرکے میں ہمیں آپ آزمائیں
تن تن کے روکیں برچھیاں ہنس ہنس کے زخم کھائیں — بجلی گرے تو منہ پہ جھجک کر سپر نہ لائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکالئے
بڑھ کر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالئے

۲۰
کہتے تھے مسکرا کے یہ زینب کے دونوں لال — کھلتے ہیں خود دلیروں کے جوہر دم جدال
ہر وقت چاہئے مددِ شیرِ ذوالجلال — نعرے ابھی کریں تو ہلے عرصۂ قتال
اُتری ہے تیغ جن کے لئے وہ دلیر ہیں
سب ہم کو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

۲۱

یہ چھیڑ جو کرتے تھے باہم وہ گلعذار — شبیرؑ دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
پاس آ کے عرض کرتے تھے عباس نامدار — سنتے ہیں آپ کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار
جرأت ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے
یہ پیچھے رکیں گے بھلا فوج شام سے

۲۲

یہ سن یہ زور شور یہ عمریں یہ آن بان — یہ بھولے بھولے منھ یہ جواں مردیاں یہ شان
باتیں رجز سے کم نہیں اللہ رے خوش بیاں — چلتی ہے ذوالفقار علی کی طرح زباں
کس دبدبہ سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
گویا چلن لڑائی کا سب دیکھے بھالے ہیں

۲۳

زینبؑ کے لاڈلوں کی طرف دیکھیے حضور — مثل عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
رخ پر جلال شیر خدا کا ہے سب ظہور — پرتو گلوں کا ہے کہ چمکتی ہے برق طور
دونوں میں صاف جبکہ رد جعفر کے طور ہیں
اللہ کی پناہ یہ تیور ہی اور ہیں

۲۴

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف — مشکل کشا کی فوج نے باندھی اُدھر بھی صف
تیروں نے رخ کیا سوئے ابن شہ نجف — سینوں کو غازیوں نے ادھر کر دیا ہدف
تھا بسکہ شوق جنگ ہر اک رشک ماہ کو
جوش آ گیا وغا کا حسینی سپاہ کو

۲۵

غصے سے آفتاب ہوئے مہوشوں کے رنگ — فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کی ہوئی امنگ
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ — بے چین ہو گئے فرس ابلق و سرنگ
پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی
پتلی ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

۲۶
تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے — بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے — ٹکڑے اڑیں گے آج عمر و شمرِ شوم کے
نامرد جو ہیں آنکھ چراتے ہیں مرد سے
دونوں کو چار کرکے پھریں گے نبرد سے

۲۷
دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی — بل کھا کے رخ پہ زلف کسی کی اکڑ گئی
چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی — منھ سرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو زانو میں داب کے
غصے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاب کے

۲۸
بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے — نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے — تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہرِ فرات کو

۲۹
سنتے ہی یہ کلام جوانانِ نامور — لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
کہتے تھے ہیچ لئے وہ غیرتِ قمر — یارب شکست کو فیوں کو دے ہمیں ظفر
سر کے نہ پھر وغا میں جو بڑھ کے قدم گڑے
جا کر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

۳۰
عباس شہ سے کہتے تھے بپھرے ہوئے ہیں شیر — تیر اس طرف سے آتے ہیں اب کس لئے ہے دیر
دو دن کی بھوک پیاس میں ہیں زندگی سے سیر — مولا غلام سے نہیں رکنے کے یہ دلیر
پاسِ ادب سے غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
شیرِ خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ

۳۱

کس کو ہٹائے کس کو سنبھالے یہ جاں نثار　　مرنے پہ ایک دل ہیں بہتّر وفا شعار
ہے مصلحت کہ دیجئے اب اذن کارزار　　ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
برہم ہیں سرکشی پہ سواران شام کی
اکبر کی بات مانتے ہیں نہ غلام کی

۳۲

جب روکتا ہوں میں انھیں لے آسماں سریر　　کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگائے تیر
باندھے ہیں سرکشی پہ کمر لشکرِ شریر　　ہنگام جنگ شیر کے بچّے ہوں گوشہ گیر
کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں
بچوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں

۳۳

اِک اِک جری کو نشہ جرأت کا جوش ہے　　عالم ہے بیخودی کا یہ مرنے کا ہوش ہے
ہر صف میں یا علی ولی کا فروش ہے　　کہتے ہیں بار بار کہ سر بار دوش ہے
مشتاق ہیں وہ پیاس میں تیغوں کے گھاٹ کے
ڈر ہے کہ مر نہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے

۳۴

حسرت سے کی سوے رفقا شاہ نے نظر　　بولے حبیب نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
فرمایا شہ نے ہم بھی ہیں آمادۂ سفر　　اچھا جہاد کو بڑھے ایک ایک نامور
یہ راہ حق ہے جو قدم آگے بڑھائے گا
دربار مصطفٰے میں وہی پہلے جائے گا

۳۵

مژدہ یہ سُن کے شاد ہوئے غازیان دین　　اِک اِک دلیر جانے لگا سوئے فوج کین
جب نعرہ زن ہوئے صفتِ شیرِ خشمگین　　تھرّائے آسماں کے طبق ہل گئی زمین
برپا تھا شور حشر دلیروں کی حرب سے
فوجیں تو کیا جہاں تہ و بالا تھا ضرب سے

۳۶

اللہ رے جہاد حبیب و زہیر قین گویا بپا تھا معرکۂ خندق و حنین

جب مر گئے وہ عاشق سلطان مشرقین مقتل میں پیٹتے ہوئے دوڑے گئے حسین

یوں جا کے روئے اُن کے تنِ پاش پاش پر

جس طرح بھائی روتا ہے بھائی کی لاش پر

۳۷

خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پرا کانپا سپہر شہ نے دمِ سرد یوں بھرا

کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا گہ روئے آپ ہاتھ جگر پر کبھی دھرا

لڑکے جو یک بیک کئی ہاتھوں سے کھو گئے

ٹکڑے حسنؑ کی طرح کلیجے کے ہو گئے

۳۸

تھی قہرِ حق عقیل کے پوتوں کی کارزار شمشیرِ حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار

عزت عرب کی کر گئے جعفر کے یادگار تھے تین چار شیر کہ جھپٹے سوئے شکار

فتح و ظفر تھی خلق علی اختیار میں

پنجے میں تھا وہی جسے تاکا ہزار میں

۳۹

نکلے برادران علمدار صف شکن دکھلا دئے علیؑ کے لڑائی کے سب چلن

بے سر تھے مورچوں میں جوانان پیل تن لاشوں پہ لاشیں گرتی تھیں پڑتا تھا رن پہ رن

آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک ذوالفقار کی

عباس داد دیتے تھے ایک ایک وار کی

۴۰

تھا چھوٹے بھائیوں کے لئے مضطرب جو دل گہ شہ کے پاس تھے کبھی لشکر کے متصل

نعرہ یہ تھا کہ شیر ہے ماں کا تمھیں بحل شہ رو گئے نہ ہاتھ بدن گو ہے مضمحل

یہ وقت آبرو ہے بس اب جد و کد کرو

ہاں بھائیو امام کی اپنی مدد کرو

۴۱
اُلٹو پروں کو اور صفوں کو بچھا کے آؤ ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ
جب باگ اُٹھاؤ فوج کے پاس پار جا کے آؤ یا مر کے آؤ یا انھیں رن سے بھگا کے آؤ
ہاں صفدرو نشاں نہ رہے فوج شام کا
بیٹوں کو پاس چاہیے بابا کے نام کا

۴۲
رو کر حسینؑ کہتے تھے بھائی سے دمبدم دولت پدر کی لٹتی ہے اور دیکھتے ہیں ہم
جینے نہ دے گا آہ ہمیں بھائیوں کا غم عباس عرض کرتے تھے اے قبلۂ اُمم
اب باپ کی جگہ شہ عالی مقام ہیں
صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سب غلام ہیں

۴۳
بے جاں ہوئے جو راہ خدا میں وہ شیر نر حضرت ضعیف ہوگئے خم ہو گئی کمر
ماتم میں تھے کہ موت نے لوٹا حسنؑ کا گھر اِک دم میں قتل ہو گئے دونوں جواں پسر
سب چل بسے نبی و علی پاس رہ گئے
ہفتاد و تن میں اکبرؑ و عباسؑ رہ گئے

۴۴
آیا نظر جو لاشۂ نوشاہ نیک خو اکبر کی چشم تر سے ٹپکنے لگا لہو
کی غیظ کی نظر طرفِ لشکرِ عدو پہلو سے آئے روتے ہوئے شہ کے روبرو
نکلی یہ بات جوشِ بکا میں زبان سے
قاسم کے ساتھ جائیں گے ہم بھی جہان سے

۴۵
بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جُدا سوئے تو ایک فرش پہ کھیلے تو ایک جا
طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا وامصیبتا مر جائے ایسا بھائی تو جینے کا کیا مزا
حسرت یہ ہے کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
پہلو میں ابن عم کے ہماری بھی لاش ہو

۴۶

شہ نے کہا کہ سچ ہے یہ ایسا ہی ہے الم — خالق جہاں میں بھائی کا بھائی کو دے نہ غم
بازو کا ٹوٹنا اجل آنے سے کیا ہے کم — مر مر کے غم میں بھائی حسن کے جئے ہیں ہم
تازہ تھا غم پدر کا خوشی دل سے فوت تھی
عباس نامدار نہ ہوتے تو موت تھی

۴۷

بھائی کے بعد ان سے ملی لذتِ حیات — بیکس کے غمگسار تھے یہ یا خدا کی ذات
خالی نہ پائی مہر مروّت سے کوئی بات — سویا میں گر تو ان کو کٹی جاگنے میں رات
صدمے بھلائے دل سے حسن کی جُدائی کے
رونے نہیں دیا مجھے ماتم میں بھائی کے

۴۸

ہے ان کے اتحاد کا سب سے جُدا مزا — بیٹے کا لُطف بھائی کا حظ باپ کا مزا
ملتا ہے ان کی بات میں ہر دم نیا مزا — اوجھل یہ آنکھ سے ہوں تو جینے کا کیا مزا
قائم رکھے خُدا کہ علی کے نشان ہیں
مالک یہی ہیں گھر کے یہی تن کی جان ہیں

۴۹

قوت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور — بچھڑا جو ایک دم میں تو پھر میں کنارِ گور
ہوتا ہے زخم دل پہ نمک آنسوؤں کا زور — جب پتلیاں نہ ہوئیں تو چشمِ بشر ہے کور
تم پہلوؤں میں تھے جو یہ بیکس سنبھل گیا
پھر خاتمہ ہے جسم سے جب دم نکل گیا

۵۰

بس دیکھ کر نہال ہوئے گلشنِ جہاں — گذرے بہار عمر کے دن آگئی خزاں
اُٹھ جائے جلد خلق سے یہ پیرِ ناتواں — پھولو پھلو جیو کہ ابھی تم ہو نوجواں
عمریں بھی ہیں قلیل کچھ ایسے مسن نہیں
دونوں کا ہے شباب یہ مرنے کے دن نہیں

۵۱
اُن سے نشاں علیؑ کا ہے تم سے ہمارا نام — گھر مٹ گیا نبی کا جو دونوں ہوئے تمام
میت کے دفن کا بھی مناسب ہے اہتمام — مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام
تُربت پہ تم سے گُل ہوں تو دل باغ باغ ہو
اندھیر ہے جو قبر پدر بے چراغ ہو

۵۲
کیجو نہ ذکر ہجر یہ صدمہ ہے دلخراش — بہر پدر کرو کفن و گور کی تلاش
ہوگا یہ جسم ظلم کی تیغوں سے پاش پاش — دو شخص چاہیے کہ اُٹھائیں ہماری لاش
رونے کو کوئی دوست نہ یاور سرہانے ہو
فرزند پائینتی ہو برادر سرہانے ہو

۵۳
اکبر نے سُن کے باپ سے یہ اشک خوں بہائے — عباس بول اُٹھے نہ خُدا وہ گھڑی دکھائے
ہے زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے — خاک اس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اُٹھائے
دیتے ہیں جان اہل وفا نام کے لئے
بازو ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لئے

۵۴
بس گر پڑا یہ کہہ کے قدم پر وہ باوفا — جُھک کر کہا حسینؑ نے بھائی یہ کیا کیا
قاسم کا ذکر کرتے تھے ہمشکل مصطفا — باتیں تو ان سے تھیں تمہیں کیوں غیظ آگیا
ہم تم تو ساتھ گلشن ہستی سے جائیں گے
اچھا ہماری لاش کو اکبر اُٹھائیں گے

۵۵
اُٹھئے قدم سے آپ کی اُلفت کے میں نثار — غصّے میں بھول جاتے ہو بھیا ہمارا پیار
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ نامدار — بے اذن جنگ سر نہ اُٹھائے گا خاکسار
ایسا نہ ہو خجل ہوں رسالت مآب سے
پہلے مروں گا اکبر عالی جناب سے

٥٦
صدقہ علی کی روح کا اکبر کو رو گئے — دے کر قسم شبیہ پیمبر کو رو گئے
نورِ نگاہ بانوئے بے پر کو رو گئے — اے آفتابِ دیں مہِ انور کو رو گئے
پہلے رضا لے تو بہت نیک نام ہوں
آقا یہ شاہزادہ ہے اور میں غلام ہوں

٥٧
شہ نے کہا کہ سر تو قدم سے اُٹھائیے — لیجے رضائے حرب نہ آنسو بہائیے
فرقت میں ہم جئیں کہ مریں خیر جائیے — اپنی سکینہ جان سے جاکر مل آئیے
زوجہ کو پیٹتے ہوئے سر دیکھ لیجئے
بچوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجئے

٥٨
عباس شہ کے گرد پھرے اُٹھ کے سات بار — بھائی کو گھر میں لے چلے جب شاہ ذی وقار
بولا یہ پیک شاطرِ فوجِ ستم شعار — دو اذنِ جنگ پا چکے عباس نامدار
خود دیکھ کر یہ حال پھرا ہوں میں راہ سے
ملنے گئے ہیں خیمے میں ناموس شاہ سے

٥٩
تھے آگے آگے ہاتھوں سے تھامے کمر امام — نعرہ یہ دمبدم تھا کہ اب ہم ہوئے تمام
تیغوں سے گھاٹ روک لو آیا وہ نیکنام — اب معرکہ ہے قہر کا اے ساکنانِ شام
دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہے شیر سے
چھوٹے گی مشکلوں میں ترائی دلیر سے

٦٠
دل ہل گئے سپاہ کے سنتے ہی یہ خبر — کانپے شمالِ بید جوانانِ پُر جگر
ہل چل میں اس طرف کے پرے ہو گئے اُدھر — ساحل سے ہٹ کے نہر پکاری کہ الحذر
پیچھے ہٹیں صفیں یہ تلاطم عیاں ہوا
دریا جو باڑھ پر تھا وہ الٹا رواں ہوا

٦١
ٹوٹے وہ مورچے جو بندھے تھے پئے جدال — برچھی گری زمیں پہ کسی کی کسی کی ڈھال
اللہ ری ہیبتِ خلفِ شیرِ ذوالجلال — کانپی زمیں کھڑے ہوئے رویئں تنوں کے بال
منھ زرد ہو کے رہ گیا ہر نوجوان کا
دشتِ نبرد کھیت بنا زعفران کا

٦٢
تھا شش جہت میں غُل کہ یہ ہے زورِ انقلاب — اُلٹے گا اس زمیں کا ورق ابنِ بوتراب
اُس شیعہ پر نہ ہوگی کوئی فوج فتحیاب — بس اب بنائے عالمِ امکاں ہوئی خراب
حملہ غضب ہے بازوئے شاہِ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمیں کے جہاز کا

٦٣
ڈر سے ہوا تھی ایک طرف گرد اک طرف — بھرتے تھے خیبری بھی دمِ سرد اک طرف
سمٹے ہوئے تھے کوفے کے نامرد اک طرف — تھے روسیاہ شام کے سب زرد اک طرف
بھاگے تھے تیز باز لڑائی کو چھوڑ کے
ضیغم نکل گئے تھے ترائی کو چھوڑ کے

٦٤
تھی ابتری سپاہ ضلالت شعار میں — اس صف میں تھی وہ صف یہ قطار اُس قطار میں
سو بار جو لڑے تھے اکیلے ہزار میں — وہ جائے امن ڈھونڈھتے تھے کارزار میں
چہرے تھے زرد خوف سے حیدر کے لال کے
نامرد منھ چھپائے تھے گھونگھٹ میں ڈھال کے

٦٥
سر کو دبائے فوج مخالف تھی بے حواس — کچھ شمر کے قریب تھے کچھ تھے عمر کے پاس
سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی سے یاس — ضربِ علی ہے ضربِ علمدارِ حق شناس
طاقت سے ہیں بھرے ہوئے بازو دلیر کے
خیبر کشا کا زور ہے پنجے میں شیر کے

اس فوج میں گو ہے یہ تزلزل یہ انتشار	بنیاد ادھر لگاتے ہیں عباس نامدار
مضطر ہیں بیبیاں شہِ والا ہے بیقرار	بھائی کے منھ کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
بیٹا کھڑا ہے چاک گریباں کئے ہوئے
روتی ہے سوکھی مشک سکینہ لئے ہوئے

منھ دیکھتی ہے باپ کا جب وہ بچشم تر	کہتے ہیں یہ اشارے سے سلطان بحر و بر
لٹتا ہے تم کو باپ سکینہ نہیں خبر	جانے نہ دو چچا کو ہمیں چاہتی ہو گر
آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو
دامن قبا کا ننھے سے ہاتھوں سے تھام لو

بھائی کے اضطراب میں زینب کا ہے یہ حال	ڈھلکی ہوئی ہے سر سے ردا اور کھلے ہیں بال
عباس سے یہ کہتی ہے رو کر بصد ملال	چھوڑو نہ شہ کو اے اسدِ کبریا کے لال
کیا کہتے ہو سکینہ سے منھ موڑ موڑ کے
بھیا کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے

دیکھو تو حال سبط رسول فلک اساس	بیٹی کا غم بھتیجے کا ماتم ہجوم یاس
ہے کثرتِ سپاہ میں تنہا وہ حق شناس	قربان جاؤں تم تو رہو بے وطن کے پاس
عاشق ہو دلبرِ اسدِ ذوالجلال کے
بازو قوی تمھیں سے ہیں زہرا کے لال کے

عباس کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کروں	کیونکر نہ حق امام زماں کا ادا کروں
الٹوں صفیں ہزاروں سے تنہا وغا کروں	یہ سر ہے اس لئے کہ قدم پر فدا کروں
پہنچا ہے فیض سید خوشخو کے ہاتھ سے
دنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے ہاتھ سے

رخصت طلب ہے شاہ سے اکبر سا لالہ فام
شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام
للہ روکئے نہ اب اے خواہرِ امام
وہ امر کیجئے کہ بڑھے جس سے میرا نام
بیکس ہوں ماں نہیں مرے سر پہ در نہیں
میں آپ کا غلام تو ہوں گو پسر نہیں

باتیں یہ سن کے روتی ہیں زینب جھکا کے سر
تھرّا رہی ہے زوجۂ عباس نامور
چہرہ تو فق ہے گود میں ہے چاند سا پسر
مانع ہے شرم روتی ہے منہ پھیر پھیر کر
موقع نہ روکنے کا ہے نے بول سکتی ہے
حضرت کے منہ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہے

کہتی ہے رو کے باوے عالم سے بار بار
ہم کو تباہ کرتے ہیں عباس نامدار
ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار
کچھ آپ بولتی نہیں اس وقت میں نثار
کہئے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ مرا گھر تباہ ہو

اکبر کا واسطہ کوئی تدبیر کیجئے
امداد بہر حضرت شبیرؑ کیجئے
کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجئے
پٹکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجئے
اک دل ہے میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
بی بی میں کیا کروں مرے بچّے صغیر ہیں

عباسؑ دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطرار
ہوتا ہے تیر غم جگرِ ناتواں کے پار
روتے ہیں خود مگر یہ اشارہ ہے بار بار
شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہے بیقرار
آؤ ادب سے دلبرِ زہرا کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے

کھولا ہے گوندھے بالوں کو صاحب یہ کیا کیا پیٹو سروں کو روتا ہے فرزند مہ لقا
خیر النسا کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا
ایذا میں صبر صاحب ہمت کا کام ہے
میری بھی آبرو ہے تمھارا بھی نام ہے

لو پوچھ ڈالو آنسوؤں کو بہر ذوالجلال دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا کہیں ملال
میری مفارقت کا نہ کیجو کبھی خیال قائم تمھارے سر پہ رہے فاطمہ کا لال
غم چاہیئے نہ آہ و بکا چاہیئے تمھیں
شہ کی سلامتی کی دُعا چاہیئے تمھیں

صدقے میں ابن فاطمہ پر مجھ سے سو غلام دیکھو نہ روتے دیکھ لیں تم کو کہیں امام
کیا اشک خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام ہم ہاتھ جوڑتے ہیں یہ ہے صبر کا مقام
پوچھیں حضور گر کہ تمھیں کیا قبول ہے
صاحب یہ کہیو تم کہ رنڈاپا قبول ہے

دیکھو کہ گھر میں اور بھی رانڈیں ہیں تین چار آداب شہ سے چپ ہیں نہیں کوئی بیقرار
رہ جائے بات امر وہ کرتے ہیں ہوشیار دُنیا ہے بے ثبات زمانہ ہے بے مدار
کب ایسے تفرقے ہوئے ایک ایک آن میں
صاحب سدا کوئی بھی جیا ہے جہان میں

قاسمؑ کو دیکھو جانب کبریٰؑ کرو نگاہ گذری جو شب تو صبح کو گھر ہو گیا تباہ
دُشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ کیا صابرہ ہے دختر شبیرؑ واہ واہ
سہتی ہیں یوں جہاں میں جفا رانڈ ہونے کی
آواز بھی بھلا کوئی سنتا ہے رونے کی

۱۳۱

آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بیبیاں ہوتا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحاں
جل جائے دل مگر نہ اُٹھے آہ کا دُھواں اُف کیجیو نہ مُنہ سے جو پہنچے لبوں پہ جاں
چرچا ہے یہ کہ وقت پہ کیا کام کر گئی
چھوٹی بہو علیؓ کی بڑا نام کر گئی

۱۳۲

شوہر نے یہ کلام کئے جب بچشم تر چُپ ہو گئی وہ صاحب ہمت جھکا کے سر
ہتیار سج کے حضرت عباس نامور آئے قریب تخت دل سید البشر
صدمے سے رنگ سبط نبیؐ زرد ہو گیا
کانپے یہ دست پاک بدن سرد ہو گیا

۱۳۳

جوں جوں قریب آتے تھے عباسؓ نامور بیتاب تھے حسین سنبھالے ہوئے جگر
کہتے تھے اضطراب میں جھک کر ادھر اُدھر جینے نہ دے گا آہ ہمیں صدمۂ کمر
ہے زیست تلخ فاطمہؓ کے نور عین کو
زینبؓ کہاں ہو آ کے سنبھالو حسینؓ کو

۱۳۴

سب گھر کی بیبیوں کو کہو میرے پاس آئیں بانو کہاں ہیں زوجۂ عباس کو بلائیں
گودی میں تشنہ کام سکینہ کو جلد لائیں کوچ اب جہاں سے ہے ہمیں سب آکے دیکھ جائیں
یہ نوجواں سنبھالے گا جس دم مروں گا میں
عباسؓ سے ہر اک کی سفارش کرونگا میں

یہ سُن کے ساری بیبیاں آئیں بحال زار بولے قدم پہ جُھک کے یہ عباسؓ نامدار
اے آفتاب عالمیاں نور کردگار ہل من مبارز کا ادھر غل ہے بار بار
ہیں ذرہ پروری کے چلن آفتاب میں
آقا یہ دیر کس لئے خادم کے باب میں

۸۳
لڑکوں نے معرکہ میں کئے اپنے اپنے نام | کیا میں غلام خاص نہیں یا شہِ انام
ایسا دن اور بھی کوئی ہوئے گا یا امام | کس کام کا جو آج نہ کام آئے گا غلام

مشکل ہے ایسے وقت میں رُکنا دلیر کا
آخر پسر ہوں شیر الٰہی سے شیر کا

۸۴
ہوتا جو سب سے پہلے فدا خادم اے جناب | خوش ہوتی خاکسار سے روحِ ابوتراب
اب ہوں ہر اک کے آگے خجالت سے آب آب | زہرا سے بھی حجاب ہے شبیرؑ سے بھی حجاب

اب بھی نہ تیغ و تیر اگر تن پہ کھاؤں گا
مولا بتائیے کسے پھر مُنہ دکھاؤں گا

۸۵
ساتھ آپ کے سہوں گا نہ گر قتل کی جفا | مجھ سے رسول پاک خوشی ہوں گے یا خفا
بیزار کیا نہ ہوگا دلِ شاہ قل کفا | پھر فاطمہ کہیں گی مجھے صاحب وفا

مرنے کا حظ نہ جینے کا مطلق مزا رہا
انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا

۸۶
پالا ہے مجھ کو یا شہِ دلگیر آپ نے | کی ہے ہمیشہ پیار سے تقریر آپ نے
بندھوائی ہے کمر سے یہ شمشیر آپ نے | بخشی ہے سب میں عزت و توقیر آپ نے

وقتِ مدد ہے آج بھی امداد کیجئے
بندہ سمجھ کے اب مجھے آزاد کیجئے

۸۷
گردن ہلا کے شہ نے کہا آہ کیا کروں | مشکل ہے سخت اے مرے اللہ کیا کروں
جینے نہ دے گا یہ غم جانکاہ کیا کروں | چھٹتا ہے اب برادرِ ذی جاہ کیا کروں

دم بھر کی زندگی مجھے دشوار ہوگئی
سب تو خفا تھے موت بھی بیزار ہوگئی

۹۱
غازی نے رکھ دیا قدمِ شاہِ دیں پر — بولے گلے لگا کے شہنشاہ بحر و بر
اے تن کی جان اے سببِ قوتِ جگر — یوں ہے خوشی تو خیر جہاں سے کرو سفر
بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹی خراب ہے
اچھا تمھارا کوچ مرا یا تراب ہے

۹۲
روتا ہوا جھکا پئے تسلیم وہ جری — سب روئے مشک دوش مبارک پہ جب دھری
اک آہ سرد زوجۂ عباسؑ نے بھری — صدمے سے رنگ زرد تھا اور تن میں تھرتھری
سر سے ردا ابھی دوش تلک آکے گر پڑی
بانوؑ کے پاس خاک پہ غش کھا کے گر پڑی

۹۳
نکلا وہ شیر نیمچے باہر علم لئے — حجرے کو آئی فتح سپاہِ حشم لئے
جرأت نے بڑھ کے بوسۂ تیغ دو دم لئے — نصرت نے چومے ہاتھ ظفر نے قدم لئے
خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
اقبال سر کے گرد ہما بن کے پھر گیا

۹۴
آیا سجا ہوا وہ براق سمند سیر — تھا خود وہ اڑنے کو تیار مثلِ طیر
ہوتا تھا اس کے ڈر سے غزالوں کا حال غیر — الحق سیاہ شیر اسے روکے تو یہ بخیر
صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کبھی
ڈھونڈے بشر پری نظر آتی نہیں کبھی

۹۵
وہ زیب و زیں فرس کی وہ زینت بھی وہ پھبن — زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دلھن
چشمِ سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن — سرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن
جادو تھا معجزہ تھا پری تھا طلسم تھا
یا گھر نہ تھی زرہ میں تہمتن کا جسم تھا

۹۶

رکھا قدم رکاب میں حیدر کے لال نے نعلین پا کو فخر سے چوما ہلال نے
بخشی جو صدر زیں کو ضیا خوش جمال نے دم کو چنور کیا فرسِ بے مثال نے
کس ناز سے وہ رشک غزالِ ختن چلا
طاؤس تھا کہ سیر کو سوئے چمن چلا

۹۷

خوشبو سے ارض پاک ریاضِ جناں بنی گرد اڑ کے غازہ رخ لیلی وشاں بنی
جلوے سے راہ دشت بلا کہکشاں بنی ذرے بنے نجوم زمیں آسماں بنی
سم بدر تھے تو نعل بھی چار د ہلال تھے
نقش سُمِ فرس سے ہزار دں ہلال تھے

۹۸

وہ دبدبہ وہ سطوتِ شاہانہ وہ سیاب تھرا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب
وہ رعب حق کہ شیر کا زہرہ ہو آب آب صولت میں فرد دفتر جرأت میں انتجاب
قدرت میں سارے طور خدا کے ولی کے ہیں
شوکت پکارتی ہے کہ بیٹے علی کے ہیں

۹۹

پہنچے جو دشت کیں میں اڑاتے ہوئے فرس گھوڑے کو ہاتھ اٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
دیکھیں صفیں جمی جو جب راہ پیش و پس نعرہ کیا کہ نہر پہ جانے کی ہے ہوس
روکے گا جو وہ موت کے پنجے میں آئے گا
ہٹ جاؤ سب کہ شیر ترائی میں جائے گا

۱۰۰

بولے یہ بڑھ کے فوج مخالف سے پہلواں دیکھا نہیں کبھی کہ ہٹے لشکرِ گراں
یاں سب ہیں روم و شام کے جنگ آزما جواں ہاں آئیے تو کھینچ کے تیغِ شرر فشاں
بودے نہیں ہیں کچھ جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
سر پھینک دیں گے نہر میں خنجر سے کاٹ کے

۳۰۱

سنتے ہی یہ جلال میں آیا علی کا لال — نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکو گے کیا مجال
یہ مورچے ہیں کیا ہمیں جن کا ہو کچھ خیال — اک دم میں چیونٹیوں کی طرح ہونگے پائمال
بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے
لو مرد ہو تو اب نہ سرکنا ترائی سے

۳۰۲

روکے ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو — لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو
گرمائے رخش کو جو حرارت کسی میں ہو — آئے جو حرب ضرب کی قدرت کسی میں ہو
دو ہاتھ میں علی کے پسر دار پار ہیں
دریا نہیں کہ رک گیا ہم ذوالفقار ہیں

۳۰۳

تم کیا پہاڑ بیچ میں گر ہو تو ٹال دیں — شیروں کو ہم ترائی سے باہر نکال دیں
مہلت نہ ایک کو دم جنگ و جدال دیں — پانی تو کیا ہے آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں
منہ دیکھتے ہیں جو ہیں نگہبان گھاٹ کے
لے جائیں گھر یہ تیغ سے دریا کو کاٹ کے

۳۰۴

سرکش ہیں سب جہاں کے زبردستیوں سے زیر — دادا شجاع باپ جوانمرد ہم دلیر
جب رن پڑا ہے کر دیے ہیں زخمیوں کے ڈھیر — لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر
عفریت بھاگتے ہیں وہ چوٹیں ہماری ہیں
بیر العلم میں کود کے تلواریں ماری ہیں

۳۰۵

جرأت جلو میں رہتی ہے نصرت رکاب میں — سر کاٹتے ہیں بیر کے تیغوں کی آب میں
لکھے ہوئے ہیں شیروں کے حملے کتاب میں — فصلیں ہیں اپنے زور کی خیبر کے باب میں
ناصر ہیں بارگاہ فلک بارگاہ کے
دفتر الٹ دیے ہیں عرب کے سپاہ کے

۱۰۶
بے مشک کے بھرے ہمیں آتا ہے چین کب — گرمی ہیں پیاس سے کئی بچے ہیں تشنہ لب
اصغر کو گودیوں میں تڑپتے کٹی ہے شب — کیا وقت ہے حسینؑ کے بچوں پہ ہے غضب
لائے پڑے ہوئے ہیں سکینہؑ کی جان کے
کانٹے مجھے دکھائے تھے سوکھی زبان کے

۱۰۷
عبرت کی یہ جگہ ہے کہ ہم اور نہر آب — سقے بنے ہیں دیکھ کے بچوں کا اضطراب
اس مشک نے کیا ہمیں عقبیٰ میں کامیاب — اللہ ری آبرو کہ بہشتی ملا خطاب
شہ سے نشان فوج پیمبرؐ بھی مل گیا
طوبیٰ کے ساتھ چشمۂ کوثر بھی مل گیا

۱۰۸
یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے — نیزے اٹھا کے شیر کے منہ پر شریر آئے
یہ بھی جھپٹ کے مثل شہ قلعہ گیر آئے — گیتی ہلی غضب میں جناب امیر آئے
گھوڑا اڑا پروں کو سواروں کو توڑ کے
لپکی صفوں پہ سیف بھی کاٹھی کو چھوڑ کے

۱۰۹
آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا — یہ صف اخیر تھی وہ رسالہ تمام تھا
بجلی سا ہر جگہ فرس تیز گام تھا — ششدر تھی موت چار طرف قتل عام تھا
اس غول پر کبھی تھی کبھی اس قطار پر
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پر

۱۱۰
وہ تیغ کی چمک وہ تڑپ راہوار کی — وہ برق کی اک شبیہ تھی اک ذوالفقار کی
شوکت سوار میں شہ دلدل سوار کی — حملوں میں شان سب اسد کردگار کی
چتون وہی غضب وہی بیباکیاں وہی
پھرتی وہی جھپٹ وہی چالاکیاں وہی

۱۱۱

توڑا یہ مورچہ یہ صف اُلٹی اُدھر پھری　　تلوار خوں میں آپ پسینے میں تر پھری
یوں خاک پہ گرا کے لعینوں کے سر پھری　　جیسے شکار کھیلے ہوئے شیر نر پھری
تھی قہر کی نگاہ غضب کا جلال تھا
آنکھیں بھی سُرخ سُرخ تھیں چہرہ بھی لال تھا

۱۱۲

منہ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رُخ کیا　　یاں سے وہاں گئے اُسے مارا اُسے لیا
باقی رہے ہزار میں سو دس میں اِک جیا　　اللہ رے دم لہو پہ لہو تیغ نے پیا
اس پر بھی تشنگی کو نہ تسکیں ذری ہوئی
گویا تھی آگ پیٹ میں اس کے بھری ہوئی

۱۱۳

بیشک تھا ان کا ہاتھ امیرِ عرب کا ہاتھ　　پہنچا وغا میں سو طرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
آئی اجل اُٹھا جو کسی بے ادب کا ہاتھ　　شیرِ خُدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ
بازو پہ آئی تیغ دو دم شانہ کاٹ کے
پہنچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے

۱۱۴

چلتا تھا مثل برق یمین و یسار ہاتھ　　ڈر ڈر کے جوڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ
اِن کی نہ ایک چوٹ نہ ان کے ہزار ہاتھ　　کاٹے تھے سب کو تیغ دو دستی کے چار ہاتھ
آواز شش جہت میں تکبیر و بزن کی تھی
اللہ کا کرم تھا مدد پنجتن کی تھی

۱۱۵

نعرہ جُدا صدائے تکبیر و بدہ جُدا　　گوشہ کماں سے دور تھے گوشوں سے وہ جُدا
بکتر جُدا زمین پہ ٹکڑے زرہ جُدا　　نیزوں کو دیکھئے تو گرہ سے گرہ جُدا
اللہ رے فرق گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتوں کا ذکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے

۱۱۶

جس کی طرف نظر دمِ جنگ و جدل پھری — کچھ مٹ کے تیغ سے اسی جانب اجل پھری
رہوار یوں پھرا کہ اشارے میں کل پھری — تلوار بھی گلوں کی طرف برمحل پھری
ایسے جری سے کس کو مجالِ مصاف تھی
یوں پھر کے صف کی صف کو جو دیکھا تو صاف تھی

۱۱۷

چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں — ڈر سے بڑھا نہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں
سر بچ گیا تو ہو گئے بیکار ہاتھ پاؤں — چمکی گری تو آٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں
چلائی روح تیغ پھر آئی نکل چلو
بولی اجل اب اُٹھ کے تو پنجوں کے بھل چلو

۱۱۸

نیزے ادھر قلم تو اُدھر برچھیاں قلم — ترکش دو نیم ٹکڑے کمانیں نشاں قلم
ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخواں قلم — منہ تیغ کا خراب سناں کی زباں قلم
جب سن سے سر پہ آئی کسی بدخصال کے
گویا سموم جل گئی پھولوں سے ڈھال کے

۱۱۹

کی جس نے سرکشی وہیں فتنہ فرو ہوا — ظالم ہزار میں تھا جو یکتا وہ دو ہوا
افشاں لہو سے تیر کا دستِ نکو ہوا — ٹھنڈا وہی تھا جنگ پر سرگرم جو ہوا
تھا خاتمہ سیاہ جہنم مقام کا
شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا

۱۲۰

وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصار — تھا اس کے ہاتھ سے دلِ چار آئینہ فگار
عاری تھیں منھ پہ تیغوں کے ایسے پڑے تھے وار — خود اپنے سر پٹکتے تھے گر گر کے بار بار
پانی وہ زہر تھا کہ پیا اور فنا ہوا
ہے آج تک زرہ کا کلیجہ چھنا ہوا

۱۲۱

مغفر نہ سر کے پاس نہ خنجر کمر کے پاس — بیٹے کے پاس باپ نہ بیٹا پدر کے پاس
قبضے کے پاس تیغ نہ دستہ تبر کے پاس — کڑیاں نہ زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس
نیزے نہ تھے سناں پہ نہ پرچم نشان پر
پیکاں نہ تیر پر تھے نہ چلّے کمان پر

۱۲۲

نہ وہ علم سیاہ نہ وہ روسیاہ تھے — تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی بے پناہ تھے
بے سر تھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے — سب چھاؤنی اجاڑ تھی محلے تباہ تھے
دکھلا دیا تھا خالق اکبر نے قہر کو
گویا غنیم لوٹتا پھرتا تھا شہر کو

۱۲۳

بولی سپر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہے — اس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہے
ہر جا یہ تیغ شعلہ فشاں سدّ راہ ہے — اس معرکہ میں کوہ بھی گر ہو تو کاہ ہے
جنّات ڈر کے ہاتھوں سے مُنہ ڈھانپتے ہیں آج
میں کیا ہوں جبرئیل کے پر کانپتے ہیں آج

۱۲۴

ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں سپاہِ لعیں ہٹی — یہ صف سوئے یسار وہ سوئے یمیں ہٹی
سہمے جبال نہر کہیں سے کہیں ہٹی — دہشت سے آسماں ہوا اونچا زمیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتیٔ گردوں پہ چڑھ گیا

۱۲۵

اللہ ری جنگ شیر سلیمان کربلا — چیونٹی بھی مورچوں میں نہ تھی آدمی تو کیا
پہنچے ترائی میں تو یہ اعدا کو دی صدا — کیوں اب یہ نہر کس کی ہے اے قوم اشقیا
اِک دم میں ہم شکست ہزاروں کو دیتے ہیں
دیکھو اسد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

بند ۱۲۶

رستے کھلے ہوئے ہیں کہاں ہے وہ بندوبست — کس نے یہ روم و شام کی فوجوں کو دی شکست
کیا ہوگئے ترائی سے وہ سب ہوا پرست — کیوں سربلند کون ہے اس وقت کون پست
فوجوں میں یوں کسی نے بھی گھوڑے اڑائے ہیں
دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑ کے آئے ہیں

بند ۱۲۷

دُنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے — فاقوں میں شیر بھی ہو مقابل تو مُنھ کی کھائے
کس دبدبہ سے جوہر تیغ علی دکھائے — اب کچھ الم نہیں اجل آئے کہ جان جائے
بس ہم نے گھاٹ چھین لیا مشک بھر چکے
شیروں نے جو زباں سے کہا تھا وہ کر چکے

بند ۱۲۸

لب تشنہ تین دن سے ہیں اور ہے فرات پاس — چاہیں ابھی تو ہاتھ بڑھا کر بجھائیں پیاس
پر زہر ہے بغیر شہ آسماں اساس — مرتے ہیں آبرو پہ جوانان حق شناس
آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے
بے اُن کے آب خضر بھی ہو دے تو خاک ہے

بند ۱۲۹

فرما کے یہ سمند کو ڈالا فرات میں — گویا خضر اُتر گئے آب حیات میں
دریا دل ایسا کون ہوا کائنات میں — تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک ہات میں
سیراب جب تلک کہ شہ بحر و بر نہ ہوں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں

بند ۱۳۰

گرمی سے تشنگی میں کلیجہ تھا آب آب — تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب
آجاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب — کہتا تھا مُنھ کو پھیر کے وہ آسماں جناب
عباس آبرو میں ابھی فرق آئے گا
پانی پیا تو نام وفا ڈوب جائے گا

۱۳۱

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیکنام
اُمڈی سیہ گھٹا کی طرح سب سپاہِ شام
یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسماں مقام
ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہِ تمام
موجیں تھیں رودِ نیل کی فوجوں کا دل نہ تھا
پر واہ رے حواس کہ ابرو پہ بل نہ تھا

۱۳۲

چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغ برق دم
کاندھے پہ مشک آب تھی پنجہ میں تھا علم
دامن سے لگ کے ہاتھ اُلجھتا تھا دمبدم
کرتا تھا جا بجا تگ و دَو اسپ خوش قدم
اُڑ اُڑ کے برچھیوں جو اُترتا تھا کھیت میں
گھوڑے کے چاروں پاؤں جو آتے تھے ریت میں

۱۳۳

جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا سن سے تیر
کہتے تھے یا حفیظ کبھی گاہ یا قدیر
چلّا رہا تھا شمر جفا پیشہ و شریر
جانے نہ پائے تخت دلِ شاہ قلعہ گیر
رُخ اس جری کا خیمہ کی جانب سے موڑ دو
ہاں برچھیوں سے شیر کے سینہ کو توڑ دو

۱۳۴

سن کر زباں درازئ شمرِ ستم شعار
عباسؑ مثل شیر جھپٹتے تھے بار بار
تلواریں سیکڑوں تھیں ہزاروں تھے نیزہ دار
توڑی اگر یہ صف تو جمی دوسری قطار
تنہا سنبھالے مشک و علم یا وغا کرے
بلوہ ہو ساری فوج کا جس پر وہ کیا کرے

۱۳۵

مشہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں دو بشر
درپے تھے اِک جواں کے لئے لاکھ اہلِ شر
کھائے اِدھر سے زخم جو کی اس طرف نظر
کس کس کا وار رد کریں دیکھیں کدھر کدھر
جب دم لیا تو سینہ پہ سو تیر چل گئے
پہلو کو توڑ توڑ کے نیزے نکل گئے

۱۳۶

سینہ سپر تھا مشک پہ رد کے ہوئے تھے ڈھال ۔ لڑنے میں بھی حسینؑ کے بچّوں کا تھا خیال

کہتا تھا ڈگمگا کے فرس پر وہ خوشخصال ۔ فرزند کو سنبھالئے یا شیر ذوالجلال

جا پہنچوں مشک لے کے جو تھوڑی سی راہ ہو

ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو

۱۳۷

یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ شریر ۔ بس چور ہو گیا پسرِ شاہ قلعہ گیر

آکر لگا میان دو ابرو جو ایک تیر ۔ تیورا گیا علی ولی کا مہ منیر

چھوٹی جو باگ پائوں فرس کے بھی رُک گئے

پھیلا کے ہاتھ مشک سکینہ پہ جھک گئے

۱۳۸

اب یاں تو خاتمہ ہے سنو اس طرف کا حال ۔ ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسولِ خدا کا لال

غم سے کمر جھکی ہوئی رخ زرد جی نڈھال ۔ یہ کرب ہے کہ ہوتا ہے جو وقت انتقال

گر کر اُٹھے تڑپ کے اِدھر سے اُدھر گئے

جب آہ کی تو سب نے یہ جانا کہ مر گئے

۱۳۹

فریاد کر کے دل کبھی تھاما جگر کبھی ۔ پکڑی طناب خیمے کی گہ اور کمر کبھی

گھبرا کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی ۔ روئے پسر کے دوش پہ رکھ رکھ کے سر کبھی

کی آہ سامنے کبھی زہرا کی جائی کے

رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

۱۴۰

فرماتے تھے کراہ کے اکبر سے بار بار ۔ شانے دباؤ اے علی اکبر پدر نثار

کیسا یہ درد ہے کہ جگر کو نہیں قرار ۔ بازو کا زور لے لئے عباس نامدار

واحسرتا کہ بیکس و بے یار ہو گئے

سرکس سے بائیں ہاتھ تو بیکار ہو گئے

۱۴۱

چلّاتے تھے کہ جانِ برادر بس اب پھر آؤ پہنچا ہے دم لبوں پہ ہمیں آ کے دیکھ جاؤ
بھیّا خدا کے واسطے اب برچھیاں نہ کھاؤ عباس ہم اخیر ہیں تشریف جلد لاؤ
پیاری تمہاری ننھے سے ہاتھوں کو ملتی ہے
تم کو ڈھونڈھنے کو سکینہ نکلتی ہے

۱۴۲

حضرت تو پیٹتے ہیں یہ کہہ کر بصد ملال خیمے میں غش ہے زوجۂ عباس خوشخصال
ڈیوڑھی میں اہلبیت ہیں سب کھولے سر کے بال پردے سے منہ نکالے ہیں اطفال خورد سال
لب اُن کے اودے اودے ہیں منہ گورے گورے ہیں
آنکھوں میں اشک ہاتھوں میں خالی کٹورے ہیں

۱۴۳

کہتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر اب پانی لے کے آتے ہیں عباس نامور
حضرت سے پوچھتی ہے سکینہ بچشم تر میرے چچا کب آئیں گے یا شاہ بحر و بر
کیا میں سفر کروں گی جہاں سے تب آئیں گے
بہلاتے ہیں حسینؑ کہ بی بی اب آئیں گے

۱۴۴

گھیرے ہیں لاکھ ان کو ستمگار ہائے ہائے مانگو دعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
وہ کہتی ہے میں پانی سے گذری نہ مشک آئے بے ہے بس اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے
رکھے خدا جہاں میں علیؑ کی نشانی کو
میں کیا کروں گی آگ لگے ایسے پانی کو

۱۴۵

یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے ادھر تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہ بحر و بر
چلّائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہلِ شر حضرت کہاں ہیں مر گئے عباسؑ نامور
کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں
وہ زخم کھائے شیر پڑا ہے ترائی میں

۱۴۶

افشاں ہیں سر کے خون کے چھینٹوں سے سب نشاں عباس کانپ جاتے تھے جھکتا تھا جب نشاں

نام آوروں نے آج مٹایا عجب نشاں کیوں اے حسینؑ کون اُٹھائے گا اب نشاں

لاش ان کی پائمال ہوئی زخم پھٹ گئے

جن میں علیؑ کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

۱۴۷

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار آقا تمام ہوتا ہے یہ عبد جاں نثار

تن سے نکل کے آنکھوں میں اٹکی ہے جان زار اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار

بابا کے ساتھ خلد سے تشریف لاتی ہیں

حضرت کی والدہ مرے لینے کو آتی ہیں

۱۴۸

شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان گھر لٹ گیا ہے خاک اُڑاتا ہوں بھائی جان

طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائی جان اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان

دستِ شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں

بھیا ہمیں تو اکبر مہ رو سنبھالے ہیں

۱۴۹

دیکھا جو ڈر سے بنتِ علی نے یہ شہ کا حال ڈیوڑھی سے نکلی چند قدم کھولے سر کے بال

چلائی کون قتل ہوا اے علی کے لال مڑ کر کہا حسینؑ نے عباس خوشخصال

دریا پہ فوجِ شام نے مارا دلیر کو

زینب اجل نے چھین لیا میرے شیر کو

۱۵۰

خورشید مشرقین زمانے سے اُٹھ گیا حیدرؑ کا نور عین زمانے سے اُٹھ گیا

وہ عاشقِ حسینؑ زمانے سے اُٹھ گیا زینبؑ ہمارا چین زمانے سے اُٹھ گیا

آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو

دریا پہ رونے جاتے ہیں خدمت گزار کو

۱۵۱
اکبر کو ہاتھ اُٹھا کے پکارے وہ سوگوار ۔ ہے ہے حسینؑ ہو گئے بے یار و غمگسار
ماتم جوان بھائی کا ہے تم پہ ہیں نثار ۔ اکبر خُدا کے واسطے بابا سے ہوشیار
گرنے لگیں تو حیدر صفدر کا نام لو
بیٹا پدر کے ہاتھوں کو مضبوط تھام لو

۱۵۲
اکبر پدر کو تھامے ہوئے نہر پر جو لائے ۔ غلطاں لہو میں بازوے سرور کے ہاتھ پائے
چلائے شاہ لاش کدھر ہے کوئی بتائے ۔ فرق آ گیا ہماری بصارت میں ہائے ہائے
رو لیں گلے لگا کے تنِ پاش پاش کو
اکبر ہمیں دکھا دو برادر کی لاش کو

۱۵۳
اکبر نے شہ کے ہاتھ کو پکڑا بصد بکا ۔ رکھے چچا کے سینے پہ اور رو کے یہ کہا
لیجے یہی ہے لاش علمدار باوفا ۔ چلائے جھک کے لاش پہ سلطان کربلا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے سنبھالو حسینؑ کو
بھیا ذرا گلے سے لگا لو حسینؑ کو

۱۵۴
عباس ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہے غضب ۔ ریتی پہ دو طرف یہ تمہارا لہو ہے سب
لوٹا ہمیں رسول کی اُمت نے بے سبب ۔ بھیا ہماری جان نکلتی ہے تن سے اب
مر جائیں گے جِلا دو ہمیں مُنھ سے بول کر
دو باتیں کر لو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر

۱۵۵
کیوں خاک پر دھرے ہو یہ رُخسارِ خونچکاں ۔ آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمہارا سر
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر ۔ ثابت ہوا کہ جلد ہے دُنیا سے اب سفر
ہے ہے دلیلِ مرگ ہے لکنت زبان کی
ہچکی نہیں یہ جسم سے رخصت ہے جان کی

۱۵۶

غش میں سنی جو گریۂ شبیرؑ کی صدا چونکے تڑپ کے حضرت عباسؑ باوفا
آہستہ کی یہ عرض کہ اے سبط مصطفیٰ اس پیار کے نثار اس الطاف کے فدا
زیبا ہے نکلے جان اگر پیشوائی کو
گویا رسولؐ آئے ہیں مشکلکشائی کو

۱۵۷

یہ کہہ کے روئے شہ کی طرف کی نظر بغور جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کہو کچھ اور
تڑپا قدم پہ شہ کے وہ مقتول ظلم و جور لیں ہچکیاں بگڑنے لگے تیوروں کے طور
پتھرا کے چشم اشک فشاں بند ہوگئی
تھرائے دونوں ہونٹھ زباں بند ہوگئی

۱۵۸

قدموں کو کھینچ کر جو کراہا وہ نیک نام گودی میں پاؤں لیکے دبانے لگے امام
آقا سے جانکنی میں نہ کچھ کر سکے کلام تھرائی لاش مر گئے عباسؑ تشنہ کام
گردن پھری ہوئی سوئے سبط نبی رہی
سوکھی زبان دانتوں کے نیچے دبی رہی

۱۵۹

ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہے تم میں شریک روح رسول انام ہے
اب رخصت حسین علیہ السلام ہے تاریخ آٹھویں ہے محرم تمام ہے
موت آئی تو شریک عزا کون ہوئے گا
جو سال بھر جئے گا وہ پھر شہ کو روئے گا

۱۶۰

آگے تمھارے مرنے جو عباسؑ باوفا پرسا نہ دیتے سبط رسول خدا ہو کیا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہ کربلا زہرا بھی ننگے سر ہیں قیامت کرو بپا
سمجھو شریک بزم شہ مشرقین کو
دے لو جوان بھائی کا پرسا حسینؑ کو

۱۲۱
لپٹو ضریحِ پاک سے کہہ کہہ کے یا امام | پیٹو سروں کو ہوتا ہے اب مرثیہ تمام
خاموش ہیں حسینؑ نہیں کرتے کچھ کلام | رخصت طلب ہے باپ سے اکبر سا لالہ فام
مقتولِ ظلم و جور ہے اب رن میں فاطمہؑ
ہوتا ہے پنجتن کا کوئی دم میں خاتمہ

۱۲۲
یہ غم ہے جانگزا نہ کبھی ہوئے گا بیاں | بس اے انیسؔ روک لے اب خامہ کی عناں
خالق سے عرض کر کہ اے خلاقِ انس و جاں | آنکھوں سے سامعین کے بھی اشک ہیں رواں
آنکھوں سے مس کروں میں مزارِ بتولؑ کو
دکھلا دے جلد مرقدِ سبطِ رسولؐ کو

مرثیہ (۵)

۱
پھاڑا جو گریباں شب آفت کی سحر نے
پردے میں چھپایا رُخ روشن کو قمر نے
پیمانۂ خورشید لگا نور سے بھرنے
گردوں سے سفر فوج کواکب لگے کرنے
تاباں جو رُخ نیّرِ افلاک ہوا تھا
ذرّوں سے زر افشاں ورقِ خاک ہوا تھا

۲
اظہار ہوئی خط شعاعی کی جو تنویر
روئے شبِ یلدا سے سیاہی ہوئی تغییر
خورشید نے کی سورۂ والشمس کی تفسیر
والفجر کی کرتا تھا تلاوت فلکِ پیر
پھیلا ہوا تھا نور سحر ارض و سما میں
مصروف تھی سب خلق خُدا یادِ خُدا میں

۳
خورشید کا وہ نور سحر کا وہ سپیدا
شرح جعل الشمس ضیاءً تھی ہویدا
اشجار پہ تھے زمزمۂ بلبلِ شیدا
سُرخی وہ شفق کی افقِ چرخ سے پیدا
لرزہ جو تنِ خسروِ خاور میں مگر تھا
سو مہر امامت پہ زوال آنے کا ڈر تھا

۴
چمکا صفتِ شعلہ جو وہ مہرِ جہاں تاب
شبنم کی طرح سیم کواکب ہوئے بے آب
مائل بہ سپیدی ہوا رنگِ رُخِ مہتاب
اور دیدۂ مردم سے سفر کرنے لگا خواب
طاقت نہ رہی شمع میں سوزِ جگری کی
پروانے سے رخصت تھی چراغِ سحری کی

وہ سرد ہوا صبح کی وہ نور کا عالم   اور زمزمے مرغان خوش الحان کے وہ باہم
وہ سبزۂ صحرا پہ پڑے گوہر شبنم   اور صبح کی نوبت کی صدا آئی وہ ہر دم
نالے کی جو تنہا میں صدا تھی تو بجا تھی
وہ نوبتِ قتلِ پسرِ شیرِ خُدا تھی

ہر شے سے عیاں تھا غمِ سبطِ شہِ لولاک   سر زانوے غم پر تھے جھکاتے ہوئے افلاک
اللہ رے ماتم کہ اُڑاتی تھی زمیں خاک   دریا کا بھی موجوں سے سراسر تھا جگر چاک
آوارہ پرندے تھے مکاں خالی پڑے تھے
چوپائے چراگاہ سے مُنہ پھیرے کھڑے تھے

پہنچی جو گلستاں میں صبا خاک اُڑاتی   غنچوں کے دھڑکنے لگے دل شق ہوئی چھاتی
تھی بلبلِ خوش نغمہ گلوں کو بھی سُناتی   گلزار محمد پہ خزاں آج ہے آتی
باغی تبر و خنجر و کیں لے کے چلے ہیں
کٹ جائیں گے وہ نخل جو پھولے نہ پھلے ہیں

عالم میں تو آغاز ہوئی صبح غم انجام   ہونے لگی میداں میں صف آرا سپہ شام
آراستہ کرتا تھا ہر اِک خود سر و خودکام   گرز و تبر و تیر و سناں خنجر و صمصام
تھے لاف زناں باندھے ہوئے تیغ و سپر کو
قتل شہ مظلوم پہ کستے تھے کمر کو

پیاسے تھے جو سادات کے خوں کے ستم آرا   روکا تھا دمِ صبح سے دریا کا کنارا
تھا نہر تلک بیک نظر کا نہ گذارا   اور گونجتا تھا گھوڑوں سے میدان وہ سارا
لکھا تھا کہ کثرت ہوئی ہے اہل جفا کی
جو چھپ گئے نظروں سے زمیں دشت بلا کی

۱۰

آگے بڑھے آتے تھے سواروں کے رسالے چمکاتے ہوئے تیغ ہلاتے ہوئے بھالے
آمادۂ جنگ ایک طرف برچھیوں والے اک سو تند، انداز کمانوں کو سنبھالے
تھے آگے پرے فوج کے ثابت قدموں کے
لہراتے تھے جوں موج پھریرے علموں کے

۱۱

کہتا تھا کوئی دشمنِ دیں لاف زنی سے اکبر کا جگر چھیدوں گا برچھی کی انی سے
لڑنا ہے مجھے آج امامِ مدنی سے پیاسے نہیں بچنے کے مری صف شکنی سے
برباد کروں گا اسداللہ کے گھر کو
تلوار سے کاٹوں گا محمدؐ کے جگر کو

۱۲

کہتا تھا کماں قبضے میں لے کر کوئی بے پیر یہ جبۂ پر تیر ہے اور سینۂ شبیرؑ
کہتا تھا کوئی تیز زباں تول کے شمشیر ہے تیغ مری تشنۂ خونِ شہِ دلگیر
فرزند نبیؐ آج مرا وار سہے گا
بن بن کے لہو فاطمہ کا دودھ بہے گا

۱۳

تھے جمع ادھر بھی درِ مولیٰ پہ موالی ہاتھوں پہ نشاں سجدے کے چہرے پہ بحالی
دل صبر سے معمور، شکم سینے سے خالی کیا حلم تھا کیا زہد تھا کیا ہمت عالی
ہوتے تھے فدا نام پہ فرزند نبیؐ کے
وہ عاشق صادق تھے حسینؑ ابن علیؑ کے

۱۴

باندھے ہوئے عمامے سروں پر وہ خوش اطوار تھے شاہ کے قدموں پہ فدا ہونے کو تیار
نورانی عباؤں کے تلے جنگ کے ہتھیار رخ غیرتِ خورشید جبیں مطلعِ انوار
فولاد کے سینے تھے تو شیروں کے جگر تھے
خود تیغ تھے اور سبط پیمبرؐ کے پسر تھے

۱۵۵
وہ عابد و زاہد تھے وہ تھے عارفِ کامل — مُنھ قبلۂ ایماں کی طرف سوئے خُدا دل
تسبیح زباں ساری امامت کے فضائل — قرآں بھی تیغیں بھی گلوں میں تھیں حمائل
حق ان کا طرفدار تھا وہ جانبِ حق تھے
سب مصحفِ ناطق کے صحیفے کے ورق تھے

۱۶۵
قلب اُن کے تھے آئینۂ ایماں کی طرح پاک — دل نور کے تن نور کے اور نور کی پوشاک
خوش باطن آگاہ دل و صاحبِ ادراک — خاکِ پسرِ فاطمہؑ میں ان کی ملی خاک
روشن ہے کہ فرزندِ نبیؐ نورِ خُدا ہے
یہ خاک انھیں غازیوں کی خاک شفا ہے

۱۷۵
قانع تھے مجاہد تھے شجاعِ ازلی تھے — ہشیار تھے اور مستِ مےِ حبِ علیؑ تھے
پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی تھے — حقا کہ ولی تھے وہ ولی تھے وہ ولی تھے
پیدا نہ کئے مالکِ تقدیر نے ویسے
دیکھے نہ جواں پھر فلکِ پیر نے ویسے

۱۸۵
جس جا پہ گرے سبطِ پیمبر کا پسینہ — خوں اپنا گرادیں یہ وہاں گر ہو قرینہ
تیغ آئے جو سر پر تو سپر کردیں یہ سینہ — آتش میں گریں حکم جو دیں شاہِ مدینہ
تنہا شہِ مظلوم کا مدفن نہیں چھوڑا
مر کر بھی تو شبیرؑ کا دامن نہیں چھوڑا

۱۹۵
ایسے نہ محمدؐ کو ملے یارِ موافق — واں ایک موافق تھا تو تھے بیس منافق
یکتا یہ شجاعت میں وفاداری میں صادق — ایسے کسی معشوق نے پائے نہیں عاشق
تھے زہد میں سلمان اباذر کے برابر
اور زور میں تھے مالکِ اشتر کے برابر

۲۰
کہتا تھا کوئی سبط پیمبرؐ کے تصدق عباسؑ کے صدقے علی اکبرؑ کے تصدق
سو جان سے ہیں لختِ دلِ شبرؑ کے تصدق بے شیر ہے دو روز سے اصغرؑ کے تصدق
صابر انھیں کہتے ہیں یہ خاصانِ خدا ہیں
معصومؑ کے معصوم بھی راضی بہ رضا ہیں

۲۱
کہتا تھا کوئی وقت پھر ایسا نہ ملے گا یہ فوج یہ میداں یہ دریا نہ ملے گا
ڈھونڈھو گے جو دُنیا میں تو کیا کیا نہ ملے گا پر فاطمہؑ کے لال سا آقا نہ ملے گا
کیا غم ہے اگر پانی سے ناکام رہیں گے
گر آج مَرے حشر تلک نام رہیں گے

۲۲
کہتا تھا کوئی دیکھو ذرا آنکھ اُٹھا کر وہ گلشن جنت ہے وہ ہے چشمۂ کوثر
وہ حوریں ہیں ہاتھوں میں لئے پانی کے ساغر وہ ہیں حسنِ سبز قبا اور وہ پیمبرؐ
زہراؑ ہیں یہ سر کھولے جو کوثر کے درے ہیں
حیدرؑ ہیں وہ جو ہاتھ کلیجے پہ دھرے ہیں

۲۳
یوسفؑ سے حسینان شہِ تشنہ حسینؑ ہیں دریائے شرافت کے وہ سب درِ ثمیں ہیں
پروردۂ آغوش شہِ عرش نشیں ہیں سردار ہیں ابرار ہیں اور صاحبِ دیں ہیں
دکھلائے دمِ حرب ہنر شیرِ خدا نے
جوہر تھے ہر اک وار میں شمشیرِ خدا نے

۲۴
ہمشکلِ محمدؐ سا جواں حسن میں نایاب خورشید کو آنکھ اس سے ملانے کی کہاں تاب
زیور کی طرح تن پہ سجے جنگ کے اسباب رخسارۂ انور پہ تصدق گُلِ شاداب
گوندھے ہوئے گیسو رُخِ زیبا پہ پڑے تھے
محبوبِ خُدا جنگ پہ آمادہ کھڑے تھے

۲۵

خورشید سے چہرے پہ جو بل کھاتے تھے گیسو بجلی سی چمک جاتی تھی میدان میں ہر سو
آئینہ کو نظارے کا اس رُخ پہ کیا رو چشمِ شہِ خاور میں بھرے آتے ہیں آنسو
عارض کبھی ہونے نہیں اس حسن و صفا کے
کیا ایک سے دو آئینہ ہیں نورِ خدا کے

۲۶

یکتائے جہاں حضرت عباس سا صفدر تھی جس کی سراپا سے عیاں شوکتِ حیدر
شمشیرِ وغا شیرِ خدا غازیِ جعفر سقائے حرم زیبِ علم رستمِ لشکر
یوں پاس تھے ہمشکلِ رسولِ عربی کے
جس طرح علیؑ ہوتے تھے ہمراہ نبیؐ کے

۲۷

شانے پہ عجب شان سے لشکر کا نشاں تھا جیسا تھا علم ویسا ہی ذی رتبہ جواں تھا
پنجے سے نشاں آیتِ رحمت کا عیاں تھا اس پہ شجرِ طور کا ہر اک کو گماں تھا
پُر نور تھا پنجہ کفِ موسیٰ سے ضیا میں
تھی نکہت فردوس پھریرے کی ہوا میں

۲۸

ہتھیار سجے سید معصوم کا جانی وہ آمدِ ایامِ شباب اور وہ جوانی
سہرہ رُخِ پُرنور پہ شادی کی نشانی دولھا تھے پہ دو روز سے پایا تھا نہ پانی
یہ مرگ جوانی کا دولھن کا نہ الم تھا
پر تشنگیِ سید مظلوم کا غم تھا

کیا دبدبۂ عون و محمد کروں تحریر چھوٹی سی تو عمریں پہ بڑے صاحبِ توقیر
کاندھے پہ دھرے تیغے کرتے تھے یہ تقریر پہلے ہمیں ہو دیں گے نثارِ شہِ شبیرؑ
روکے ہمیں کیا لشکرِ بے پیر کی طاقت
دکھلائیں گے ہم فاطمہؑ کے شیر کی طاقت

۱۳۰

تھی مسلم بیکس کی یتیمی کی عجب شان   منھ چاند سے شکلِ مہِ نو چاک گریبان
فرماتے تھے جبتک کہ یہ کوئی نہ ہوں بے جاں   پھوٹیں گے دلوں کے نہ پھپھولے کسی عنوان
سر لاکھ میں شمشیر سے کاٹیں گے عمر کا
لینا ہے ہمیں آج عوض خون پدر کا

۱۳۱

ڈیوڑھی پہ عزیز و رفقا میں تھی یہ تقریر   تھے خیمہ میں مصروفِ عبادت شہِ دلگیر
آنکھوں کے تلے پھر رہی تھی موت کی تصویر   تسبیح زباں پر تھی کبھی اور کبھی تکبیر
روتے تھے حرم شکر خدا کرتے تھے حضرت
ہر سجدے میں اُمت کی دعا کرتے تھے حضرت

۱۳۲

نقارۂ رزمی لگے کفار بجانے   یاں سجدۂ آخر کیا شاہ شہدا نے
حضرت کی بہن کے نہ رہے ہوش ٹھکانے   بانو لگی گھبرا کے سکینہ کو جگانے
سیدانیوں کے غم سے عجب شکل بنی تھی
واں طبل وغا بجتا تھا یاں سینہ زنی تھی

۱۳۳

عباس نے کی عرض یہ با دیدۂ غمناک   میداں میں صفیں باندھ چکا لشکرِ سفاک
بس اُٹھے یہ سُنتے ہی مصلے سے شہِ پاک   زینب سے کہا لاؤ بہن آخری پوشاک
کچھ اور نہیں رخت کہن لاکے پنھادو
مظلوم برادر کو کفن لاکے پنھادو

۱۳۴

زینب نے کہا ہائے یہ کیا کہتے ہو بھائی   غربت میں لٹا دوگے مری ماں کی کمائی
دامن میں نہ چھوڑوں گی محمد کی دُہائی   مجھ سے نہ سہا جائے گا اندوہِ جُدائی
بھینا کو تہِ خاک چھپا لوگے تو جانا
خیمہ میں مری قبر بنا لوگے تو جانا

۳۵
ہوں اہلِ وطن سے تمھیں لازم ہے مرا پاس بھینا کی اسیری کی بھی کیا کچھ نہیں وسواس
صدقے گئی پردیس میں توڑو نہ مری آس پھر کس کی رکھوں آس ہوئی آپ سے جب یاس
نانا نہیں بابا نہیں مادر بھی نہیں ہے
میرا تو کوئی اور برادر بھی نہیں ہے

۳۶
نانا کے لئے رو چکی ہیں اے شہِ عالم اماں کے لئے میں نے بچھائی صفِ ماتم
بابا کے جنازے پہ میں پیٹی بصدِ غم شبّر کی شہادت بھی مرے حق میں ہوئی سم
اب سارے بزرگوں میں فقط آپ کا دم ہے
حضرت نے بھی چھوڑا جو بہن کو تو ستم ہے

۳۷
جس خواہرِ دلخستہ کا ہو ایک ہی بھائی کس طرح گوارا ہو بھلا اس کی جدائی
کیوں آپ نے ڈیوڑھی پہ سواری ہے منگائی میں لٹنے نہیں دینے کی زہراء کی کمائی
سر دینے کو لشکر میں نہ کفّار کے جاؤ
جاتے ہو جو مرنے تو مجھے مار کے جاؤ

۳۸
حضرت نے کہا رو کے بہن میں ترے قرباں جز صبر کوئی بات مناسب نہیں اس آن
اماں کے غم و درد مصیبت کا کرو دھیان تقدیر کا لکھا نہ مٹے گا کسی عنوان
آگے ترے خنجر مری گردن پہ چلے گا
تاخیر نہ ہووے گی نہ وہ وقت ملے گا

۳۹
یہ سچ کہ مرا داغ نہیں تم کو گوارا اور مجھ سے زیادہ تمھیں کوئی نہیں پیارا
عاجز ہیں نہیں مرضیِ تقدیر سے چارا اس میں بھی بہن بس ہے ہمارا نہ تمھارا
بن بھائی کی ہو تو یہی مرضیِ خدا ہے
زینبؑ تری قسمت میں مرا داغ لکھا ہے

۴۰
بھینا یہ ہے منظور خدائے دوجہاں آج   نیزے پہ مرے سر کو ملے رتبۂ معراج
تن خاک پہ ہووے کفن و گور کو محتاج   سجاد حزیں قید ہو گھر ہو مرا تاراج
بلوے میں ترے سر کو میسر نہ ردا ہو
تب مغفرتِ اُمتِ محبوبِ خُدا ہو

۴۱
جس وقت مرے خون کا محضر ہوا تیار   اور بخششِ اُمت کا خُدا نے کیا اقرار
اس نامے میں تھا درج یہ مضمون دل افگار   ناموس نبی ہوویں گے آفت میں گرفتار
محبوس ستم عابدِ مغموم بھی ہوگا
عُریاں سرِ زینبؑ و کلثومؑ بھی ہوگا

۴۲
تقریر شہِ تشنہ سے زینبؑ ہوئی ناچار   روتی گئی اور لائی لباسِ شہِ ابرار
پوشاک پہن شہ نے سجے جنگ کے ہتھیار   سر کھولے ہوئے گرد تھے سب غیرتِ گلزار
پکڑے ہوئے دامن کو سکینہؑ تو کھڑی تھی
بانو قدمِ شاہ پہ بے ہوش پڑی تھی

۴۳
حضرت نے کہا قدموں سے سر اس کا اُٹھا کر   بس صبر کر اب صبر کر اے بانوئے مضطر
دُنیا میں کوئی دم کا ہے مہماں علی اکبر   اب اپنے مسافر کو ذرا دیکھ لے دم بھر
اب خاک میں بانو ترا اقبال ملے گا
چھانے گی جو دُنیا تو نہ یہ لال ملے گا

۴۴
تب بانوؑ نے بیٹوں کے پکڑ ہاتھ بصد یاس   حضرت سے کہا دولتِ دنیا تو نہیں پاس
دولت یہی ہے اور یہی اُمید یہی آس   صدقے انھیں کرنے میں ہمیں کچھ نہیں وسواس
میداں میں یہ حضرت کی بلا لیکے مریں گے
ہم نذر انھیں کرتے ہیں یہ سر نذر کریں گے

۴۵
ان سب سے کہا شاہ نے باخاطرِ ناشاد — میرے لئے ضائع نہ کرو دولتِ اولاد
کی بیبیوں نے عرض بصد نالہ و فریاد — زہراؑ کی تو بستی لٹے اور ہم رہیں آباد
یہ امر کسی طرح گوارا نہ کریں گے
ان پیاروں کو ہم آپ سے پیارا نہ کریں گے

۴۶
تب شہ نے بہن سے کہا اے خواہرِ غمخوار — یہ سب ہیں مرے ساتھ فدا ہونے کو تیار
ہر چند تحمل تو مجھے کچھ نہیں درکار — پر چاہیئے اس فوج کا ہو کوئی علمدار
منظور مجھے ہے کہ اکیلا ہی مروں میں
اب جس کو کہو اُس کو علمدار کروں میں

۴۷
زینب نے کہا آپ امامِ دو جہاں ہیں — ہر شخص کے مختار ہیں اور مرتبہ داں ہیں
جو جس کے مراتب ہیں وہ حضرت پہ عیاں ہیں — ان میں تو کوئی غیر نہیں سب دل و جاں ہیں
بابا کے مرقع کے ورق سب جزو و کل ہیں
اک نخل کے میوے ہیں اور اک باغ کے گل ہیں

۴۸
منگوایا علم سُن کے یہ شاہِ شہدا نے — صف بستہ برابر ہوئے سب شہ کے یگانے
جس طرح کہ ہوں رشتۂ تسبیح کے دانے — اک ایک لگا شاہ کو شان اپنی دکھانے
اُمید علم داری میں سب چھوٹے بڑے تھے
عباس بھی نہوڑائے ہوئے سر کو کھڑے تھے

۴۹
عباسؑ کو حضرت نے کیا پیار بُلا کر — اور کاندھے پہ رکھا علمِ شافعِ محشر
فرمایا مبارک ہو تمھیں منصبِ جعفر — اس غازی نے نہوڑا دیا سر شہ کے قدم پر
کی عرض کہ خادم پہ یہ انصاف و کرم ہے
مولا کی غلامی کا شرف کیا مجھے کم ہے

۵۰

اُس وقت ہوئی عون محمدؐ کو عجب یاس — آنکھوں میں بھرے اشک گئے والدہ کے پاس
کی عرض علمدار ہوئے حضرتِ عباسؑ — کوتاہی قسمت نے ہمیں کر دیا بے آس

لختِ جگرِ جعفرِ طیارؑ تو ہم تھے
اس منصبِ والا کے سزاوار تو ہم تھے

۵۱

لے جا کے الگ بیٹوں کو تب زینب ناچار — کہنے لگی یہ بات مناسب نہیں زنہار
آقا کی اطاعت تمھیں لازم ہے کہ تکرار — واری ہیں امامِ دو جہاں مالک و مختار

احکامِ الٰہی میں کسے دخل کی جا ہے
شبیرؑ وہ کرتے ہیں جو مرضیِ خُدا ہے

۵۲

نرغے میں ہے افواجِ ستم کے مِرا بھائی — دو روز سے ایک بوند نہیں پانی کی پائی
پائی نہ علمداری تو غیرت تمھیں آئی — تم پر تو مِرے بھائی نے دولت ہے لُٹائی

ماں لُٹتی ہے اس بات کا غم چاہیئے تم کو
ماموں کی مصیبت کا الم چاہیئے تم کو

۵۳

بس چُپ رہو اس بات سے کوئی نہیں آگاہ — منصب کے ہو طالب مجھے معلوم ہوا آہ
دیکھو کہے رکھتی ہوں جو آزردہ ہوئے شاہ — تو دودھ نہ بخشوں گی نہ بخشوں گی میں واللہ

جب دوں گی دُعا میں مجھے جب شاد کرو گے
خوش ہوں گی جو ماموں کی رفاقت میں مرو گے

۵۴

فرزندوں کو سمجھاتی تھی یہ زینبِ مضطر — جب گر پڑے مسلم کے پسر آ کے قدم پر
رو کر کہا اے سیّدِ کونین کی خواہر — مظلوم ہیں ہم باپ ہمارے نہیں سر پر

خواہش ہے کہ پہلے قدمِ شاہ پہ سر دیں
کہہ دیجئے کہ لشکر کا ہراول ہمیں کر دیں

۵۵

بے باپ کا حال آپ کو معلوم مفصّل — وہ لشکر اسلام میں ہیں کشتۂ اوّل

ہم تو یہ نہیں کہتے کہ اوروں سے ہیں افضل — ذی حق ہیں کہ ہوں فوج حسینی کے ہراول

اس عہدے کی اُمید میں بیتاب ہیں کب سے

کر سکتے نہیں عرض مگر پاس ادب سے

۵۶

زینب انھیں لے آئی حضورِ شہِ ذی جاہ — شہ سے کہا کچھ عرض ہے ان دونوں کی یاشاہ

حضرت نے کہا ان کے میں مطلب سے ہوں آگاہ — یہ عہدہ تو اک شخص کو ہے دے چکا اللہ

کھل جائے گا تم پر بھی ابھی گرچہ نہاں ہے

لشکر کا ہراول مرے اک اور جواں ہے

۵۷

بیٹوں سے بھی پیارے ہیں مجھے دونوں یہ دلبر — باپ ان کا رفاقت میں مرے ہوگیا بے سر

عہدہ یہ انھیں کے لئے کرنا ہے مقرر — پر مرضیِ معبود میں کیا دخل ہے خواہر

ہاں ایک طرح کشتۂ اوّل یہی ہوں گے

سب میرے عزیزوں کے ہراول یہی ہوں گے

۵۸

تب زینب بیکس نے کہا اے شہ ذی جاہ — تم نام سے اُس شخص کے مجکو کرو آگاہ

یہ مرتبہ جس کا ہے یہ توقیر ہے یہ جاہ — لشکر کا کہے اپنے ہراول جسے اللہ

شہ بولے ابھی دور ہے پردے سے قریں ہے

بے دینوں میں ہے وہ یہ ابھی صاحب دیں ہے

۵۹

مہمان مرا ہوگا اِسی فوج سے آ کر — اور کھائے گا دعوت کے عوض نیزۂ خنجر

فردوس سے لینے کو انھیں آئیں گے حیدر — اور روئے گی اس کے لئے زہرا مری مادر

دے تو بھی دُعائیں کہ وہ دیندار ہے زینب

وہ تیرے برادر کا مددگار ہے زینب

۶۰
یہ کہہ کے چلے سرورِ دیں پڑ گیا ماتم　　دروازے تلک روتی گئیں بیبیاں باہم
خیمے سے برآمد ہوئے شاہنشہ دوعالم　　خم ہوگئے مجرے کو رفیقانِ معظم
گردانا جو دامانِ قبا سرورِ دیں نے
گھوڑے کی رکاب آن کے لی روح امیں نے

۶۱
اسوار ہوئے جبکہ شہنشاہ حجازی　　رانوں تلے جوں برق تڑپنے لگا تازی
کس شان سے مرنے کو جلو میں چلے غازی　　آگے تو امامِ دوجہاں پیچھے نمازی
اللہ رے اقبال و حشم فوجِ خدا کا
غل عرش پہ تھا صل علیٰ صل علیٰ کا

۶۲
اس شان سے میدان میں جو پہنچے شہِ ابرار　　مصروفِ صف آرائی ہوا شہ کا علمدار
ہرچند بہت کم تھے شہِ دیں کے مددگار　　پر شہرۂ آفاق ہر اک بیدل و اسوار
طینت میں وفا رُخ پہ شجاعت کے اثر تھے
گنتی میں بہتّر تھے مگر لاکھ پہ در تھے

۶۳
فوجِ پسرِ اسعد سے ناگاہ چلے تیر　　اسلام کے لشکر میں ہوا نعرۂ تکبیر
یہ دیکھ کے رنگِ رُخِ حُر ہوگیا تغییر　　دل سے کہا بتلا کہ میں اب کیا کروں تدبیر
بے جرم و خطا ابنِ شہنشاہ نجف ہے
واللہ کہ حق سبطِ پیمبر کی طرف ہے

۶۴
کھینچوں گا اگر فاطمہ کے لال پہ تلوار　　صورت سے مری شیرِ خدا ہوویں گے بیزار
سر پیٹ کے روئے گی جو زہرا جگر افگار　　نفریں کریں گے مجھے تب احمدِ مختار
بیکس ہے مسافر ہے گرفتارِ بلا ہے
سیّد کے ستانے میں بھلا فائدہ کیا ہے

۶۵
دو دن سے نبی زادوں نے پانی نہیں پایا   تقصیر ہے میری کہ میں ہی گھیر کے لایا
محسن ہے مرا واہ اسد اللہ کا جایا   کس پیاس میں لشکر کو مرے پانی پلایا
احساں کا عوض یہ ہے کہ احسان کریں گے
اک سر ہے تو شبیرؑ پہ قربان کریں گے

۶۶
دل نے کہا حقا کہ تری راست ہے تصویر   کچھ فاطمہؑ کے لال کی اصلا نہیں تقصیر
اے حُر تو اگر آج ہوا فدیۂ شبیرؑ   دُنیا میں بھی توقیر ہے عقبیٰ میں بھی توقیر
تاخیر نہ کر اب عملِ خیر میں تو چل
جنّت کا وہ رستہ ہے جہنّم سے نکل چل

۶۷
غازی کو خوش آئی دلِ آگاہ کی گفتار   نعرہ کیا مردانہ کہ یا حیدرِ کرّار
مہمیز کیا اسپ فلک سیر کو اِک بار   نکلا صفتِ برق صفیں چیر کے رہوار
ہاتف کی صدا آئی کہ فردوس قریں ہے
دو لاکھ میں یہ ایک جواں صاحبِ دیں ہے

۶۸
پہنچا حُرِ دیندار جو مابین دو لشکر   گھوڑے سے پیادہ ہوا اس دم یہ دلاور
بیٹوں سے کہا باندھے مرے ہاتھوں کو کس کر   مجرم ہوں میں اے عقدہ کشا سبطِ پیمبر
روکا انھیں ہاتھوں سے یہ میری ہی خطا ہے
ان ہاتھوں کو تلواروں سے کاٹوں تو بجا ہے

۶۹
اللہ رے لطفِ کرمِ سیّدِ والا   مہماں کو جوں ہی آتے ہوئے دور سے دیکھا
عباس سے فرمانے لگے دلبرِ زہرا   اے بھائی ہے مہمان مرا دھوپ میں آتا
عزّت سے یہاں حُرِ وفادار کو لاؤ
سائے میں علم کے مرے غمخوار کو لاؤ

۷۰
یہ سُن کے بڑھے حضرت عباس علمدار　　خود بھی چلے لینے اُسے پیدل شہِ ابرار
اکبر نے کہا آپ چلیں گھوڑے پہ اسوار　　فرمایا کہ پیارے یہ مناسب نہیں زنہار
زہرا مری مادر ہے بہادر کے جلو میں
پیدل چلے آتے ہیں علی حُر کے جلو میں

۷۱
اتنے میں قریب آ کے پکارا وہ وفادار　　صدقے ترے الطاف کے اے سیدِ ابرار
حاضر ہے یہ گمراہ یہ حاضر ہے سیہ کار　　تقصیر مری بخش دے اے کل کے مددگار
تو فیض کا دریا ہے سخی ابن سخی ہے
میں نے ترے دامن میں پناہ آن کے لی ہے

۷۲
نادم ہوں میں تقصیر ہوئی اے شہِ ذیجاہ　　للہ مرے جرم کو اب بخشیے للہ
برگشتگی بخت نے تھا کر دیا گمراہ　　لاعلم تھا مولا مجھے کچھ علم نہ تھا آہ
کیا جانتا تھا آپ مصیبت میں پڑیں گے
یہ لوگ محمدؐ کے نواسے سے لڑیں گے

۷۳
میں لائق تعزیر ہوں جو چاہے سزا دو　　حاضر ہے یہ سر مجکو تہِ تیغ بٹھا دو
راضی ہوں میں آقا مجھے آتش میں جلا دو　　مولیٰ مگر آفت سے جہنم کی بچا دو
بخشش کا مرے اب کوئی اسباب نہیں ہے
دوزخ میں تو جلنے کی مجھے تاب نہیں ہے

۷۴
حُر نے جو بصد عجز یہ تقریر سُنائی　　شہ کہتے ہوئے دوڑے یہ کیا کہتے ہو بھائی
ہاتھ اس کے جو کھولے تو ندا چرخ سے آئی　　یہ بندہ نوازی ہے یہ ہے عقدہ کشائی
کیا اہلِ مروّت پسرِ شاہِ نجف ہے
ایسے کی غلامی تو دو عالم کا شرف ہے

۴۵
جب ہاتھ کھلے رکھ دیا سر حُر نے قدم پر کی عرض مجھے سمجھو غلام اے شہِ صفدر
فرمایا اسے شاہ نے چھاتی سے لگا کر پیارا ہے مجھے تو علی اکبرؑ کے برابر
ماں میری ترے واسطے مصروفِ دُعا ہے
بیگانہ تھا پر اب تو یگانوں سے سوا ہے

۴۶
حُر نے کہا صدقے یہ غلام اے شہِ ذیجاہ حق سے مری بخشش کی دُعا کیجئے للہ
معبود سے رو رو کے دُعا کرنے لگے شاہ اس وقت صدا آئی کہ اے فاطمہ کے ماہ
ناجی ہے وہ فرزند نبی نے جسے بخشا
تو نے جو اسے بخشا تو ہم نے اسے بخشا

۴۷
سب خلق کا اپنے تجھے ہم نے کیا مختار ہے تیرے محبّوں کے لئے خُلد کا گلزار
وہ دوست ہمارا ہے جو تیرا ہے مددگار ہاں اِک ترے دُشمن کو نہ ہم بخشیں گے زنہار
زندہ ہے جو حُر تیری محبت میں مرے گا
بخشیں گے اُسے جس کی شفاعت یہ کرے گا

۴۸
اس مژدۂ جاں بخش سے جب حُر ہوا آگاہ چومے کئی بار بازی قدمِ ابن یداللہ
اور جوڑ کے ہاتھوں کو یہ کی عرض کہ یا شاہ اب اذن وغا دیجے تو جاؤں سوئے جنگاہ
اس راہ سے دُنیا سے گذرنے کی ہوس ہے
جینے کی ہوس کچھ نہیں مرنے کی ہوس ہے

۴۹
شہ نے کہا یہ جلد ہے منظور ہے جُدائی جی بھر کے ابھی تو تجھے دیکھا نہیں بھائی
افسوس ہے کس وقت میں قسمت تجھے لائی کچھ تو نے ادھر آنے کی لذت نہیں پائی
غربت زدہ ہوں بیکس و مظلوم و حزیں ہوں
میں آج تو مہمانی کے قابل بھی نہیں ہوں

شرمندہ ترے مُنھ سے ہیں اے حُر دلاور — اتنا نہیں ممکن کہ کریں پانی سے لب تر
ہے ساتویں تاریخ سے فاقہ مرے گھر پر — دم توڑتا ہے پیاس سے گہوارے میں اصغر

راحت مجھے یہ ظلم کے بانی نہیں دیتے
کھانے کا تو کیا ذکر ہے پانی نہیں دیتے

حُر نے کہا مولیٰ میں ترے صبر کے قرباں — دعوت ہے یہ تھوڑی کہ ملی دولتِ ایماں
ذرّے کو کیا آپ نے خورشید درخشاں — اک مور کو حضرت نے دیا تختِ سلیماں

جو خار تھا وہ ہوگیا گلزار کے قابل
وہ نور ہوا آج جو تھا نار کے قابل

لپٹا کے اسے چھاتی سے روئے شہِ ابرار — فرمایا کہ ناچار ہوا جاری غمخوار
آداب بجالا کے چلا حُر وفادار — جاتے ہی پکارا وہ کہ اے قوم ستمگار

دعویٰ ہو شجاعت کا جسے نکلے وہ صف سے
میں آیا ہوں لڑنے شہِ والا کی طرف سے

گھبرا کے پکارا عمرِ سعد ستمگر — کیا سحرِ حسین ابن علی چل گیا تجھ پر
کچھ آج تجھے قہرِ خلیفہ کا نہیں ڈر — سردار کے دُشمن کی طرف ہوگیا جاکر

اس امر سے باز آ کہ ہلاکت کے قریں ہے
کچھ پاس نمک کا بھی تجھے ہے کہ نہیں ہے

جس وقت سُنے گا یہ خبر حاکمِ سفاک — لُٹوائے گا گھر ضبط کرے گا ترے املاک
تیرے زن و فرزند کا ہووے گا شکم چاک — کوفے کی ریاست تری ہوجائیگی سب خاک

گُنبے کا ترے نام و نشاں بھی نہ رہے گا
دُنیا میں کوئی فاتحہ خواں بھی نہ رہے گا

همراہی شبیر میں ہے کون سی توقیر　　خلعت ہے نہ منصب ہے نہ ہے دولت جاگیر
خود نان شبینہ کو تو محتاج ہے شبیر　　کس بات کا لالچ ہے یہ ہے کون سی تدبیر
دولت نہیں ملتی تجھے منصب نہیں ملتا
وہ دیں گے بھلا کیا جنھیں پانی نہیں ملتا

سن کر یہ سخن غیظ میں آیا حُر غازی　　بولا پسر سعد سے یوں چھیڑ کے تازی
مجھ سے ترے چلنے کی نہیں شعبدہ بازی　　سو جان سے میں ہوں بندۂ سلطان حجازی
بس روک زباں کو ستم آرا یہ خطا ہے
ساحر اُسے کہتا ہے جو اعجاز نما ہے

کافر کے لئے کعبۂ ایماں کو گراؤں　　رہبر سے لڑوں فوج میں گمراہ کے آؤں
باطل کا طرفدار ہوں اور حق کو مٹاؤں　　حاکم کو ہنساؤں میں محمدؐ کو رلاؤں
بے دیں کی نمک خواری کا تو پاس کروں میں
اور رونے کا زہرا کے نہ وسواس کروں میں

تھا باپ ترا احمدِ مرسل کا نمک خوار　　اور ان کے نواسے پہ ہے تو کھینچتا تلوار
سب آب و نمک مہر ہے زہرا کا ستمگار　　دشمن پہ حرام آن کے ہے او ظالمِ غدّار
میں فاطمہؓ کا دوست ہوں تو دشمنِ دیں ہے
اب تو ہی بتا پاس نمک کس کو نہیں ہے

کچھ حاکم فاسق کی حقیقت نہیں او شوم　　حاکم تو ہے اللہ کہ سب جس کے ہیں محکوم
ہوں اس کا طرفدار جو ہے عاشقِ قیوم　　فرزند نبیؐ نور خدا طاہر و معصوم
فاسق کی منافق کی رفاقت نہیں جائز
ایمان پدر کی بھی حمایت نہیں جائز

۹۰
آقا کی غلامی ہے مرے واسطے معراج — پاپوش حسینؑ ابن علی ہے مرا سر تاج
تو بادشہِ خلق کو بتلاتا ہے محتاج — لٹتی ہے ادھر نعمت فردوس بریں آج
ممکن ہے کہ میں رہبر عالم سے جدا ہوں
سو بار جیوں مر کے تو سو بار فدا ہوں

۹۱
تلواروں سے مجروح ہوں یا تن پہ لگیں تیر — منہ سے یہی نکلے گا کہ یا حضرت شبیرؑ
املاک مری ضبط کرے حاکم بے پیر — کیا غم ہے کہ جنت میں مجھے ملتی ہے جاگیر
کچھ آج زراعت کا نہ املاک کا غم ہے
ہاں فاطمہؑ کی کھیتی کے لٹنے کا الم ہے

۹۲
جب فاطمہؓ کے بیٹیوں بہوؤں کے کھلیں سر — کچھ غم نہیں ناموس مرے قید ہوئے گر
زوجہ مری قربان سر بانوے بے سر — کیا حضرت زینبؓ کے سوا ہے مری خواہر
کنبہ مرا سب فاطمہؓ کے گھر پہ تصدق
فرزند مرا اکبر و اصغر کے تصدق

۹۳
یہ کہہ کے ہنسا لشکر روباہ میں وہ شیر — بے سر ہوئے سردار زبردست ہوئے زیر
ہر سو تن بے سر سر بے تن کے ہوئے ڈھیر — چلاتے تھے کفار یہ بجلی ہے کہ شمشیر
اس صاعقہ کے سایہ سے جل جانے کا ڈر ہے
آب دم شمشیر میں آتش کا اثر ہے

۹۴
جب نام علی لے کے لگاتا تھا وہ تلوار — دو کرتا تھا دشمن کو مع راکب و رہوار
جس شامی کو للکارا کہ آیا میں خبردار — وہ بھاگ گیا سامنے سے پھینک کے تلوار
آہن میں نہاں سامنے جو دشمن دیں تھا
سر اس کا کہیں خود کہیں جسم کہیں تھا

۹۵

نزدیک جو تیغ آئی تو سر تن سے ہوا دور — رن زندوں سے خالی تھا مگر نعشوں سے معمور
گھوڑوں کی تگاپو میں جو گر پڑتے تھے معمور — چار آئینہ ہو جاتے تھے شیشوں کی طرح چور
غل تھا کہ بُجھے جاتے ہیں دل اس کی چمک سے
تلوار نہیں، بجلیاں گرتی ہیں فلک سے

۹۶

پائی تھی بہادر نے عجب ہمت عالی — لاشوں سے بھرا دشت صفیں ہو گئیں خالی
تلوار پڑی جس پہ نظر شیر نے ڈالی — برچھی کا نشانہ تھا کماں جس نے سنبھالی
نیزے کے ہلانے میں جو رستم سے نہ کم تھا
اک ہاتھ میں بس ہاتھ بھی نیزہ بھی قلم تھا

۹۷

ہر ضرب میں چورنگ تھے سو سو ستم ایجاد — کٹتے تھے معہ کاسۂ سر مغفر فولاد
چار آئینوں میں بھی نہ رہے امن سے جلاد — تھی سیل فنا خانۂ تن کر دیا برباد
ضرب اس کی کسی سے نہ رُکی فوج کے دل میں
اُترے جو زرہ کٹ کے پھنسا دام اجل میں

۹۸

اس معرکۂ تیغ بہادر کو ملا اوج — ہر فرد کو اس صاحب ہمت نے کیا زوج
تھا قلزم خوں جوش میں ڈوبی ہوئی تھی فوج — آتے تھے نظر دست بریدہ صفت فوج
خوں میں جو بدن غرق تھے بیدادگروں کے
بہتے تھے حبابوں کی طرح خود سروں کے

۹۹

چھپتے تھے سواروں کے عقب برچھیوں والے — تھے جان بچانے کو کمانداروں کو لالے
رایت تو سلامی تھے نگونسار تھے بھالے — ابتر تھیں صفیں درہم و برہم تھے رسالے
اس شیر کو روکے یہ نہ طاقت تھی کسی کی
غل تھا کہ دُہائی ہے حسین ابن علیؑ کی

۱۰۰

جس دم یہ صدا فاطمہ کے لال کی آئی　　چلّائی کہ بس روک لے تلوار کو بھائی

جو نیک ہیں کرتے ہیں بُروں سے بھی بھلائی　　مظلومی بھی دکھلا گہ شجاعت تو دکھائی

گو دُشمنوں پہ رحم کا دستور نہیں ہے

پر ان کی تباہی مجھے منظور نہیں ہے

۱۰۱

یہ کرتے ہیں فریاد مرے اشک ہیں جاری　　اُمت تو ہے بیٹوں کے برابر مجھے پیاری

حملوں سے ترے فوج پریشاں ہوئی ساری　　اب اُن کو نہ کر قتل جو خاطر ہے ہماری

بس پاچکے بے دین سزا اپنے جفا کی

رحم آتا ہے اُمت ہے یہ محبوب خُدا کی

۱۰۲

منہ پھیر کے حُر سبط نبیؐ کو یہ پکارا　　اس رحم کے قربان سو مہمان تمھارا

کچھ اور کہا چاہتا تھا وہ کہ قضا را　　نیزہ کسی نے سینۂ بے کینہ پہ مارا

زخمی جو ہوا دل تو نہ ٹھہرا گیا زیں پر

یا شیر خُدا کہہ کے گرا روے زمیں پر

۱۰۳

بس گرتے ہی پڑنے لگی تلوار پہ تلوار　　زخموں سے ہر اک عضو بدن ہو گیا گلنار

چلّایا کہ مولیٰ مجھے دکھلائیے دیدار　　یہ سُن کے سراسیمہ چلے سید ابرار

حُر کے لئے بیتاب امام دو جہاں تھے

آنسو شہ مظلوم کی آنکھوں سے رواں تھے

۱۰۴

ریتی پہ جو مہماں کو تڑپتا ہوا پایا　　آغوش میں لے کر اُسے چھاتی سے لگایا

رومال سے چہرے کا غبار اس کے چھڑایا　　قبلہ کی طرف زانو پہ سر رکھ کے لٹایا

رو رو کے یہ فرماتے تھے زانو کو ہلا کر

اے بھائی حسین آیا ہے تو چشم تو وا کر

۱۰۵
سُن کر یہ صدا شاہ کی حُر غش سے جو چونکا ، سر فاطمہؑ کے لال کی آغوش میں دیکھا
آنکھیں قدمِ پاک پہ مل کر کہا مولیٰ کیا آپ کے صدقے سے ملا ہے مجھے رُتبا
احسنت کا ہے تا بفلک شور زمیں سے
لینے مجھے آئے ہیں علیؑ خلد بریں سے

۱۰۶
فرماتے ہیں اس دم ملک الموت سے حیدر بکیس مرے شبیرؑ کا یہ شخص ہے یاور
نکلا ہوں اسی کے لئے میں قبر سے باہر آسانی سے تو جسم سے روح اسکی جُدا کر
راحت اسے پہنچے گی تو راحت مجھے ہوگی
ایذا ہوئی اُس کو تو اذیت مجھے ہوگی

۱۰۷
حوران بہشتی ہیں جواہر میں مکلل کہتے ہیں کہ اے حُر سوئے فردوس بریں چل
غُل ہے ترا رُتبہ ہوا اب اور بھی افضل بند آنکھیں کر اے فوج حسینی کے ہراول
محسن کو لئے گود میں چلاّتی ہے زہرا
سر پیٹتی لاشے پہ ترے آتی ہے زہرا

۱۰۸
وہ فاطمہؑ آئیں شہ خیبر شکن آئے آپ آئے حسنؑ آئے رسولِ زمن آئے
سب مشکلیں آسان ہوئیں پنجتن آئے سب کام مرے آپ کے صدقے سے بن آئے
اب روح سوئے خُلد بریں جاتی ہے آقا
کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہے آقا

۱۰۹
یہ کہہ کے لگا کھینچنے حُر پاؤں کو یکبار گھبرا کے یہ فرمانے لگے سیّد ابرار
کیا تجھ پہ ہے کچھ موت کی سختی مرے غمخوار حُر نے کہا یا شاہ یہ باعث نہیں زنہار
غم یہ ہے کہ ہم کھیت میں مجروح پڑے ہیں
پاؤں کی طرف احمد مختار کھڑے ہیں

۱۱۰

یہ کہتے ہی اِک موت کی ہچکی اُسے آئی آخر ہوا وہ سیدِ بیکس کا فدائی

یوں رو رو کے لاش اسکی شہِ دیں نے اٹھائی جس طرح کہ بھائی کے لئے روتا ہے بھائی

چلّائے یہ لاش اس کی درِ خیمہ پہ لا کر

اے بیبیو رو لو مِرے مہمان کو آ کر

۱۱۱

زینبؑ درِ خیمے پہ چلی آئی کھُلے سر شہ نے کہا مارا گیا بھینا مِرا یاور

نہ والدہ اس کی ہے یہاں اور نہ خواہر اب اس کی بہن آج سے تم اور میں برادر

یہ مجھ پہ فدا ہوگیا اپنوں کی طرح سے

سب مل کے اسے روؤ عزیزوں کی طرح سے

۱۱۲

کہدو یہ سکینہ سے کہ سر کو کرو عریاں کبریٰ سے کہا بال کرو اپنے پریشاں

بانو سے کہو آن کے روؤ بصد افغاں پُرسا مجھے دو قتل ہوا ہے مِرا مہماں

جو اس کے لئے نالۂ فریاد کرے گا

اللہ اُسے حشر کے دن شاد کرے گا

۱۱۳

خاتونِ قیامت کی صدا آئی یہ اِک بار مارا گیا ہے ہے مِرے بچے کا مددگار

پیارا ہے مجھے وہ جسے شبیر کرے پیار میں اس کی عزادار ہوں میں اس کی عزادار

اب لاش سے اس کی نہ جُدا ہوئے گی زہرا

چالیسویں تک ماں کی طرح روئے گی زہرا

۱۱۴

سُن کر یہ سخن شور ہوا رونے کا اِک بار ناموسِ محمدؐ ہوئے سب ان کے عزادار

کر عرض شہِ دیں سے انیسؔ جگر افگار روضے پہ بُلا لو مجھے یا سیدِ ابرار

قاصر کبھی کوشش میں یہ مجبور نہیں ہے

مولا جو کشش ہوئے تو کچھ دور نہیں ہے

مرثیہ (۶)

جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے — جلوہ کیا سحر کے رُخ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہِ گردوں رکاب نے — مُڑ کر صدا رفیقوں کو دی اُس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خُدا کرو
اُٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

ہاں غازیو یہ دن ہے جدال و قتال کا — یاں خوں بہے گا آج محمدؐ کی آل کا
چہرہ خوشی سے سُرخ ہے زہراؑ کے لال کا — گذری شبِ فراق دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

یہ صبح ہے وہ صبح مبارک ہے جس کی شام — یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خُلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام — لکھے خُدا نماز گذاروں میں اپنا نام
سب ہیں وحید عصر یہ غُل چار سُو اُٹھے
دُنیا سے جو شہید اُٹھے سُرخرو اُٹھے

یہ سُن کے بستروں سے اُٹھے وہ خُدا شناس — اِک اِک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں میں کئے سب نے بے ہراس — باندھے عمامہ آئے امامِ زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

۵ سوکھے لبوں پہ حمدِ الٰہی رُخوں پہ نور / خوف و ہراس و رنج و کدورت دلوں سے دور
فیّاض حق شناس اولوالعزم ذی شعور / خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حُسنِ صوت سے حظ برملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

۶ ساونت بُردبار فلک مرتبت دلیر / عالی منش سبا میں سلیماں وغا میں شیر
گردانِ دہر ان کی نہ بردستیوں سے زیر / فاقے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر
دُنیا کو ہیچ پوچ سراپا سمجھتے ہیں
دریا دلی سے بحر کو قطرہ سمجھتے ہیں

۷ تقریر میں وہ رمز و کنائے کہ لاجواب / نکتہ بھی مُنہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب
گویا دہن کتاب بلاغت کا ایک باب / سوکھی زبانیں شہد فصاحت سے کامیاب
لہجوں پہ شاعرانِ عرب تھے مرے ہوئے
پستے لبوں کے وہ کہ نمک سے بھرے ہوئے

۸ لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو / پیدا تنوں سے پیرہنِ یوسفی کی بو
غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو / پرہیزگار و زاہد و ابرار و نیک خو
پتھر ہیں ایسے لعل و صدف میں گہر نہیں
حوروں کا قول تھا کہ ملک ہیں بشر نہیں

۹ پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک مآب / پر تھی رُخوں پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب / ہوتے ہیں خاکسار غلامِ ابوتراب
مہتاب سے رخوں کی صفا اور ہو گئی
مٹی سے آئنوں میں جلا اور ہو گئی

۱۰
خیمے سے نکلے شہ کے عزیزان خوش خصال　　جن میں کئی تھے حضرت خیر النسا کے لال
قاسم سا گلبدن علی اکبر سا خوش خصال　　یکجا عقیل و مسلم و جعفر کے نونہال
سب کے رُخوں کا نور سپہرِ بریں پہ تھا
اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

۱۱
وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور　　دیکھے تو غش کرے ارنی گوے اوج طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور　　وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

۱۲
ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک　　شرمائے جس سے اطلس زرنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک　　ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

۱۳
قربان صنعتِ قلم آفریدگار　　تھی ہر ورق پہ صنعت ترصیع آشکار
عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار　　ان صنعتوں کو پائے کہاں عقل سادہ کار
عالم تھا محوِ قدرتِ ربِ عباد پر
مینا کیا تھا وادیِ مینو سواد پر

۱۴
وہ نور اور وہ دشت سہانا سادہ فضا　　دُرّاج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا　　سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے

۱۵

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار　　پھولوں پہ جا بجا وہ گہرہائے آبدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار　　بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زیرِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

۱۶

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم　　کوکو کا شور نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم　　جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ علا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی مدح

۱۷

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار　　اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حیّ یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار　　تسبیح تھی کہیں کہیں تہلیل کردگار
طائر ہوا میں مست ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

۱۸

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبی کے پھول　　خوشبو سے جن کی خُلد تھا جنگل کا عرض و طول
دُنیا کی زیب و زینتِ کاشانۂ بتول　　وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسولؐ
ماہِ عزا کے عشرۂ اوّل میں لُٹ گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں لُٹ گیا

۱۹

اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہار　　پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گلعذار
دولھا بنے ہوئے تھے اجل تھی گلوں کا ہار　　جاگے وہ ساری رات کے وہ نیند کا خمار
راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے پھولوں کی کلیاں بکس گئیں

[20] وہ دشت اور خیمۂ زنگار گوں کی شان — گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسماں
بے چوبۂ سپہر بنے جس کا سائبان — بیت العتیق دیں کا مدینہ جہاں کی جان
اللہ کے حبیب کے پیارے اسی میں تھے
سب عرش کبریا کے ستارے اسی میں تھے

[21] گردوں پہ ناز کرتی تھی اُس دشت کی زمیں — کہتا تھا آسماں دہم چرخ ہفت میں
پردے تھے رشک پردۂ چشمان حور عین — تاروں سے تھا فلک اسی خرمن کا خوشہ چیں
دیکھا جو نور شمسۂ کیوان جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے صبح گلِ آفتاب پر

[22] ناگاہ چرخ پر خط ابیض ہوا عیاں — تشریف جا نماز پہ لائے شہِ زماں
سجادے بچھ گئے عقبِ شاہ انس وجاں — صوتِ حسنؑ سے اکبرؑ مہرو نے دی اذاں
ہر اِک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسولؐ کی کانوں میں آ گئی

[23] چپ تھے طیور جھومتے تھے وجد میں شجر — تسبیح خواں تھے برگ و گل و غنچہ و ثمر
محو ثنا کلوخ و نباتات و دشت و در — پانی سے مُنھ نکالے تھے دریا کے جانور
اعجاز تھا کہ دلبر شبیرؑ کی صدا
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

[24] ناموس شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار — چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوے نامدار
زینب بلائیں لیکے یہ کہتی تھی بار بار — صدقے نمازیوں کے موذن کے میں نثار
کرتے ہیں یوں ثنا و صفتِ ذوالجلال کی
لوگو اذاں سنو مرے یوسف جمال کی

۲۵

یہ حُسن صوت اور یہ قرأت یہ شد و مد
حقا کہ افصح الفصحا ہے انھیں کا جد
گویا ہے لحن حضرتِ داؤد باخرد
یارب رکھ اس صدا کو زمانے میں تا ابد
شعبے صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بُلبُل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں

۲۶

میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے
عین الکمال سے تجھے بچے خدا بچائے
وہ لوذعی کہ جس کی طلاقت دلوں کو بھائے
دو دو دن ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے
غربت میں پڑگئی ہے مصیبت حسینؑ پر
فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نورِ عین پر

۲۷

صف میں ہوا جو نعرۂ قدقامت الصلوٰۃ
قائم ہوئی نماز اُٹھے شاہ کائنات
وہ نور کی صفیں وہ مصلی ملک صفات
سردار کے قدم کے تلے تھی رہِ نجات
مولا تھے جانماز ہدایت مناط پر
یا قبلہ رو کھڑے تھے سلیماں بساط پر

۲۸

قرآں کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز
بسم اللہ جیسے آگے ہو یوں تھے شہِ حجاز
سطریں تھیں یا صفیں عقبِ شاہ سرفراز
کرتی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ ناز
صدقے سحر بیاض پہ بین السطور کی
سب آیتیں تھیں مصحفِ ناطق کے نور کی

۲۹

امید مغفرت تھی علی علیم سے
غیر از کرم کچھ اور نہ ہوگا کریم سے
لیکن ڈگیں نہ پاؤں رہِ مستقیم سے
پہلے اشارہ ہے یہ الف لام میم سے
حبل المتیں یہی ہیں نجات ان کے ہاتھ ہے
قرآن کا اور آل محمدؐ کا ساتھ ہے

۳۰
باہم مکبروں کی صدائیں وہ دلپسند — کروبیان عرش تھے سب جس سے بہرہ مند
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دوچند — خوفِ خُدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند
خم گردنیں تھیں سب کی خضوع اور خشوع میں
سجدوں میں چاند تھے مہِ نو تھے رکوع میں

۳۱
اک صف میں سب محمدؐ و حیدرؑ کے رشتہ دار — اٹھارہ نوجوان ہیں اگر کیجئے شمار
پر سب جگر فگار حق آگاہ خاکسار — پیرو امام پاک کے دانائے روزگار
تسبیح ہر طرف تہِ افلاک اِنھیں کی ہے
جس پر درود پڑھتے ہیں یہ خاک انھیں کی ہے

۳۲
دُنیا سے اُٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود — اُن کے لئے تھی بندگیٔ واجب الوجود
وہ عجز وہ طویل رکوع اور وہ سجود — طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بُود
طاقت نہ چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پاؤں میں
گر گر کے سجدے کر گئے تیغوں کی چھاؤں میں

۳۳
ہاتھ اُن کے جب قنوت میں اُٹھے سوئے خُدا — خود ہوگئے فلک پہ اجابت کے باب وا
تھرائے آسمان ہلا عرشِ کبریا — شہپر تھے دونوں ہاتھ پئے طائرِ دُعا
وہ خاکسار محو تضرع تھے فرش پر
روح القدس کی طرح دُعائیں تھیں عرش پر

۳۴
فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام — آئے مصافحے کو جوانان تشنہ کام
چومے کسی نے دستِ شہنشاہِ خاص و عام — آنکھیں ملیں قدم پہ کسی نے باحترام
کیا دل تھے کیا سپاہ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

۳۵

سجدے میں شکر کے کوئی تھا مردِ باخدا　　پڑھتا تھا کوئی حزن سے قرآں کوئی دُعا
نعتِ نبیؐ کہیں تھی کہیں حمدِ کبریا　　مولا اُٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا
فاقوں پہ تشنہ کامی و غربت پہ رحم کر
یارب مسافروں کی جماعت پہ رحم کر

۳۶

زاری تھی التجا تھی مناجات تھی اُدھر　　واں صف کشی و ظلم و تعدی و شور و شر
کہتا تھا ابن سعد یہ جا جا کے نہر پر　　گھاٹوں سے ہوشیار ترائی سے باخبر
دو روز سے ہے تشنہ دہانی حسینؑ کو
ہاں مرتے دم بھی دیجو نہ پانی حسینؑ کو

۳۷

بیٹھے تھے جانماز پہ شاہِ فلک سریر　　ناگہ قریب آکے گرے تین چار تیر
دیکھا ہر اک نے مُڑ کے سوئے لشکرِ شریر　　عباسؑ اُٹھے تول کے شمشیرِ بے نظیر
پروانہ تھے سراجِ امامت کے نور پر
روکی سپر حضور کرامت ظہور پر

۳۸

اکبر سے مڑ کے کہنے لگے سرورِ زماں　　تم جا کے کہدو خیمے میں یہ آئے پدر کی جاں
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ گراں　　بچوں کو لے کے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں
غفلت میں تیر سے کوئی بچہ تلف نہ ہو
ڈر ہے مجھے کہ گردنِ اصغرؑ ہدف نہ ہو

۳۹

کہتے تھے یہ پسر سے شہِ آسماں سریر　　فضہ پکاری ڈر سے کہ اے خلق کے امیر
ہے ہے علیؑ کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر　　اصغرؑ کے گاہوارے تک آکر گرے ہیں تیر
گرمی میں ساری رات تو گھٹ گھٹ کے روئے ہیں
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

۱۴۰

باقرؔ کہیں پڑا ہے سکینہ کہیں ہے غش — گرمی کی فصل یہ تب و تاب اور یہ عطش
رو رو کے سو گئے ہیں صغیران ماہوش — بچوں کو لے کے یاں سے کہاں جائیں فاقہ کش
یہ کس خطا پہ تیر پیاپے برستے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچے ترستے ہیں

۱۴۱

اُٹھے یہ شور سن کے امامِ فلک وقار — ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو روکے رفیق و یار
فرمایا مڑ کے چلتے ہیں اب بہر کارزار — کمریں کسو جہاد پہ منگواؤ راہوار
دیکھیں فضا بہشت کی دل باغ باغ ہو
اُمت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

۱۴۲

فرما کے یہ حرم میں گئے شاہ بحر و بر — ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں ادھر
جوشن پہن کے حضرت عباس نامور — دروازے پہ ٹہلنے لگے مثل شیر نر
پرتو سے رُخ کے برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر دوش پاک پر

۱۴۳

شوکت میں رشک تاج سلیماں تھا خود سر — کلغی پہ لاکھ بار تصدق ہما کے پر
دستانے دونوں فتح کا مسکن ظفر کا گھر — وہ رعب الاماں وہ تہور کہ الحذر
جب ایسا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو
پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پہاڑ ہو

۱۴۴

خیمے میں جا کے شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال — چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
زینبؑ کی یہ دُعا ہے کہ اے ربِ ذوالجلال — بچ جائے اس فساد سے خیر النسا کا لال
بانوئے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

٤٥

آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا ۔ بیکس پہ یہ چڑھائی ہے سید پہ یہ جفا

غربت میں ٹھن گئی جو لڑائی تو ہوگا کیا ۔ ان ننھے ننھے بچوں پہ کر رحم اے خُدا

فاقوں سے جاں بلب ہیں عطش سے ہلاک ہیں

یارب ترے رسولؐ کی ہم آل پاک ہیں

٤٦

سرپر نہ اب علیؓ نہ رسولِ فلک وقار ۔ گھر لُٹ گیا گذر گئیں خاتونِ روزگار

اماں کے بعد روئی حسنؓ کو میں سوگوار ۔ دُنیا میں اب حسین ہے ان سب کا یادگار

تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے

کچھ اس پہ بن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے

٤٧

بولے قریب جاکے شہِ آسماں جناب ۔ مضطر نہ ہو دُعائیں ہیں تم سب کی مستجاب

مغرور ہیں خطا پہ ہیں یہ خانماں خراب ۔ خود جاکے میں دکھاتا ہوں اُن کو رہِ صواب

موقع بہن نہیں ابھی فریاد و آہ کا

لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا

٤٨

معراج میں جو رسول نے پہنا تھا جو لباس ۔ کشتی میں لائیں زینبؓ اُسے شاہِ دیں کے پاس

سر پہ رکھا عمامۂ سردار حق شناس ۔ پہنی قبائے پاک رسولؐ فلک اساس

بر میں درست و چست تھا جامہ رسولؐ کا

رومال فاطمہؓ کا عمامہ رسولؐ کا

٤٩

شملے کے دو سرے جو پڑے تھے بصد وقار ۔ ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار

بل کھا رہا تھا زلفِ سمن بو کا تار تار ۔ جس کے ہر ایک مو پہ خطا و ختن نثار

مشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں

سُنبل کی اصل کیا ہے یہ گیسو کے پیچ ہیں

کپڑوں سے آرہی تھی رسولِ زمن کی بو	دولھا نے سونگھی ہوگی نہ ایسی دولھن کی بو
حیدر کی فاطمہؓ کی حسینؓ و حسنؓ کی بو	پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتن کی بو
لُٹتا تھا عطرِ وادیِ عنبر سرشت میں
گُل جھومتے تھے باغ میں رضواں بہشت میں

۱۵۱
پوشاک سب پہن چکے جس دم شہِ زمن	لے کر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
چلّائے ہائے آج نہیں حیدرؓ و حسنؓ	اماں کہاں سے لائے تمھیں اب یہ بے وطن
رخصت ہے اب رسول کے یوسف جمال کی
صدقے گئی بلائیں تو لو اپنے لال کی

۱۵۲
صندوق اسلحہ کے جو کھلوائے شاہ نے	بیٹا منہ اپنا زینبؓ عصمت پناہ نے
پہنی زرہ امام فلک بارگاہ نے	بازو پہ جوشنین پڑھے عز و جاہ نے
جوہر بدن کے حسن سے سارے چمک گئے
حلقے تھے جتنے اُتنے ستارے چمک گئے

۱۵۳
یاد آگئے علیؓ نظر آئی جو ذوالفقار	قبضے کو چوم کر شہِ دیں روئے زار زار
تولی جو رے کے ہاتھ میں شمشیر آبدار	شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
فتح و ظفر قریب ہو نصرت قریب ہو
زیب اس کی تجھ کو ضرب عدو کو نصیب ہو

۱۵۴
باندھی کمر سے تیغ جو زہرا کے لال نے	پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ہلال نے
دستانے پہنے سرورِ قدسی خصال نے	معراج پائی دوش پہ حمزہ کی ڈھال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی
ساری سپہر میں مہر نبوت کی شان تھی

۵۵

ہتھیار ادھر لگا چکے آقائے خاص و عام   تیار اُدھر ہوا علمِ سیدِ انام
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام   روتی تھی تھامے چوبِ علم خواہرِ امام
تیغیں کمر میں دوش پہ شملے پڑے ہوئے
زینبؑ کے لال زیرِ علم آ کھڑے ہوئے

۵۶

گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گلعذار   مرفق تک آستینوں کو اُلٹے بصد وقار
جعفر کا رعب دبدبۂ شیرِ کردگار   بوٹے سے ان کے قد پہ نمودار و نامدار
آنکھیں ملیں علم کے پھریرے کو چوم کے
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

۵۷

گہ ماں کو دیکھتے تھے گہ جانبِ علم   نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہِ اُمم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم   آہستہ پوچھنے لگے ماں سے ذی حشم
کیا قصد ہے علی ولی کے نشان کا
اماں کسے ملے گا علم نانا جان کا

۵۸

کچھ مشورہ کریں جو شہنشاہ خوشخصال   ہم بھی بحق ہیں آپ کو اس کا رہے خیال
پاس ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال   اس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
عزت طلب ہیں نام کے اُمیدوار ہیں

۵۹

بے مثل تھے رسول کے لشکر کے سب جواں   لیکن ہمارے جد کو نبیؐ نے دیا نشاں
خیبر میں دیکھتا رہا منہ لشکرِ گراں   پایا علم علیؓ نے مگر وقتِ امتحاں
طاقت میں کچھ کمی نہیں گو بھوکے پیاسے ہیں
پوتے انھیں کے ہم ہیں انھیں کے نواسے ہیں

۶۰

زینبؑ نے تب کہا کہ تمھیں اس سے کیا ہے کام — کیا دخل مجھ کو مالک و مختار ہیں امام
دیکھو نہ کیجیو بے ادبانہ کوئی کلام — بگڑوں گی میں جو لوگے علم کا زباں سے نام
لو جاؤ بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے ہو یہاں علی اکبرؑ کو چھوڑ کے

۶۱

سرکو ہٹو بڑھو نہ کھڑے ہو علم کے پاس — ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہِ فلک اساس
کھوتے ہو اور آئے ہوئے تم مرے حواس — بس قابلِ قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگوگے تم جو بُرا یا بھلا کہوں
اس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہوں

۶۲

عمریں قلیل اور ہوسِ منصبِ جلیل — اچھا نکالو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ماں صدقے جائے گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل — ہاں اپنے ہم سنوں میں تمھارا نہیں عدیل
لازم ہے سوچے غور کرے پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ کیوں بشر اُس کی ہوس کرے

۶۳

ان ننھے ننھے ہاتھوں سے اُٹھے گا یہ علم — چھوٹے قدوں میں سب سے سنوں میں بھی ہو کم
نکلیں تنوں سے سبطِ نبی کے قدم پہ دم — عہدہ یہی ہے بس یہی منصب یہی حشم
رخصت طلب اگر ہو تو یہ میرا کام ہے
ماں صدقے جائے آج تو مرنے میں نام ہے

۶۴

پھر تم کو کیا بزرگ تھے گر فخرِ روزگار — زیبا نہیں ہے وصفِ اضافی پہ افتخار
جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار — دکھلا دو آج حیدرؑ و جعفرؓ کی کارزار
تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علیؑ کے ہیں

٦٥

کیا کچھ علم سے جعفرِ طیار کا تھا نام ‏ یہ بھی تھی اِک عطائے رسولِ فلک مقام
بگڑی لڑائیوں میں بن آ کے انھیں سے کام ‏ جب کھینچتے تھے تیغ تو ہلتا تھا روم و شام
بے جاں ہوئے تو نخلِ وغا نے ثمر دئے
ہاتھوں کے بدلے حق نے جواہر کے پر دئے

٦٦

لشکر نے تین روز ہزیمت اٹھائی جب ‏ بخشا علم رسولؐ خدا نے علی کو تب
مرحب کو قتل کر کے بڑھا جب وہ شیرِ رب ‏ در بند کر کے قلعہ کا بھاگی سپاہ سب
اُکھڑا وہ یوں گراں تھا جو در سنگ سخت سے
جس طرح توڑ لے کوئی پتّا درخت سے

٦٧

نرغے میں تین دن سے ہے مشکلکشا کا لال ‏ اماں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
پوچھا نہ یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال ‏ میں لُٹ رہی ہوں اور تمھیں منصب کا ہے خیال
غمخوار تم مرے ہو نہ عاشق امام کے
معلوم ہو گیا مجھے طالب ہو نام کے

٦٨

ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لا کلام ‏ غصے کو آپ تھام لیں اے خواہرِ امام
واللہ کیا مجال جو اب لیں علم کا نام ‏ کُھل جائے گا لڑیں گے جو یہ باوفا غلام
فوجیں بھگا کے گنجِ شہیداں میں سوئیں گے
تب قدر ہوگی آپ کو جب ہم نہ ہوئیں گے

٦٩

بس کہہ کے یہ ہٹے جو سعادت نشاں پسر ‏ چھاتی بھر آئی ماں نے کہا تھام کر جگر
دیتے ہو اپنے مرنے کی پیارو مجھے خبر ‏ ٹھہرو ذرا بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر
کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بری لگی
بچو یہ کیا کہا کہ جگر پہ چھری لگی

زینبؑ کے پاس آکے یہ بولے شہ زمن   کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سُنی بہن
شیروں کے شیر عاقل و جرار و صف شکن   زینب وحید عصر ہیں دونوں یہ گلبدن
یوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں
تیور ہی ان کے اور ارادے ہی اور ہیں

نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ دلولے   بچّے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے
اقبال کیونکر ان کے نہ قدموں سے منہ ملے   کس گود میں بڑے ہوئے کس دودھ سے پلے
بیشک یہ ورثہ دار جنابِ امیر ہیں
پر کیا کہوں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

بس جس کو تم کہو اُسے دیں فوج کا علم   کی عرض جو صلاح شہِ آسماں حشم
فرمایا جب سے اُٹھ گئیں زہرائے باکرم   اُس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم
مالک ہو تم بزرگ کوئی ہو کہ خرد ہو
جس کو کہو اسی کو یہ عہدہ سپرد ہو

بولیں بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام   ہے کس طرف توجہ سردار خاص و عام
گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہِ آسماں مقام   قرآں کے بعد ہے تو علی کا ہے کچھ کلام
شوکت خدم میں شان میں ہمسر کوئی نہیں
عباس نامدار سے بہتر کوئی نہیں

عاشق غلام خادم دیرینہ جاں نثار   فرزند بھائی زینت پہلو وفا شعار
جرار یادگارِ پدر فخر روزگار   راحت رساں مطیع نمودار و نامدار
صفدر ہے شیر دل ہے بہادر ہے نیک ہے
بے مثل سیکڑوں میں ہزاروں میں ایک ہے

۵۵
آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن	ہاں تھی یہی علی کی وصیت بھی اے بہن
اچھا بلائیں آپ کدھر ہے وہ صف شکن	اکبر چچا کے پاس گئے سن کے یہ سخن

کی عرض انتظار ہے شاہ غیور کو
چلئے پھوپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

۵۶
عباس آئے ہاتھوں کو جوڑے حضور شاہ	جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ
زینب وہیں علم لئے آئیں بہ عز و جاہ	بولے نشاں کو لے کے شہ عرش کبر بلا

ان کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتن کی ہے
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

۵۷
رکھ کر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک وقار	ہمشیر کے قدم پہ ملا منھ بہ افتخار
زینبؑ بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار	عباس فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

ہو جائے آج صلح کی صورت تو کل چلو
ان آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو

۵۸
کی عرض میرے جسم پہ جس وقت تک ہے سر	ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوج بدگہر
تیغیں کھنچیں جو لاکھ تو سینہ کروں سپر	دیکھیں اٹھا کے آنکھ یہ کیا تاب کیا جگر

سادنت ہیں پسر اسدِ ذوالجلال کے
گر شیر ہو تو پھینک دیں آنکھیں نکال کے

۵۹
منھ کر کے سوئے قبر علی پھر کیا خطاب	ذرّے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
یہ عرضِ طفاکسار ہے بس یا ابو تراب	آقا کے آگے میں ہوں شہادت سے کامیاب

سر تن سے ابن فاطمہ کے روبرو گرے
شبیر کے پسینے پہ میرا لہو گرے

۸۰
یہ سن کے آئی زوجۂ عباس نامور
شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر
لیں سبطِ مصطفےٰؐ کی بلائیں بچشمِ تر
زینبؑ کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا
عزت بڑھی کنیز کی رتبہ غلام کا

۸۱
سر کو لگا کے چھاتی سے زینبؑ نے یہ کہا
تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا
کی عرض مجھ سی لاکھ کنیزیں ہوں گر فدا
بانوئے نامور کو سہاگن رکھے خدا
بچے جئیں ترقی اقبال و جاہ ہو
سایہ میں آپ کے علی اکبر کا بیاہ ہو

۸۲
قسمت وطن میں خیر سے پھر شہ کو لیکے جائے
یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسینؑ آئے
اُمّ البنین جاہ و حشم سے پسر کو پائے
جلدی شبِ عروسیِ اکبر خدا دکھائے
مہندی تمہارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دولھن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

۸۳
ناگاہ آکے بالی سکینہ نے یہ کہا
کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مرے چچا
عہدہ علم کا اُن کو مبارک کرے خدا
لوگو مجھے بلائیں تو لینے دو اِک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمو جان کی
میں بھی تو دیکھوں شان علی کے نشان کی

۸۴
عباس مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ
عمو نثار پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ
بولی لپٹ کے وہ کہ مری اشک لیتے جاؤ
اب تو علم ملا تمھیں پانی مجھے پلاؤ
تحفہ کوئی نہ دیجے نہ انعام دیجئے
قربان جاؤں پانی کا اِک جام دیجئے

۵ شہ

زیرِ علم تھے خاک بسر شاہ خاص و عام ۔ باتوں پہ اُس کی روتی تھیں سیدانیاں تمام

کی عرض آ کے ابن حسن نے کہ یا امام ۔ انبوہ ہے بڑھی چلی آتی ہے فوج شام

شہ بولے یہ علم لئے باہر نکلتے ہیں

ٹھہرو بہن سے مل کے گلے ہم بھی چلتے ہیں

۶ شہ

ڈیوڑھی پہ خادمانِ محل کی ہوئی پکار ۔ آتے ہیں اب حضور خبردار ہوشیار

خلعت پہن رہے ہیں علمدار نامدار ۔ نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہوں جاں نثار

بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا

عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

۷ شہ

ناگہ بڑھے علم لئے عباس باوفا ۔ دوڑے سب اہلبیت کھلے سر برہنہ پا

حضرت نے ہاتھ اُٹھا کے یہ اِک ایک سے کہا ۔ لو الوداع اے حرمِ پاک مصطفےٰ

صبحِ شبِ فراق ہے پیاروں کو دیکھ لو

سب مل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو

۸ شہ

شہ کے قدم پہ زینبؑ زار و حزیں گری ۔ بانو پچھاڑیں کھا کے پسر کے قریں گری

کلثوم تھرتھرا کے بروئے زمیں گری ۔ باقر کہیں گرا تو سکینہ کہیں گری

اُجڑا چمن ہر اِک گُل تازہ نکل گیا

نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

۹ شہ

دیکھی جو شان حضرت عباس عرش جاہ ۔ آگے بڑھی علم کے لیس از تہنیت سپاہ

نکلا حرم سرا سے دو عالم کا بادشاہ ۔ نشتر بدل تھی بنت علی کی فغان و آہ

رہ رہ کے اشک کہتے تھے روئے جناب سے

شبنم ٹپک رہی تھی گُل آفتاب سے

۹۰
مولا چڑھے فرس پہ محمدؐ کی شان سے
ترکش لگایا ہرنے پہ کس آن بان سے
نکلا یہ جن وانس و ملک کی زبان سے
اُترا ہے پھر زمیں پہ بُراق آسمان سے
سارا چلن خرام میں کبکِ دری کا ہے
گھونگھٹ نئی دولھن کا ہے چہرہ پری کا ہے

۹۱
غصے ہیں انکھڑیوں کے اُبلنے کو دیکھئے
جوبن میں جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھئے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھئے
تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھئے
گردن میں ڈالیں ہاتھ یہ پریوں کو شوق ہے
بالا دوی میں اُس کو ہُما پر بھی فوق ہے

۹۲
تھم کر ہوا چلی فرسِ خوش قدم بڑھا
جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا اور دم بڑھا
گھوڑوں کی لیں سواروں نے باگیں علم بڑھا
رایت بڑھا کہ سروِ ریاضِ ارم بڑھا
پھولوں کو لے کے بادِ بہاری پہ پہنچ گئی
بستان کربلا میں سواری پہ پہنچ گئی

۹۳
پنجہ ادھر چمکتا تھا اور آفتاب ادھر
اُس کی ضیا تھی خاک پہ ضو اسکی عرش پر
زرریزیِ علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
دولھا کا رُخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر
تھے دو طرف جو دو علم اس ارتفاع سے
اُلجھے ہوئے تھے تار خطوط شعاع کے

۹۴
اللہ رے سپاہ خُدا کی شکوہ و شان
جھکنے لگے جنودِ ضلالت کے بھی نشان
کمریں کسے علم کے تلے ہاشمی جوان
دُنیا کی زیب دین کی عزت جہاں کی جان
ایک ایک دودمانِ علیؑ کا چراغ تھا
جس کو بہشت پر تھا تفوق وہ باغ تھا

۹۵

لڑکے وہ سات آٹھ سہی قد سمن عذار — گیسو کسی کے چہرے پہ دو اور کسی کے چار

حیدرؑ کا رعب نرگسی آنکھوں سے آشکار — کھیلیں جو نیمچوں سے کریں شیر کا شکار

تیروں کے سمت چاند سے سینے تنے ہوئے

آئے تھے عید گاہ میں دولھا بنے ہوئے

۹۶

غرفوں سے حوریں دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام — دُنیا کا باغ بھی ہے عجب پُر فضا مقام

دیکھو درود پڑھ کے سوئے لشکرِ امام — ہمشکل مصطفےٰ ہے یہی عرش احتشام

رایت لئے وہ لال خُدا کے ولی کا ہے

اب تک جہاں میں ساتھ نبی و علی کا ہے

۹۷

دُنیا سے اُٹھ گئے تھے جو پیغمبرِ زماں — ہم جانتے تھے حُسن سے خالی ہے سب جہاں

کیونکر سوئے زمیں نہ جھکے پیر آسماں — پیدا کیا ہے حق نے عجب حسن کا جواں

سب خوبیوں کا خاتمہ بس اس حسیں پہ ہے

محبوب حق ہیں عرش پہ سایہ زمیں پہ ہے

۹۸

ناگاہ تیر ادھر سے چلے جانبِ امام — گھوڑا بڑھا کے آپ نے حجت بھی کی تمام

نکلے ادھر سے شہ کے رفیقانِ تشنہ کام — بے سر ہوئے پروں میں سرانِ سپاہ شام

بالا کبھی تھی تیغ کبھی زیر تنگ تھی

اِک اِک کی جنگ مالکِ اشتر کی جنگ تھی

۹۹

نکلے پئے جہاد عزیزانِ شاہ دیں — نعرے کئے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں

روباہ کی صفوں پہ چلے شیر خشمگیں — کھینچی جو تیغ بھول گئے صف کشی لعیں

بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے

کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں ڈوب کے

اللہ رے علی کے نواسوں کی کارزار دونوں کے نیچے تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
شانہ کٹا کسی نے جو روکا سپر پہ وار گنتی تھی زخمیوں کی نہ کشتوں کا کچھ شمار
اتنے سوار قتل کیے تھوڑی دیر میں
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائیاں آفت کی پھرتیاں تھیں غضب کی صفائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش کمائیاں فوجوں میں تھیں نبیؐ و علیؑ کی دہائیاں
شوکت ہو بہو تھی جنابِ امیرؑ کی
طاقت دکھا دی شیروں نے زینبؑ کے شیر کی

کس حُسن سے حسنؑ کا جوان حسین لڑا گھر گھر کے صورتِ اسدِ خشمگیں لڑا
دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا سہرا اُلٹ کے یوں کوئی دولھا نہیں لڑا
حملے دکھا دیے اسدِ کردگار کے
مقتل میں سوئے ازرقِ شامی کو مار کے

چمکی جو تیغ حضرت عباسؑ عرش جاہ روح الامین پکارے کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں میں چھپ گیا پسرِ سعد روسیاہ کشتوں سے بند ہو گئی امن و اماں کی راہ
جھپٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے
لے لی ترائی تیغوں کی موجوں میں تیر کے

بے سر ہوئے موکل سر چشمۂ فرات ہلچل میں مثل موج صفوں کو نہ تھا ثبات
دریا میں گر کے ڈوب گئے کتنے بد صفات گویا حباب ہو گئے تھے نقطۂ ثبات
عباسؑ بھر کے مشک کو یاں تشنہ لب لڑے
جس طرح نہرواں میں امیرِ عرب لڑے

لہ بمعنی مانند و مثل ۱۲۔

۱۰۵

آفت تھی حرب و ضرب علی اکبرؑ دلیر — غصے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر
سب سربلند پست زبردست سب تھے زیر — جنگل میں چار سمت ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
سر اُن کے اُترے تن سے جو تھے رن چڑھے ہوئے
عباسؑ سے بھی جنگ میں کچھ تھے بڑھے ہوئے

۱۰۶

تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک — ہلتی رہی زمین لرزتے رہے فلک
کانپا کئے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک — نعرے نہ پھر وہ تھے نہ وہ تیغوں کی تھی چمک
ڈھالوں کا دور برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگام ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

۱۰۷

لاشے سبھوں کے سبط نبی خود اُٹھا کے لائے — قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خُدا دکھائے — فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے
اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو
گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

۱۰۸

لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام — ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبی کی قبا تمام
افسردہ و حزین و پریشان و تشنہ کام — برچھی تھی دل کو فتح کے باجوں کی دھوم دھام
اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے
تھرا کے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے تھے

۱۰۹

پوچھو اسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ — اک عمر کا ریاض تھا جس پر لٹا وہ باغ
فرصت نہ اب بکا سے نہ ماتم سے انفراغ — جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ
پڑتی تھی دھوپ سب کے تن پاش پاش پر
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبرؑ کی لاش پر

۱۱۱

مقتل سے آئے خیمہ کے در پر شہِ زمن پر شدّتِ عطش سے نہ تھی طاقتِ سخن
پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بصد محن اصغر کو گاہوارے سے لے آؤ اے بہن
پھر ایک بار اس مہِ انور کو دیکھ لیں
اکبر کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

۱۱۲

خیمے سے دوڑی آلِ پیمبر برہنہ سر اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوے نوحہ گر
بچّے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر مُنھ سے ملے جو ہونٹھ تو چونکا وہ سیم بر
غم کی چُھری چلی جگرِ چاک چاک پر
بٹھلا لیا حسینؑ نے زانوئے پاک پر

۱۱۳

بچّے سے ملتفت تھے شہِ آسماں سریر تھا اس طرف کمین میں بن کاہل شریر
مارا جو تین بھال کا اس بے حیا نے تیر بس دفعتہً نشانہ ہوئی گردنِ صغیر
تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

۱۱۴

جس دم تڑپ کے مرگیا وہ طفلِ شیرخوار چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحالِ زار
بچّے کو دفن کرکے پکارا وہ ذی وقار اے خاکِ پاک حرمتِ مہماں نگاہدار
دامن میں رکھ اسے جو محبت علیؑ کی ہے
دولت ہے فاطمہؑ کی امانت علیؑ کی ہے

۱۱۵

پہلے پہل چھُٹا ہے یہ ماں کی کنار سے واقف نہیں ہے قبر کی شبہائے تار سے
اے قبر ہوشیار مرے گلعذار سے گردن چھدی ہوئی ہے بچانا فشار سے
سیدؑ ہے لال حضرت خیر النسا کا ہے
معصوم ہے شہید ہے بندہ خدا کا ہے

۱۱۵
یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوئے حسام　　آنکھیں لہو تھیں رونے سے چہرہ تھا سرخ فام
زیبِ بدن کئے تھے بصد عز و احتشام　　پیراہن مطہرِ پیغمبرِ انام
حمزہ کی ڈھال تیغ شہ لافتا کی تھی
بر میں زرہ جناب رسولِ خدا کی تھی

۱۱۶
رستم تھا درع پوش کہ پاکھر میں راہوار　　جرار و برد بار سبک رو وفا شعار
کیا خوشنما تھا زین طلاکار و نقرہ کار　　اکسیر تھا قدم کا جسے مل گیا غبار
خوشخو تھا خانہ زاد تھا دلدل نژاد تھا
شبیر بھی سخی تھے فرس بھی جواد تھا

۱۱۷
گرمی کا روز جنگ کی کیونکر کروں بیان　　ڈر ہے کہ مثل شمع نہ جلنے لگے زبان
وہ لوں کہ الحذر وہ حرارت کہ الامان　　رن کی زمیں تو سرخ تھی اور زرد آسمان
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

۱۱۸
وہ لوں وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب　　کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب　　خیمے تھے جو حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حباب کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

۱۱۹
جھیلوں سے چارپائے نہ اٹھتے تھے تابہ شام　　مسکن میں مچھلیوں کے سمندر کا تھا مقام
آہو جو کاہلی تھے تو چیتے سیاہ فام　　پتھر پگھل کے رہ گئے تھے مثل موم خام

لہ سمندر ایک جانور ہے جو آگ میں پیدا ہوا ہے اور آگ کھاتا ہے مگر اس روز بشدت فرط حرارت اس کو بھی پانی کی تلاش تھی ۱۲۔

سُرخی اُڑی تھی پھولوں سے سبزی گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اُترا تھا سائے کی چاہ سے

۱۲۰
آبِ رواں سے مُنہ نہ اُٹھاتے تھے جانور — جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم[1] تھی سات پردوں کے اندر عرق میں تر — خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھوں آبلے پائے نگاہ میں

۱۲۱
کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار — ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گُل نہ مہکتا تھا سبزہ زار — کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

۱۲۲
شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے — آہو نہ مُنہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے — گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

۱۲۳
گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں — انگارہ تھے حباب تو پانی شرر فشاں
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں — تہ پر تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

---

[1] یہاں آنکھ کی پُتلی مراد ہے جو پردۂ چشم کے اندر رہے۔ ۱۲

۱۲۴

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب وتب کی تاب — چھپنے کو برق چاہتی تھی دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب — کافور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں
بادل چھپے تھے جا کرۂ زمہریر میں

۱۲۵

اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہِ اُمم — نے دامنِ رسولؐ تھا نے سایۂ علم
شعلے جگر سے آہ کے اُٹھتے تھے دمبدم — اودے تھے لب زبان میں کانٹے کمر میں خم
بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

۱۲۶

گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار — آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آب نہر پرند آ کے بے شمار — سقے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
پانی کا دام و دد کو پلانا ثواب تھا
اک ابن فاطمہؓ کے لئے قحط آب تھا

۱۲۷

سر پر لگائے تھا پسرِ سعد چترزر — خادم کئی تھے مروحہ جنباں اِدھر اُدھر
کرتے تھے آب پاش مکرر زمیں کو تر — فرزند فاطمہؓ پہ نہ تھا سایۂ شجر
وہ دھوپ دشت کی وہ جلال آفتاب کا
سونلا گیا تھا رنگ مبارک جناب کا

۱۲۸

کہتا تھا ابن سعد کہ اے آسماں جناب — بیعت جو کیجئے ابھی تو حاضر ہے جام آب
فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانماں خراب — دریا کو خاک جانتے ہیں ابن بوتراب
فاسق ہے پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آبِ بقا ہو یہ تو مرے کام کا نہیں

۱۲۹

کہہ دوں تو خوان لیکے خود آئیں ابھی خلیل — چاہوں تو سلسبیل کو دم میں کروں سبیل
کیا جام آب کا تو مجھے دے گا او ذلیل — بے آبرو خسیس ستمگر دنی بخیل
جس پھول پر پڑے تیرا سایہ وہ بو نہ دے
کھلوائے فصد تو تو کبھی رگ لہو نہ دے

۱۳۰

گر جم کا نام لوں تو ابھی جام لے کے آئے — کوثر ابھی رسولؐ کا احکام لے کے آئے
روح الامیں زمیں پہ مرا نام لے کے آئے — لشکر ملک کا فتح کا پیغام لے کے آئے
چاہوں جو انقلاب تو دُنیا تمام ہو
اُلٹے زمین یوں کہ نہ ضو نہ شام ہو

۱۳۱

فرما کے یہ نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار — تھرا کے پیچھے پاؤں ہٹا وہ ستم شعار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار — آواز کوس حرب ہوئی آسماں کے پار
نیزے اُٹھا کے جنگ پہ اسوار تل گئے
کالے نشان فوج سیہ رو کے کھل گئے

۱۳۲

وہ دھوم طبل جنگ کی وہ بوق کا خروش — کر ہو گئے تھے شور سے کروبیوں کے گوش
تھرائی یوں زمیں کہ اڑے آسماں کے ہوش — نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سواران شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

مطلع دوم

۱۳۳

جب رن میں تیغ تول کے سلطان دیں بڑھے — گیتی کے تھام لینے کو روح الامیں بڑھے
مانند شیر نر کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے — گویا علیؓ اُلٹتے ہوئے آستیں بڑھے

جلوہ دیا جری نے عروسِ مصاف کو
مشکلکشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو

۱۳۴
کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا   جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جدا
مہتاب سے شعاع جُدا گل سے بو جُدا   سینے سے دم جُدا رگ جاں سے لہو جُدا
گرجا جو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلی نکل پڑی

۱۳۵
آئے حسینؑ یوں کہ عقاب آئے جس طرح   کافر پہ کبریا کا عتاب آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح   دوڑا فرس نشیب میں آب آئے جس طرح
یوں تیغ تیز کوند گئی اس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

۱۳۶
گرمی میں تیغ برق جو چمکی شرر اُڑے   جھونکا چلا ہوا کا جوسن سے تو سر اُڑے
پرکالۂ سپر جو اِدھر اور اُدھر اُڑے   روح الامیں نے صاف یہ جانا کہ پر اُڑے
ظاہر نشان اسم عزیمت اثر ہوئے
جن پر علی لکھا تھا وہی پر سپر ہوئے

۱۳۷
جس پر چلی وہ تیغ دو پارا کیا اُسے   کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارا کیا اسے
واں تھی جدھر اجل نے اشارہ کیا اسے   سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اسے
نے زیں تھا فرس پہ نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر

۱۳۸
آئی چمک کے غول پہ جب سر گرا گئی   دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
ایک ایک قصر تن کو زمیں پر گرا گئی   سیل آئی زور شور سے جب گھر گرا گئی

آب پہنچا اس کے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہ گیا

۱۳۹

یہ آبرو یہ شعلہ فشانی خدا کی شان — پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی خدا کی شان — استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان
لہرائی جب اُتر گیا دریا بڑھا ہوا
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی چڑھا ہوا

۱۴۰

قلب و جناح میمنہ و میسرا تباہ — گردن کشانِ اُمّتِ خیر الوریٰ تباہ
جنباں زمیں صفیں تہ و بالا پرا تباہ — بے جان جسم روح مسافر ہوا تباہ
بازار بند ہو گئے جھنڈے اُکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ محلے اُجڑ گئے

۱۴۱

اللہ ری تیزی و برش اس شعلہ رنگ کی — چمکی سوار پر تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی طلبگار جنگ کی — حاجت نہ سان کی تھی اسے اور نہ سنگ کی
خوں سے فلک کو لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار دم میں چرخ پہ چڑھتی اُترتی تھی

۱۴۲

تیغِ خزاں تھی گلشنِ ہستی سے کیا اسے — گھر جس کا خود اُجڑ گیا بستی سے کیا اسے
وہ حق نما تھی کفر پرستی سے کیا اسے — جو آپ سر بلند ہو پستی سے کیا اسے
کہتے ہیں راستی جسے وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زباں کے ساتھ برش دم کے ساتھ ہے

۱۴۳

سینے پہ چل گئی تو کلیجہ لہو ہوا — گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہوا
چمکی تو الاماں کا غُل چار سو ہوا — جو اُس کے منہ پہ آ گیا بے آبرو ہوا

رُکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہو گئے تھے اُس کی آنچ سے

۱۴۴

بچھ بچھ گئیں صفوں پہ صفیں وہ جہاں چلی   چمکی تو اس طرف ادھر آئی وہاں چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری کہاں چلی   اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی
مُنھ کس طرف ہے تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

۱۴۵

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوتے تھے جاں سے ہاتھ   گردن سے سر الگ تھا جدا تھے نشاں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ   جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہ تھے مُنھ چھپانے کو
ہاں پاؤں رہ گئے تھے فقط بھاگ جانے کو

۱۴۶

اللہ رے خوف تیغ شہِ کائنات کا   زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا
دریا میں حال یہ تھا ہر اِک بدصفات کا   چارہ فرار کا تھا نہ یارا ثبات کا
غُل تھا کہ برق گرتی ہے ہر درع پوش پر
بھاگو خُدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

۱۴۷

ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بسر   مُنھ کھولے چھپتی پھرتی تھیں لیکن اِدھر اُدھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر   تھے تہ نشیں نہنگ مگر آب تھے جگر
دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

۱۴۸

آیا خُدا کا قہر جدھر سن سے آ گئی   کانوں میں الامان کی صدا رن سے آ گئی
دو کر کے خود زین پہ جوشن سے آ گئی   کھنچتی ہوئی زمین پہ توسن سے آ گئی

بجلی گری جو خاک پہ تیغ جناب کی
آئی صدا زمیں سے یا بوتراب کی

۱۴۹
پس پس کے کشمکش سے کماندار مر گئے — چلے تو سب چڑھے رہے بازو اُتر گئے
گوشے کٹے کمانوں کے تیروں کے پر گئے — مقتل میں ہو سکا نہ گذارا گذر گئے
دہشت سے ہوش اُڑ گئے تھے مکر و وہم کے
سوفار کھول دیتے تھے مُنہ سہم سہم کے

۱۵۰
تیر افگنی کا جن کی ہر اک شہر میں تھا شور — گوشہ کہیں نہ ملتا تھا ان کو سوائے گور
تاریک شب میں جن کا نشانہ تھا پائے مور — لشکر میں خوف جانے انھیں کر دیا تھا کور
ہوش اُڑ گئے تھے فوج ضلالت نشان کے
پیکاں میں زہ کو رکھتے تھے سوفار جان کے

۱۵۱
صف پر صفیں پروں پہ پرے پیش و پس گرے — اسوار پر سوار فرس پر فرس گرے
اُٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے — مخبر پہ پیک پیک پہ مرکر عسس گرے
ٹوٹے پرے شکست وہ فوج ستم ہوئی
دُنیا میں اس طرح کی بھی افتاد کم ہوئی

۱۵۲
غصے تھا شیر شرزۂ صحرائے کربلا — چھوڑے تھا گرگ منزل و ماوائے کربلا
تیغِ علیؑ تھی معرکہ آرائے کربلا — خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا
بستی بسی تھی مردوں کے قریے اُجاڑ تھے
لاشوں کی تھی زمین سروں کے پہاڑ تھے

۱۵۳
غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے — تھی طرفہ کشمکش فلکِ پیر کے تلے
چلے سمٹ کے جاتے تھے زہ گیر کے تلے — چھپتی تھی سر جھکائے کماں تیر کے تلے

اس تیغ بے دریغ کا جلوہ کہاں نہ تھا
سہمے تھے سب پہ گوشۂ امن و اماں نہ تھا

۵۴

چاروں طرف کمان کیانی کی وہ ترنگ   رہ رہ کے ابر شام سے تھی بارشِ خدنگ
وہ شور و صیحہ[۱]، فرس ابلق و سرنگ   وہ لوں وہ آفتاب کی تابندگی وہ جنگ
پھنکتا تھا دشت کین کوئی دل تھا نہ چین سے
اُس دن کی تاب و تب کوئی پوچھے حسینؑ سے

۵۵

سقے پکارتے تھے یہ مشکیں لئے ادھر   بازار جنگ گرم ہے ڈھلتی ہے دوپہر
پیاسا جو ہو وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر   مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہل شر
کیا آگ لگ گئی تھی جہانِ خراب کو
پیتے تھے سب حسینؑ ترٹپتے تھے آب کو

۵۶

گرمی میں پیاس تھی کہ پھنکا جاتا تھا جگر   اُف اُف کبھی کہا کبھی چہرے پہ لی سپر
آنکھوں میں ٹیس اُٹھی جو پڑی دھوپ پر نظر   جھپٹے کبھی ادھر کبھی حملہ کیا ادھر
کثرت عرق کے قطروں کی تھی روے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

۵۷

سیراب چھپتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے   چلتی تھی ایک تیغ علیؑ لاکھ رنگ سے
چمکی جو فرق پر تو نکل آئی تنگ سے   رکتی تھی نے سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خالق نے منھ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اس کے سامنے تھا پھپھولا حباب کا

۱؎ صیحہ بمعنی آواز سد ۱۲ ۔

۱۵۸

سہمے ہوئے تھے یوں کہ کسی کو نہ تھی خبر پیکاں کدھر ہے تیر کا سوفار ہے کدھر
مردم کی کشمکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں زمیں پر جھکا کے سر
ترکش سے کھینچے تیر کوئی یہ جگر نہ تھا
جس نے کہ سر پہ ہاتھ رکھا تن پہ سر نہ تھا

۱۵۹

گھوڑوں کی وہ تڑپ وہ چمک تیغ تیز کی سو سو صفیں کچل گئیں جب جست و خیز کی
لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی تھی چار سمت دھوم گریزا گریز کی
آری جو ہو گئی تھیں وہ سب ذوالفقار سے
تیغوں نے منہ پھرا لئے تھے کارزار سے

۱۶۰

اللہ ری لڑائی میں شوکت جناب کی سونلائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی
سوکھے تھے لب کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی تصویر ذوالجناح پہ تھی بوتراب کی
ہوتا تھا غل جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

۱۶۱

پھر تو یہ غل ہوا کہ دُہائی حسینؑ کی اللہ کا غضب تھا لڑائی حسینؑ کی
دریا حسینؑ کا ہے ترائی حسینؑ کی دُنیا حسینؑ کی ہے خُدائی حسینؑ کی
بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوحؑ کا
اب رحم واسطہ علی اکبر کی روح کا

۱۶۲

اکبر کا نام سُن کے جگر پر لگی سناں آنسو بھر آئے روک لی رہوار کی عناں
مُڑ کر پکارے لاش پسر کو شہِ زماں تم نے نہ دیکھی جنگ مری اے پدر کی جاں
قسمیں تمھاری روح کی یہ لوگ دیتے ہیں
لو اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

۱۶۳

چلایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابن سعد — اے وا فضیحتا یہ ہزیمت ظفر کے بعد
زیبا دلاوروں کو نہیں ہے خلاف وعد — اک پہلواں یہ سنتے ہی گرجا مثال رعد
نعرہ کیا کہ کرتا ہوں حملہ امام پر
اے ابن سعد لکھ لے ظفر میرے نام پر

۱۶۴

بالا قد و کلفت و تنومند خیرہ سر — روئیں تن و سیاہ دروں آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے ترکش اجل کا گھر — تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
دل میں بدی طبیعتِ بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

۱۶۵

ساتھ اُس کے اور اسی قد و قامت کا ایک بل — آنکھیں کبود رنگ سیہ ابرووں پہ بل
بدکار و بدشعار و ستمگار و پُر دغل — جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکروں کے دل
بھالے لئے کسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ حرب گرز پہ یہ تیغ تیر پر

۱۶۶

کھنچ جائے شکل حرب وہ تدبیر چاہئے — دشمن بھی سب مقر ہوں وہ تقریر چاہئے
تیزی زباں میں صورت شمشیر چاہئے — فولاد کا قلم دم تحریر چاہئے
نقشہ کھنچے گا صاف صفِ کارزار کا
پانی دوات چاہتی ہے ذوالفقار کا

۱۶۷

لشکر میں اضطراب تھا فوجوں میں کھلبلی — ساونت بے حواس ہراساں دھنی بلی
ڈر تھا کہ لو حسینؑ بڑھے تیغ اب چلی — غُل تھا ادھر ہیں مرحب و عنتر اُدھر علی
کون آج سربلند ہو اور کون پست ہو
کس کی ظفر ہو دیکھئے کس کی شکست ہو

۱۶۸

آواز دی یہ ہاتفِ غیبی نے تب کہ ہاں بسم اللہ اے امیرِ عرب کے سرورِ جاں
اُٹھی علیؑ کی تیغ دو دم چاٹ کر زباں بیٹھے درست ہو کے فرس پر شہِ زماں
وال سے وہ شور بخت بڑھا نعرہ مار کے
پانی بھر آیا منھ میں اِدھر ذوالفقار کے

۱۶۹

لشکر کے سب جواں تھے لڑائی میں جی لڑائے وہ بد نظر تھا آنکھوں میں آنکھیں اُدھر گڑائے
ڈھالیں لڑیں سپاہ کی یا ابر گڑگڑائے غصے میں آ کے گھوڑے نے بھی دانت کڑکڑائے
ماری جو ٹاپ ڈر کے ہٹے ہر لعیں کے پانوں
ماہی پہ ڈگمگا گئے گاوِ زمیں کے پانوں

۱۷۰

نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند مشکلکشا کے لال نے کھولے تمام بند
تیر و کماں سے بھی نہ ہوا جب وہ بہرہ مند چلّہ اُدھر کھنچا کہ چلی تیغ سر بلند
وہ تیر کٹ گئے جو در آتے تھے سنگ میں
گوشے نہ تھے کماں میں نہ پیکاں خدنگ میں

۱۷۱

ظالم اُٹھا کے گرز کو آیا جناب پر طاری ہوا غضب خلفِ بوترابؑ پر
مارا جو ہاتھ پانوں جما کر رکاب پر بجلی گری شقی کے سرِ پُر عتاب پر
بد ہاتھ میں شکست ظفر نیک ہاتھ میں
ہاتھ اُڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ ایک ہاتھ میں

۱۷۲

کچھ دست پاچہ ہو کے چلا تھا وہ نابکار پنجے سے پر اجل کے کہاں جا سکے شکار
واں اُس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغ آبدار یاں سر سے آئی پشت کے مہروں پہ ذوالفقار
قربان تیغ تیز شہِ نامدار کے
دو ٹکڑے تھے سوار کے دو راہوار کے

[۱۷۳]
پھر دوسرے پر گرز اُٹھا کر پکارے شاہ　　کیوں ضرب ذوالفقار پہ تو نے بھی کی نگاہ
سرشار تھا شراب تکبّر سے روسیاہ　　جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوئے تھی راہ
غُل تھا اُسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے
لو دوسرا شکار چلا مُنہ میں شیر کے

[۱۷۴]
آتا تھا وہ کہ اسپِ شہِ دیں پلٹ پڑا　　ثابت ہوا کہ شیرِ گرسنہ جھپٹ پڑا
تیغہ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پھٹ پڑا　　ضربت پڑی کہ گنبدِ دوّار پھٹ پڑا
پیوندِ صدرِ زیں جسد و فرق ہو گیا
گھوڑا زمیں میں سینے تلک غرق ہو گیا

[۱۷۵]
پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر　　شیروں سے دشت گرگ سے بن اژدروں سے در
شاہین و کبک چھپ گئے یکجا ملا کے سر　　اُڑ کر گرے جزیروں میں جنگل کے جانور
سمٹے پہاڑ مُنہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرُغ نے گرا دیے پر کانپ کے

[۱۷۶]
آئی صدائے غیب کہ شبیر مرحبا　　اِس ہاتھ کے لئے تھی یہ شمشیر مرحبا
یہ آبرو یہ جنگ یہ توقیر مرحبا　　دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر مرحبا
غالب کیا خُدا نے تجھے کائنات پر
بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر

[۱۷۷]
بس اب نہ کر وغا کی ہوس اے حسینؑ بس　　دم لے ہوا میں چند نفس اے حسینؑ بس
گرمی سے ہانپتا ہے فرس اے حسینؑ بس　　وقتِ نمازِ عصر ہے بس اے حسینؑ بس
پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں اژدہام میں
اب اہتمام چاہیئے اُمت کے کام میں

۱۰۸
لبیک کہہ کے تیغ رکھی شہ نے میان میں ‌ ‌ ‌ پلٹی سپاہ آئی قیامت جہان میں
پھر سرکشوں نے تیر ملائے کمان میں ‌ ‌ ‌ پھر کھل گئے لپیٹ کے پھریرے نشان میں
بیکس حسینؑ ظلم شعاروں میں گھر گئے
مولا تمہارے لاکھ سواروں میں گھر گئے

۱۰۹
سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر ‌ ‌ ‌ چھاتی پہ لگ گئے کئی سو ایک بار تیر
پہلو کے پار برچھیاں سینے کے پار تیر ‌ ‌ ‌ پڑتے تھے دس جو کھینچتے تھے تن سے چار تیر
یوں تھے خدنگ ظل الٰہی کے جسم پر
جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم پر

۱۱۰
چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؑ پر ‌ ‌ ‌ ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؑ پر
یہ دکھ نبیؐ کے گود کے پالے حسینؑ پر ‌ ‌ ‌ قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسینؑ پر
تیر ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

۱۱۱
لاکھوں میں ایک بیکس و دلگیر ہائے ہائے ‌ ‌ ‌ فرزند فاطمہؑ کی یہ توقیر ہائے ہائے
بھالے وہ اور پہلوئے شبیر ہائے ہائے ‌ ‌ ‌ وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر ہائے ہائے
غصے میں تھے جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے
خالی کئے حسینؑ پہ ترکش بھرے ہوئے

۱۱۲
وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقت جنگ ‌ ‌ ‌ اک سنگدل نے پاس سے مارا جبین پہ سنگ
صدمے سے زرد ہو گیا سبط نبیؐ کا رنگ ‌ ‌ ‌ ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پہ لگا خدنگ
تھاما گلا جناب نے ماتھے کو چھوڑ کے
نکلا وہ تیر حلق مبارک کو توڑ کے

۱۸۳

لکھا ہے تین پھال کا تھا ناوکِ ستم — مُنہ کُھل گیا اُلٹ گئی گردن رُکا جو دم
کھینچی سری گلے کی طرف سے بچشمِ نم — پھالیں نکالیں پشت کی جانب سے ہو کے خم
اُبلا جو خون نکلتا ہوا دم ٹھہر گیا
چُلّو رکھا جو زخم کے نیچے تو بھر گیا

۱۸۴

دُشمن تھا شہ کا اعور سلمی عدوے دیں — سر پر لگائی تیغ کہ شق ہو گئی جبیں
ماری جگر پہ ابن انس نے سنان کیں — بھاگا گڑو کے کوکھ میں برچھی کو اِک لعیں
گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی
تھرا گئی ضریح رسالت پناہ کی

۱۸۵

گرتے ہیں اب حسینؑ فرس پر سے ہے غضب — نکلی رکاب پاے مطہر سے ہے غضب
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ہے غضب — غش میں جُھکے عمامہ گرا سر سے ہے غضب
قرآں رحل زین سے بر فرش گر پڑا
دیوار کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا

۱۸۶

گر کر کبھی اُٹھے کبھی رکھا زمیں پہ سر — اُبلا لہو کبھی تو سنبھالا کبھی جگر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر — کروٹ کبھی تڑپ کے اِدھر لی کبھی اُدھر
اُٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑ گئے جب مُنہ کے بھل گرے

۱۸۷

جنگل سے آئی فاطمہ زہراؑ کی یہ صدا — اُمّت نے مجکو لوٹ لیا وا محمدا
اِس وقت کون حقِ محبت کرے ادا — ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا
اُنیس سو ہیں زخم تنِ چاک چاک پر
زینبؑ نکل حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر

۱۸۸

پردہ اُلٹ کے بنتِ علیؑ نکلی ننگے سر — لرزاں قدم خمیدہ کمر غرق خوں جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر — اے کربلا بتا ترا مہمان ہے کدھر
اماں قدم اب اُٹھتے نہیں تشنہ کام کے
پہنچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے

۱۸۹

اس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں ہے سیاہ — لوگو خدا کے واسطے مجکو بتاؤ راہ
سید کدھر تڑپتا ہے اماں کدھر ہیں آہ — کس سمت ہے نبیؐ کے نواسے کی قتلگاہ
شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے
یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے

۱۹۰

کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرف نہ آؤ — بس اب سفر قریب ہے للہ گھر میں جاؤ
اب ڈوبتی ہے آلِ رسولِ خدا کی ناؤ — یا مرتضیٰ غریبوں کے بیڑے کو تم بچاؤ
اب چھوڑیو نہ دشتِ بلا میں حسینؑ کو
یا فاطمہ چھپا لو ردا میں حسینؑ کو

۱۹۱

بنتِ علی تو پیٹتی پھرتی تھی ننگے سر — کٹتا تھا نورِ چشمِ علی کا گلا ادھر
زینبؑ کو منع کرتے تھے ہر چند اہلِ شر — لیکن وہ دوڑی جاتی تھی بھائی کی لاش پر
پہنچی جو قتلگاہ میں اس روک ٹوک پر
دیکھا سرِ حسینؑ کو نیزے کی نوک پر

۱۹۲

نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار — سید تری لہو بھری صورت کے میں نثار
ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیا چھری کی دھار — بھولے بہن کو اے اسدِ حق کے یادگار
صدقے گئی لٹا گئے گھر وعدہ گاہ میں
جنبش لبوں کو ہے ابھی یادِ الٰہ میں

۱۹۳
بھیّا سلام کرتی ہے خواہر جواب دو   چلّا رہی ہے دخترِ حیدر جواب دو
سوکھی زباں سے بہرِ پیمبر جواب دو   کیونکر جیئے گی زینبؑ مضطر جواب دو
جُز مرگ دردِ ہجر کا چارا نہیں کوئی
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی

۱۹۴
بھیّا میں اب کہاں سے تمھیں لاؤں کیا کروں   کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں کیا کروں
کس کی دُہائی دوں کسے چلّاؤں کیا کروں   بستی پرائی ہے میں کدھر جاؤں کیا کروں
دُنیا تمام اُجڑ گئی ویرانہ ہو گیا
بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا

۱۹۵
ہے ہے تمھارے آگے نہ خواہر گذر گئی   بھیّا بتاؤ کیا تہِ خنجر گذر گئی
آئی صدا نہ پوچھو جو ہم پر گذر گئی   صد شکر جو گذر گئی بہتر گذر گئی
سر کٹ گیا ہمیں تو الم سے فراغ ہے
گر ہے تو بس تمھاری جُدائی کا داغ ہے

۱۹۶
گھر لوٹنے کو آئے گی اب فوج نابکار   کہیو نہ کچھ زباں سے بجز شکر کردگار
خیمہ میں جبکہ آگ لگا دیں ستم شعار   رہیو مری یتیم سکینہؑ سے ہوشیار
بیزار ہے وہ خستہ جگر اپنی جان سے
باندھے نہ کوئی اس کا گلا ریسمان سے

۱۹۷
بس اے انیسؔ ضعف سے لرزاں ہے بند بند   عالم کو یادگار رہیں گے یہ چند بند
نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا بلند بند   عالم پسند بند ہیں سلطان پسند بند
یہ فضل اور یہ بزمِ عزا یادگار ہے
پیری کے ولولے ہیں خزاں کی بہار ہے

مرثیہ (۷)

۱

جاتی ہے کس شکوہ سے رَن میں خُدا کی فوج — کمریں وغا پہ باندھے ہے مشکلکشا کی فوج
صف بستہ آگے پیچھے ہے سب پیشوا کی فوج — جنّت کا رُخ کئے ہے شہِ کربلا کی فوج

ڈیوڑھی پہ جن و انس و ملک کا ہجوم ہے
خیمے سے اب علم کے نکلنے کی دھوم ہے

۲

حاضر ہیں صبح سے درِ دولت پہ جاں نثار — اِک سو ٹہل رہے ہیں رفیقانِ ذی وقار
پیدل کھڑے ہیں سامنے باندھے ہوئے قطار — بیٹھے ہیں زین پوش بچھائے ہوئے سوار

شوقِ زیارتِ علمِ فوجِ شاہ ہے
اِک اِک کی جانبِ درِ دولت نگاہ ہے

۳

رُخ ہے کسی کا جوشِ شجاعت سے لالہ رنگ — کوئی سنوارتا ہے بدن پر سلاحِ جنگ
جُھک جُھک کے چُست کرتا ہے کوئی فرس کا تنگ — چلّے سے جوڑتا ہے کوئی فاقہ کش خدنگ

بھالا سنبھالتا ہے کوئی جھوم جھوم کے
تکتا ہے کوئی تیغ کے قبضے کو چوم کے

۴

ملتا ہے ہنس کے ایک جواں ایک کے گلے — ساری خوشی یہ ہے کہ بس اب خُلد میں چلے
چہرے وہ سُرخ سُرخ وہ جرأت کے ولولے — حق سے یہ التجا کہ نہ رن سے قدم ٹلے

مر کر بھی دل میں اُلفتِ حیدر کی بو رہے
پانی ہمیں ملے نہ ملے آبرو رہے

حاضر ہے ذوالجناح شہنشاہِ بحر و بر — کلغی ہے یا کہ خوشۂ پروین قریب سر
خادم چنور لئے ہیں گمس ران ادھر اُدھر — پیچھے ہیں بادپائے عزیزانِ نامور
گھوڑے سمند سرورِ ذی شان کے ساتھ ہیں
پریوں کے غول تختِ سلیماں کے ساتھ ہیں

ڈیوڑھی پہ خادمات محل کی یہ ہے پکار — آتے ہیں اب حضور خبردار ہوشیار
خلعت پہن رہے ہیں علمدار نامدار — نذریں خوشی کے دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

یہ سن کے شاد ہوگئی فوجِ حسینؑ سب — آئے رفیق سب درِ دولت پہ باادب
بولے حبیب ابن مظاہر کہ شکر رب — ہاں سرفروشو جنگ و جدل کا مزا ہے اب
سر دے کے لے بہشت کی جس کو تلاش ہو
دیکھیں علم کے سائے میں کس کس کی لاش ہو

کون اور کائنات میں ہے دوسرا جواں — قابل اسی کے دوشِ مبارک کے تھا نشاں
بازوئے شاہِ دیں جسدِ مرتضیٰ کی جاں — پیروں کا سرپرست جوانوں کا قدرداں
باتیں پیمبروں کی خدا کے ولی میں تھیں
سب اس میں جمع ہیں صفتیں جو علیؑ میں تھیں

الفت وہی حیا وہی مہر و وفا وہی — طاقت وہی وقار وہی اتقا وہی
بخشش وہی کرم وہی جود و سخا وہی — جرأت وہی جدال وہی دبدبا وہی
گیتی میں اور بھی کوئی ایسا دلیر ہے
خود تھا علیؑ کا قول کہ عباسؑ شیر ہے

ے غازی درِ حضور پہ آئے بصد طرب۔

بے مثل سب ہیں قبلۂ عالم کے رشتہ دار ۔ لیکن خدا نے اس کو دیا ہے عجب وقار
جیسے نبیؐ کی فوج میں تھے شیر کردگارؑ ویسا ہی بے عدیل ہے یہ شہ کا جاں نثار
سب فوج سے بڑھا ہوا رتبہ اسی کا تھا
شیرِ خدا کے بعد یہ حصہ اسی کا تھا

باہر تو اشتیاق علم میں ہے سب سپاہ خیمے میں باندھتے ہیں کمر شاہ دیں پناہ
سب خویش واقربا ہیں مسلح قریب شاہ ہیں سامنے علم لئے عباسؑ عرش جاہ
رتبے کو اوج نخل ترقی مراد پر
گویا علیؑ کھڑے ہیں مہیا جہاد پر

شیرِ خدا کا خود مبارک ہے زیب سر کلغی ہمارے اوج سعادت کے جس میں پر
ماتھا ہے یا کہ ابر سے نکلا ہوا قمر ابرو ہیں ذوالفقار یداللہ نامور
ڈورے جو سرخ سرخ ہیں چشمِ سیاہ میں
پھرتی ہیں خوں بھری ہوئی تیغیں نگاہ میں

اس کی خوشی جو تھی کہ ملا رایتِ رسولؐ رخسار تھے کھلے ہوئے دوارغواں کے پھول
قد سرو باغ حسن نہ پستی فزوں نہ طول وہ لب کہ جس سے روح کو ہو تازگی حصول
یہ شور تھا نمک کا جہاں کے رواق میں
حوریں بھی ہونٹ چاٹتی تھیں اشتیاق میں

دیتے تھے تہنیت جو عزیزان پر جگر عباس مسکرا کے جھکاتے تھے اپنا سر
فرطِ طرب سے چاند سا چہرہ تھا جلوہ گر رخ کی ضیا ادھر تھی علم کی چمک ادھر
وہ آسمان حشم ہے یہ کیواں جناب ہیں
غل تھا کہ ایک صبح میں دو آفتاب ہیں

۱؎ خلد

۱۵
زینب بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار　　منصب مبارک اے شہ مرداں کے یار
کہتے تھے ہاتھ جوڑ کے عباسؑ ذی وقار　　مجھ کو سمجھئے عون و محمد کا جاں نثار
اُن کی طرف سے مہتمم بندوبست ہوں
مالک یہ شاہزادے ہیں میں پیش دست ہوں

۱۶
فرماتی تھیں یہ دخترِ خاتون کائنات　　دونوں کے تم بزرگ ہو یہ کونسی ہے بات
اُس وقت ہے خوشی جو اس آفت سے ہو نجات　　سمجھوں کہ بیکسوں کو دوبارہ ملی حیات
گھیرا ہے بے گناہ شہِ مشرقین کو
تم سب شریک ہو کے بچالو حسینؑ کو

۱۷
سب خوش تھے خیمۂ شہِ ذی جاہ میں مگر　　چیں بر جبیں تھے زینبِ ناشاد کے پسر
نہ جانبِ علم تھی نہ ماں کی طرف نظر　　آنکھوں میں ڈبڈبائے تھے آنسو جھکے تھے سر
اس طرح تھا عرق رُخِ پُر آب و تاب پر
جیسے پڑے ہوں قطرۂ شبنم گلاب پر

۱۸
پھر کر اُدھر سے ماں نے جو بیٹوں پہ کی نظر　　سمجھیں علم نہ ملنے سے بے دل ہیں یہ قمر
ہٹ کر کیا اشارہ کہ آؤ ذرا ادھر　　آئے عقب سے شہ کے سعادت نشاں پسر
بولیں کہ اب نہ ہوش نہ مجھ میں حواس ہیں
قربان جاؤں کیا ہے جو چہرے اُداس ہیں

۱۹
ہتھیار سج چکے ہیں شہنشاہ حق شناس　　تم نے نہ زیب جسم کیا فاخرہ لباس
مردوں کو جان دینے میں ہوتا نہیں ہراس　　دولھا سے بن کے جاؤ امامِ اُمم کے پاس
کچھ مانگتے ہیں آؤ میں کپڑے اُتار دوں
سرمہ لگا دوں گیسوئے مشکیں سنوار دوں

۱۱

شب سے تو صبح تک یہ دُعا تھی ہر ایک پل		تینوں ہیں پہلے ہم کو کرے سُرخرو اجل
اب کیا ہوا یہ کون سا غصّے کا ہے محل		آنکھوں میں اشک رُخ پہ عرق ابروؤں پہ بل
وہ خوش مزاجیاں نہ وہ باتوں کے طور ہیں
اس وقت دیکھتی ہوں کہ تیور ہی اور ہیں

۱۲

ماں پر یہ آفتیں ہیں یہ ماموں پہ ظلم و جور		پیارے ہمارے حال پہ لازم ہے تم کو غور
نازک مزاجیوں کے کسی دن نہ تھے یہ طور		اب مشورے ہیں اور تصور ہیں اور اور
وہ دل نہیں وہ آنکھ نہیں وہ نظر نہیں
اوروں کا ذکر کیا تمھیں میری خبر نہیں

۱۳

اس کا نہیں خیال کہ کیونکر جیے گی ماں		ہوتا ہے آفتوں میں محبت کا امتحاں
تم میری دس برس کی ریاضت ہو میری جاں		مجھ سے سوا ہے کون تمھارا مزاج داں
جس پر یہ برہمی ہے وہ سب جانتی ہوں میں
غصّے کی آنکھ کا ہے کہ پہچانتی ہوں میں

۱۴

پردہ ہے تو سناؤ الگ چل کے دل کا حال		دونوں نے عرض کی کہ نہیں کچھ نہیں ملال
ہاں آج ہم کو بھول گئے شاہ خوش خصال		اوروں کی پرورش ہے ہمارا نہیں خیال
کیا ورثہ دار جعفر طیار ہم نہ تھے
اس عہدۂ جلیل کے حقدار ہم نہ تھے

۱۵

انگشت رکھ کے دانتوں میں ماں نے کہا کہ ہا		اب اُس کا ذکر کیا ہے جو ہونا تھا ہو چکا
دیکھو سنیں نہ زوجۂ عباسؑ، ہاو فا		اچھا یہ ہے خوشی کی جگہ یا گلے کی جا
غبطہ نہ اُس میں چاہیئے جو امر خیر ہو
واری وہ کون غیر ہے تم کون غیر ہو

۲۵

اک دوپہر کے واسطے ناحق یہ قیل و قال   تا حشر تم نہ ہوگے نہ عباسؑ خوشخصال

اس دن کی دے گئے ہیں خبر شیرِ ذوالجلال   مجھ کو نہیں یقیں کہ بچے فاطمہؑ کا لال

پیدا ہوئی ہوں اشک بہانے کے واسطے

رہ جاؤں گی میں قید میں جانے کے واسطے

۲۶

لو اپنے دودھ کی تمھیں دیتی ہوں میں قسم   اب کچھ کہو گے منھ سے تو ہوگا مجھے بھی غم

سنتے تھے تم جو کہتے تھے عباسِ ذی حشم   دو جا کے اُن کو تہنیتِ عہدۂ علم

صدقے گئی خلافِ ادب کچھ سخن نہ ہو

میری خوشی یہ ہے کہ جبیں پر شکن نہ ہو

۲۷

کنبے میں ایک نے بھی اگر سن لیا یہ حال   کہتی ہوں صاف میں مجھے ہوگا بہت ملال

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولے وہ نونہال   ہم باوفا غلام ہیں کیا تاب کیا مجال

دیجے سزا ہمیں جو بل ابرو پہ پھر پڑیں

کہیے تو چھوٹے ماموں کے قدموں پہ گر پڑیں

۲۸

زینبؑ بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار   دونوں ہو تم سعید و رشید و وفا شعار

دے ایسے مال سب کو زمانے میں کردگار   ذی قدر و ذی شعور و سخن فہم و ذی وقار

لازم خوشی ہے جو جسے عہدہ سپرد ہو

چھوٹوں کے تم بزرگ بزرگوں کے خورد ہو

۲۹

پہنائے پیار سے اُنھیں پھر فاخرہ لباس   ہتھیار جب لگائے تو روئیں بہ درد و یاس

جبؔ اُن کو لے کے آئیں امامِ اُمم کے پاس   بولے گلے لگا کے اُنھیں شاہ حق شناس

ے دولھا بنا کے لائیں جو شاہ

دو چاند ہیں یہ خانۂ شیرِ الٰہ میں
زینبؑ انھیں بھی بھیجو گی کیا قتل گاہ میں

۳۰

نکلے نہیں ہیں گھر سے ابھی تک یہ گلبدن — تلوار گر چلی تو پڑے گا غضب کا رن
نوجوں سے گونجتا ہے یہ سب کربلا کا بن — طالب ہیں ایک جان کے دو لاکھ تیغ زن
لشکر کے تیر کیں[1] مرے جاتے ہی آئیں گے
میں کس طرح جیوں گا جو یہ زخم کھائیں گے

۳۱

بنتِ علیؑ نے عرض یہ کی ہاتھ جوڑ کر — رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہ بحر و بر
اک جان ہے بس اور یہ دو پارۂ جگر — مایہ مرا یہی یہی دولت یہی ہے زر
پالا ہو جس نے اس کا نہ کچھ حق ادا کروں
ان کو بچاؤں گر تو کسے پھر فدا کروں

۳۲

اس کا نہ کیجے دھیان کہ یہ سن میں ہیں صغیر — دونوں نے بنتِ شیرِ خدا کا پیا ہے شیر
ہمت میں بے عدیل ہیں جرأت میں بے نظیر — سینہ سپر کریں گے یہ جس دم چلیں گے تیر
تلواریں چمکیں خون کے دریا چڑھے رہیں
امید ہے کہ سب سے یہ آگے بڑھے رہیں

۳۳

حضرت کے آگے بات کی ان کو نہیں مجال — مخفی حضور پہ ہے ارادوں کا ان کے حال
دادا کا رعب و دبدبہ و شوکت و جلال — تیغ و سپر میں ہے شہِ مرداں کی چال ڈھال
کیجے نظر سنوں پہ تو بیشک صغیر ہیں
ہمت میں نوجواں[2] ہیں متانت میں پیر ہیں

---

۱ مری جانب جو ۲ تو۔

۲۴
روتی تھی میں جو آج کی شب کو بہ دردو یاس — دونوں دلاسا دینے کو آبیٹھے میرے پاس
رو کر کہا کہ آپ کو اتنا ہے کیوں ہراس — آسان کچھ ہے قتل شہنشاہ حق شناس
بچے ہیں شیر کے جنھیں بچہ سمجھتی ہیں
کیا آپ ماموں جان کو تنہا سمجھتی ہیں

۲۵
حضرت کے ساتھ فضل خدا سے ہیں وہ دلیر — تھرا کے بھاگ جاتا ہے نعروں سے جن کے شیر
تا کوفہ کیا عجب ہے جو ہوں زخمیوں کے ڈھیر — کر دیں گے رستموں کو زبردستیوں سے زیر
کل شیر سب ہیں اور یہ دشتِ مصاف ہے
سُن لیجئے گا آپ کو میدان صاف ہے

۲۶
بیکا ہو دشمنوں کا شہِ دیں کے بال اگر — پھر کاٹ ڈالئے گا تنوں سے ہمارے سر
حضرت تک آسکے کوئی کیا تاب کیا جگر — آنکھیں نکال لیں جو کرے غیظ سے نظر
پوتے شجاع کے ہیں نواسے دلیر کے
ساعد یہ ہیں علیؑ کے یہ پنجے ہیں شیر کے

۲۷
لاکھوں میں دس جوان ہیں اس آن بان کے — حافظ ہیں سب یہ آپؑ کے بھائی کی جان کے
حملے کریں گے رن میں جو سینوں کو تان کے — ہل جائیں گے زمیں سے طبق آسمان کے
سو سو کی جان لے کے ہر اک جان کھوئے گا
ہم سب کے بعد ہوگا جو قسمت میں ہوئے گا

۲۸
خالی نہ جائیں گے یہ شجاعت کے ولولے — رکھ دیں گے دوڑ دوڑ کے تیغوں پہ خود گلے
ہم بھی ہیں بنت فاطمہؑ کے شیر سے پلے — مرتے ہیں شوق میں کہیں تلوار تو چلے

ے مصحف ناطق

چمکا کے نیمچوں کو جو کھیلیں گے جان پر
لاشے زمیں پہ ہوں گے لہو آسمان پر

۲۹
دونوں نے اس طرح بفصاحت کیا بیاں
مجھ کو یقین فتح ہوا یا شہِ زماں
گویا دوبارہ آگئی میرے بدن میں جاں
خوش ہو کے بولی میں کہ تصدق ہو تم پہ ماں
محسن ہے آج جو مرے بھائی کی توتیج کرے
اس مُنھ کے میں نثار خدا اس کو سچ کرے

۳۰
ہر بار دیکھتی ہوں میں اُن کی طرف بغور
دو تین دن سے اور ہیں کچھ تیوروں کے طور
کہتے ہیں ناگوار ہیں اعدا کے ظلم و جور
تب چین ہو مٹے جو یزیدِ لعیں کا دور
سکّہ پڑے حسین علیہ السلام کا
خطبہ ہو ممبروں پہ شہِ دیں کے نام کا

۳۱
نو دس برس کے ہیں ابھی دونوں کا کیا ہے سن
راتیں یہ غفلتوں کی ہیں یہ کھیلنے کے دن
یہ تو وہ معرکہ ہے کہ ہیں مضطرب مُسن
لیکن کنیز اِن کی طرف سے ہے مطمئن
گھوڑے اُڑا اُڑا کے جو فوجوں پہ جائیں گے
اِتنا میں جانتی ہوں کہ جیتے نہ جائیں گے

۳۲
پہروں ہنسیں جو چھوٹے کی باتیں سُنیں حضور
کہتا ہے نیمچے کو ہلا کر وہ ذی شعور
نامرد ہے جو آج کرے جنگ میں قصور
اس کو نہ قصرِ خُلد ملے پھر نہ وصلِ حور
بس چند روزہ رہ چکے دُنیائے زشت میں
کل پہلے داخلہ ہے ہمارا بہشت میں

۳۳
ہر دم اُلٹ کے کُرتے کی ننھی سی آستیں
کہتا ہے کیا لڑیں گے دلیروں سے اہلِ کیں
ہیں مرتضیٰ علیؑ کے پسر شیرِ خشمگیں
جانیں ہزار ہوں تو نثارِ امامِ دیں

کل نیچے ہیں اور عدو کی سپاہ ہے
روتی ہیں والدہ ہمیں دُنیا سیاہ ہے

۴۴
ہنس ہنس کے مجھ سے کرتے تھے دونوں ابھی بیاں — ہم کو حضور نے نہ دیا فوج کا نشاں
میں نے کہا تو ہی ہوئے کچھ دست ناتواں — بولے کہ خیر آئے تو ہنگامِ امتحاں
اب تو غلام قبلۂ عالم کے ساتھ ہیں
کوفے کا ڈر ہے اور یہ کمزور ہاتھ ہیں

۴۵
فرمایا شہ نے اُن کی شجاعت میں فرق کیا — ہیں ورثہ دار شیر الٰہی یہ باوفا
اچھا ہمارے ساتھ چلے ایک دل رُبا — زینب تمہارے پاس رہے ایک مہ لقا
تم کس طرح جیو گی جو دونوں سے یاس ہو
گھر لُٹتے وقت ایک تو فرزند پاس ہو

۴۶
زینبؑ نے عرض کی کہ مجھے ہے یہ آرزو — دونوں نثار آپ پہ ہوں میرے روبرو
بچ جائے جان آپ کی یا شاہ نیک خو — ہیں طالبِ ثواب یہ خواہانِ آبرو
بہتر ہے دونوں بیٹوں کی گر سوگوار ہوں
میں بھی جناب فاطمہؑ کی ورثہ دار ہوں

۴۷
طفلی سے آج تک نہ ہوئے یہ کبھی جُدا — کھیلے تو ایک گھر میں پلے یہ تو ایک جا
چرچا ہے سارے کُنبے میں دونوں کے پیار کا — بیشک ہیں ایک جان دو قالب یہ مہ لقا
تڑپے ملاپ کو جو خفا ہو کے بھائی سے
وہ کس طرح جیے گا جُدا ہو کے بھائی سے

۴۸
دم بھر مفارقت ہو تو آنسو بہاتے ہیں — روتے ہیں اس طرح کہ مجھے بھی رُلاتے ہیں
دونوں جب ایک جا ہوں تو کھانے کو کھاتے ہیں[1] — مکتب میں ساتھ جاتے ہیں اور ساتھ آتے ہیں

[1] کھانا یہ

بھائی جو زخم نیزہ و شمشیر کھائے گا
انصاف آپ کیجیے یہ مر نہ جائے گا

۳۹
چھوٹا تنک مزاج ہے یا شاہِ بحر و بر سُن لے تو جان دیدے گلا اپنا کاٹ کر
نو دس برس جہاں میں ہوئے جس طرح بسر باہم یونہیں جہاں سے کریں آخری سفر
ہر جا بڑے کے ہاتھ میں چھوٹے کا ہاتھ ہو
میں چاہتی ہوں دونوں کا مرنا بھی ساتھ ہو

۴۰
باپ اُن کا آج ہوتا جو یا شاہِ نامدار کرتا قدم پہ سر کو تصدق بافتخار
ایک اُن کے بدلے آپ کے قدموں پہ ہوشیار میرے عوض فدا کرے ایک اپنی جان زار
ان پر ہمارا حق ہے تو ہم پر حق آپ کا[۱]
یہ بھی تو کچھ ادا کریں حق اپنے باپ کا[۲]

۴۱
کرتے تھے مجھ سے وقت سفر رو کے یہ بیاں محروم اس شرف سے ہوں میں زار و ناتواں
بچوں کا ساتھ اور سفرِ خوف الاماں مجبور دشمنوں میں چلے ہیں شہ زماں
وقت آ پڑے تو پاس ہمارا نہ کیجیو
بیٹوں کو تم حسینؑ سے پیارا نہ کیجیو

۴۲
گردن جھکا کے کہنے لگے شاہ خاص و عام تم کو جہاں میں پھر نہ ملیں گے یہ لالہ فام
مٹتی ہے نسل جعفر طیار نیک نام چھاتی سے سر لگا کے وہ بولی کہ یا امام
للّٰلہ ان کے باب میں اب کد نہ کیجیے
ہدیہ فقیر کا ہے اِسے رد نہ کیجیے

---

[۱] حسین کا [۲] والدین کا

چُپ رہ گئے بہن سے بہت خوب کہہ کے شاہ ۔ قاسم نے کی یہ عرض کہ یا شاہ دیں پناہ
بڑھ آئی ہے اُدھر سے بہت شام کی سپاہ ۔ فرمایا آپ نے کہ نگہبان ہے اللہ
حملوں سے فوج شام کے جی چھوٹ جائیں گے
جب ہم بڑھے تو مورچے سب ٹوٹ جائیں گے

زینبؑ کے نورِعین بڑھے جب بصد حشم ۔ کھولا سروں پہ حضرت عباسؑ نے علم
ماں کا اشارہ تھا کہ زہے شفقت و کرم ۔ ہاتھوں کو جوڑو جلد جھکو چوم لو قدم
کچھ حد ہے اس بزرگی و جاہ و جلال کی
دیکھیں نوازشیں شہِ مرداں کے لال کی

لے کر بلائیں بھائی کی بولی وہ سوگوار ۔ اپنے غلام سمجھو انھیں تم پہ ہیں نثار
پہلے پہل نکلتے ہیں گھر سے یہ گلعذار ۔ ان کی مدد ضرور ہے ہنگامِ کارزار
صدمے سے جان اب نہیں زہرا کی جائی میں
دھڑکا یہ ہے کہ دیکھیے کیا ہو لڑائی میں

سیراب اُدھر ہیں سب انھیں سولہ پہر کی پیاس ۔ کیا ہو جو نہر دیکھ کے ہو جائیں بے حواس
پشتی پہ جب ہو شیر تو بیجا ہے پھر ہراس ۔ رہیو نہ دور ان سے اگر ہے بہن کا پاس
بچے کہاں یہ اور وہ دل فوج شام کا
بھیّا مجھے ہے دھیان بزرگوں کے نام کا

زندوں میں آؤں ہیں جو یہ مقتل سے مرکے آئیں ۔ کُنبے میں سرخرو ہوں اگر خوں میں بھر کے آئیں
اُلٹیں بہادروں کی صفیں وام کر کے آئیں ۔ خیمے میں آئیں اب تو جہاں سے گذر کے آئیں
بھیّا قسم ہے مجھ کو جناب امیرؑ کی
پانی پیا تو بوند نہ بخشوں گی شیر کی

ے مجھے قسم ہے۔

۴۸
عباسؑ نے کہا یہ نہ فرمائیے حضور ایسے یہ شیر ہیں کہ وغا میں کریں قصور
بچے کسی نے دیکھے ہیں اس طرح کے غیور کرنے کو شام پر جو اُلٹ دیں تو کیا ہے دور
بچپن میں کافروں سے خُدا کے ولی لڑے
یہ یوں لڑیں گے جیسے اُحد میں علیؑ لڑے

۴۹
ہے سب عرب میں لیث نبی غالب اُن کا جد مثلِ علیؑ وغا میں کریں گے یہ جدّ وکد
جس دم رجز پڑھیں گے یہ صفدر بشدّ ومد غُل ہوگا گونجتے ہیں ترائی میں دو اسد
یہ پارۂ جگر ہیں علیؑ سے دلیر کے
سب خصلتیں ہیں شیر کی بچوں میں شیر کے

۵۰
کچھ فکر کی جگہ نہ تردد کا ہے مقام سُن لیجئے گا آج یہ جیسے کریں گے نام
اُن سے کبھی جُدا نہیں رہنے کا یہ غلام میں عبد سرفروش ہوں اے خواہرِ امام
بندوں کا حفظ خالقِ عالم کے ہاتھ ہے
روتی ہیں آپ کیوں مری جاں اُن کے ساتھ ہے

۵۱
یہ سُن کے مضطرب جو پھری وہ جگر فگار دیکھا بڑھے ہیں جانبِ در شاہِ نامدار
پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہِ ذی وقار زینب گلے سے بھائی کے لپٹو پھر ایک بار
جو حال دل ہے کہہ نہیں سکتا زباں سے میں
چھٹتی نہیں تم آج بچھڑتا ہوں ماں سے میں

۵۲
بھائی بہن کے درد کی باتیں لکھوں اگر بہہ جائے آب ہو کے جو پتھر کا ہو جگر
چھاتی سے سر لگائے ہوئے تھی وہ نوحہ گر رکھے ہوئے تھے دوش پہ منہ شاہ بحر و بر
غم سے جگر لہو تھا شہِ مشرقین کا
سیدانیوں میں شور تھا ہے ہے حسینؑ کا

۵۳

بنتِ علیؑ کے پیچھے تھی سیدانیوں کی صف　　غُل تھا مدد کو آیئے اب یا شہِ نجف
لڑیاں تھی چار ایک سی انکھوں کی دو طرف　　شہ کہتے تھے بہن نہ کرو جان کو تلف
غربت میں اور کوئی نہ یاور نہ عون ہے
تم مرگئیں تو پھر مرے بچوں کا کون ہے

۵۴

فرما کے یہ بڑھا پسرِ ختم مرسلیں　　مشکل تھا ضبط غش ہوئی وہ بیکس و حزیں
ماتم کی صف پہ بیبیاں زینب کو لے گئیں　　خیمے سے نکلے روتے ہوئے بادشاہِ دیں
دامن علم کا کھول کے عباسؑ رُک گئے
صف باندھ کر سلام کو مجرائی جُھک گئے

۵۵

دیکھا جو نورِ چہرۂ سردار خاص و عام　　پڑھنے لگے درود جوانانِ تشنہ کام
سر کو جُھکا جُھکا کے اُٹھے جب وہ نیک نام　　جو سر تھا سر جھکانے میں وہ پا گئے امام
یعنی غلام منکسر و خاکسار ہیں
اس پائے عرش قدر پہ یہ سرنثار ہیں

۵۶

سب فوج کو سلام کا جب دے چکے جواب　　پس جانبِ فرس متوجہ ہوئے جناب
روح الامیں نے دی یہ صدا تھام کر رکاب　　بسم اللہ اے خدیو زماں مالک الرقاب
نورِ محمدی رُخِ انور کی ضو میں ہے
شوکت تری رکاب میں نصرت جلو میں ہے

۵۷

اس شان سے فرس پہ شہِ انس و جن چڑھے　　جس طرح نکلے ابر سے خورشید دن چڑھے
بہرِ جہاد راہِ خدا مطمئن چڑھے　　گھوڑوں پہ نوجوانوں سے پہلے مُسن چڑھے
سب جاں فشاں سوار تھے راہِ ثواب میں
پیدل مگر تھے ابن مظاہر رکاب میں

۵۸

بڑھتا تھا خون جوشِ شجاعت سے دمبدم — گردن میں وہ کجی تھی نہ مطلق کمر میں خم
ہر نوجواں سے تھا یہ اشارہ بصد حشم — یعنی جہاں سے جائیں گے سیدھے جناں میں ہم
بر میں زرہ کمان کیانی تھی دوش پر
قبضے پہ ایک ہاتھ تھا اک زین پوش پر

۵۹

ابرو جھکے جو پڑتے تھے پلکوں پہ باربار — رومال پھاڑ کر اُنھیں باندھا تھا اُستوار
آنکھوں سے شیرِ نر کے جلالت تھی آشکار — گویا کہ تھی غلاف میں حیدرؑ کی ذوالفقار
جلدی چلے جو چند قدم جھوم جھوم کے
رعشہ وداع ہو گیا ہاتھوں کو چوم کے

۶۰

اک شور تھا کہ عود کیا پھر شباب نے — یا کی دُعا حبیب کے حق میں جناب نے
ریشِ سفید رُخ[عہ] پہ سیہ کی خضاب نے — پائی یہ آب و تاب کہاں آفتاب نے
لبریز نور سینۂ بے کینہ ہو گیا
یوں جھرّیاں مٹیں کہ تن آئینہ ہو گیا

۶۱

کہتے تھے باگ روکے ہوئے شاہِ نامدار — یہ کس لئے پیادہ روی اے نحیف و زار
میں بھی اُتر پڑوں گا نہ ہوگے جو تم سوار — کرتے تھے عرض یہ کہ توانا ہے جاں نثار
ہر چند پیر خستہ دل و ناتواں شُدم
ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شُدم

۶۲

فرمایا تم کو دیتا ہوں اُس سر کی میں قسم — جو بعد عصر تیغ سے ہو جائے گا قلم
میں بھی نکالتا ہوں رکابوں سے[عہ] لو قدم — اچھا تمھارے ساتھ پیادہ چلیں گے ہم
پہنچو جناں میں بحرِ مصیبت کو جھیل کے
ہم تم تو ایک گھر میں پلے ساتھ کھیل کے

لے فرط عہ رو عہ اب۔

وہ لوٹنا بھی خواب کا اب تک ہے یادگار — تم پر بھی گرد تھی مری زلفوں پہ بھی غبار
اُس روز تم پہ مجھ سے سوا تھا نبیؐ کا پیار — فرماتے تھے یہ ہے مرے پیارے کا دوستدار
شبیرؑ کے حبیب کو پہچانتا ہوں میں
لوٹے گا یہ لہو میں یوہیں جانتا ہوں میں

رو کر کہا حبیب نے آخر ہوا وہ دور — اب اُن کا عہد ہے کہ جو ہیں حاکمانِ جور
یہ وقت اور کچھ ہے وہ ہنگام تھا کچھ اور — مولا کبھی رہا نہیں دُنیا کا ایک طور
گردش نئے فلک کی نئے انقلاب ہیں
کوثر ہے جن کا آج وہ محتاج آب ہیں

یہ عرض کرکے روئے حبیبِ وفا شعار — جُھک کر کہا یہ پیر غلام آپ کے نثار
جب تک سمند پر وہ دلاور ہوا سوار — رو کے رہے لجامِ فرسِ شاہِ نامدار
ہر دوست پر پدر سے زیادہ شفیق تھے
کیا قدرداں وہ شاہ تھا اور کیا رفیق تھے

بس چھیڑ کر فرس کو امامِ زماں بڑھے — آگے جو تھے رُکے ہوئے وہ سب جواں بڑھے
کاندھوں پہ رکھ کے نیزوں کو شیر ژیاں بڑھے — مشتاقِ تیغ و خنجر و تیر و سناں بڑھے
یوں طے کیا دلیروں نے اُس راہِ خیر کو
جاتا ہے جس طرح کوئی گلشن کی سیر کو

بشاش قتل گاہ میں پہنچے جو وہ دلیر — نیزوں کو گاڑ گاڑ کے گونجے مثالِ شیر
دعوٰی یہ تھا کہ کیجیو ان سرکشوں کو زیر — عرصہ نہ جنگ میں ہو نہ فتح و ظفر میں دیر

---

۱ دور۔ ۲ پر۔ ۳ جس دم فرس پہ چڑھ کے امامِ زماں بڑھے۔
۴ کس شان سے جلو میں حسینی جواں بڑھے۔ ۵ میں

تیغوں سے روم و شام کی بستی اُجاڑ دو
کوفے کے در پہ جا کے نشانوں کو گاڑ دو

۶۸
حد سے فزوں تھی کثرتِ فوجِ ستم شعار
لکھی ہے راویوں نے چھ لاکھ اور دس ہزار
پیدل تھے بے حساب تو تھے لاتعد سوار
فوجوں کا دست جیب سے بھی ممکن نہ تھا شمار
پیک خیال جا کے پھر آتا تھا راہ سے
پنہاں تھی کربلا کی زمیں سب نگاہ سے

۶۹
اکناف بر و بحر میں لشکر کا تھا مقام
سہل و جبل بھرے ہوئے تھے فوج سے تمام
ناکوں میں چوکیاں تھیں جزیروں میں اہتمام
مسدود ہو گئی تھی سبیلِ خط و پیام
آیا کبوتر اُڑ کے جدھر صید ہو گیا
قاصد جہاں ملا وہ وہیں قید ہو گیا

۷۰
ظاہر ہوئی سیاہی لشکر سے دن کو رات
وہ کشمکش کہ موت کے طالب تھے ذی حیات
دُنیا پرست دُشمنِ ساداتِ نیک ذات
مقتل سے کوفے تک تھے قشون زبوں صفات
دریا کے صرف آب سے لب خشک ہو گئے
جتنے کنوئیں تھے راہ میں سب خشک ہو گئے

۷۱
دُنیا میں نیک کم ہیں بہت اور بد ہزار
لکھا ہے فوجِ شہ کا کتابوں میں یہ شمار
چالیس کُل پیادے تھے بتیس سب سوار
طفل اُن میں تھے کئی سمن اندام و گلعذار
بوڑھے سبھی تھے ایک بھی اُن میں جواں نہ تھا
سبزہ بھی جن کے گورے رخوں پر عیاں نہ تھا

۷۲
بچوں میں سبزہ رنگ کوئی تھا کوئی صبیح
شیریں سخن لبوں میں نمک رنگتیں ملیح
چاٹیں لبوں کو اُن کے جو باتیں سُنیں فصیح
مُردوں کو دم میں زندہ کریں صورتِ مسیح

جدّ و پدر کی طرح جری ہیں دلیر ہیں
بچّے ہیں یوں پہ غیظ جب آئے تو شیر ہیں

وہ نیمچے ہلال کے دم خم پہ جن کو فوق
جرأت کا جوش تیغ زنی کا دلوں میں شوق
ہنس ہنس کے زخم کھائیں یہ بانو کو اسکا ذوق
گیسو رُخوں پہ کانوں میں بُندے گلوں میں طوق
آنکھیں جو نرگسی ہیں تو رُخ بھولے بھالے ہیں
نازوں کے منّتوں کے مُرادوں کے پالے ہیں

ایک ایک خوش بیاں تو ہر اک نکتہ سنج ہے
کچھ پیاس کا نہ غم ہے نہ فاقوں کا رنج ہے
شکر ہے وہ کہ حسن کی دولت کا سنج ہے
چہرہ ہر اک کا ماہ چہار و دو پنج ہے
انگڑائیاں جو لیتے ہیں سینوں کو تان کے
کہتا ہے حُسن خود کہ نثار ان کی شان کے

کم گو کوئی متین کوئی شیریں سخن کوئی
بچپن میں سرو قد کوئی رشکِ چمن کوئی
نازک مزاج کوئی تو گُل پیرہن کوئی
تصویر جد کوئی تو شبیہ حسنؑ کوئی
دولت یہی حسینؑ کے حصّے میں آئی تھی
مایہ تھا فاطمہؑ کا علیؑ کی کمائی تھی

شیرانِ دشت کو جگر ایسے نہیں ملے
غوّاص کو کبھی گہر ایسے نہیں ملے
حمزہؑ کو جنگ کے ہنر ایسے نہیں ملے
جعفرؑ نے پائے بال پر ایسے نہیں ملے
جو تھا نبیؐ کے بعد خُدا کے ولی کا تھا
حضرت کو وہ ملا کہ جو حصّہ علیؑ کا تھا

پہلے پہل جو نکلے تھے گھر سے وہ گلعذار
تیغیں چمکتی دیکھ کے بڑھتے تھے بار بار
فرماتے تھے یہ روک کے عباسؑ نامدار
شیرو ابھی نہیں ہے تمھیں حکم کارزار

ھ میں

حجت تمام کی نہیں شاہِ غیور نے
سبقت نہ کیجو منع کیا ہے حضور نے

۷۸
عجلت کو جانتے ہیں سُبک جو ہیں بُردبار   بے وقت دوڑتے نہیں ذی قدر و ذی وقار
دیکھو تماشہ فوج کی کثرت ہے بے شمار   باجے بجا کے کھولیں گے رایت ستم شعار
جلدی نہ کیجو گو کہ لڑائی میں دیر ہو
تم تو خدا کے شیر کے شیروں کے شیر ہو

۷۹
دستِ ادب کو جوڑ کے بولے وہ نیکنام   کر دیجئے ہمیں علی اکبرؑ کے بائے نام
بیٹے سے مسکرا کے یہ کہنے لگے امام   عاشق تمہارے نام کے ہیں یہ فلک مقام
بیٹا یہ سن میں چھوٹے ہیں سب میں بڑے ہو تم
اچھا صف اُن کی باندھ کے آگے کھڑے ہو تم

۸۰
بپھرے ہوئے ہیں شیر خبردار ہوشیار   کوئی بڑھانے پائے نہ اس صف میں راہوار
عجلت ہر ایک امر میں بچوں کا ہے شعار   بہلا کے روکے رہیو انھیں تم پہ میں نثار
جان اپنی سب دیے ہیں بزرگوں کے نام پر
گھوڑے اُڑا کے جا نہ پڑیں فوجِ شام پر

۸۱
تسلیم کرکے شہ کو مرتب جو کی وہ صف   سب جس لڑی میں تھے گہرِ قلزمِ شرف
فرقت میں جن کی چاک رہا سینۂ صدف   زہراؑ کے رشتہ دار یداللہ کے خلف
اُن سے کسے جہان میں عشقِ دلی نہیں
اب تک وہ آبرو تو کسی کو ملی نہیں

۸۲
شرمندہ جس سے چاند ہو چہرے وہ تابناک   دل بلبلوں کے خوں تو گریباں گلوں کے چاک
خود وادی السلام جو چھانے نجف کی خاک   ایسے کبھی ملیں نہ گہرہائے صاف و پاک

تسبیح ہاتھ آئی یہ کس نیک نام کو
دُرِّ نجف تھے وہ جو ملے تھے امام کو

۸۳

شیرِ خُدا کے سات جگر بند نامدار دونوں نواسے حضرتِ زینبؑ کے گلعذار
پوتے چھوؤں وحیدِ زماں فخرِ روزگار یکتائے دہر پانچ بھتیجے فلک وقار
خود جس کی فرع واصل علیؑ و رسولؐ تھے
یہ سب اُسی درخت کے شاخوں کے پھول تھے

۸۴

یوسف تھے ایک مصر میں اور مشتری ہزار کیف و کمِ ثمن ہے کتابوں سے آشکار
یوسف سے کربلا میں تھے اٹھارہ گلعذار عالم کی جان فخرِ حسینانِ روزگار
یاں منزلت بھی قدر بھی قیمت بھی فوت تھی
زہراؑ کے یوسفوں کی خریدار موت تھی

۸۵

تیغ و ترنج اگر ہوں ہلال اور آفتاب سرکاؤں چہرۂ علی اکبرؑ سے پھر نقاب
حوریں گلوں کو کاٹ کے تڑپیں رہے نہ تاب گر دیکھتیں وہ حُسنِ ملیح اور وہ شباب
پریاں تو اُن کے سائے کا پیچھا نہ چھوڑتیں
دامن کبھی جناب زلیخا نہ چھوڑتیں

۸۶

لاریب فیہ حُسن میں یوسف تھے بے مثال لیکن نہ تھی ملاحتِ محبوبؐ ذوالجلال
مثلِ نبیؐ ملیح تھے یہ سب نکو خصال گستاخیاں معاف ادب کا بھی ہے خیال
شور آج تک ہے خوبیِ یوسف میں شک نہیں
پھیکا ہے پر وہ حُسن کہ جس میں نمک نہیں

۳۶
ناگہ نشاں بڑھائے اُدھر کی سپاہ نے　کھولا ادھر علم کو علمدار شاہ نے
چوما نشاں کو بڑھ کے ہر اک خیر خواہ نے　طوبیٰ لکم کہا شہِ عالم پناہ نے
رفعت بڑھی زمین سعادت سرشت کی
ٹھنڈی ہوا پھریرے سے آئی بہشت کی

۳۷
رایت وہ سبز لشکرِ سادات کا نشاں　دامان پاک کشتیٔ اُمت کا بادباں
پنجہ مثال پنجۂ خورشید زرفشاں　پرچم تھا بال کھولے تھی یا حورِ جناں
مشک و عبیر و عود کا بازار سرد تھا
مٹی کا عطر خاک کی خوشبو سے گرد تھا

۳۸
نقارۂ وغا پہ لگی چوب ناگہاں　گردون دوں سے پار ہوئی طبل کی فغاں
شیپور کے غریو سے ہلتا تھا آسماں　وہ بوق کی مہیب صدا تھی کہ الاماں
نیزوں کو ہر سوار اُدھر تولنے لگا
گونجے اِدھر بھی شیر کہ رن بولنے لگا

۳۹
شہنا کا شور سُن کے لرزتا تھا بند بند　برچھی ہلی رسالوں میں نیزے ہوئے بلند
صحرائے ہولناک کی وحشت ہوئی وہ چند　ڈر کر کنوتیوں کو بدلنے لگے سمند
سُن کر دُہل کا شور کلیجے دہل گئے
صحرا سے دب کے شیر نیستاں نکل گئے

۴۰
پیاسوں پہ جب اُدھر سے چلے تیر بے شمار　مولا نے غازیوں کو دیا حکم کارزار
نکلے وغا کو قبلۂ عالم کے جاں نثار　جن کی شجاعتیں ہیں زمانے میں یادگار
ہوں گے نہ ہیں نہ ایسے کبھی باوفا ہوئے
سب جان دے کے حق نمک سے ادا ہوئے

۹۲

حُرّ و بُریر و وہب و عمیرِ فلک مقام　　وہ مسلم ابن عوسجۂ عرش احتشام
سعد و ظہیر قین و حبیب خجستہ کام　　وہ شیر جس کا بو عمر نہشلی تھا نام
جس غول پہ جھپٹ کے یہ آئے وہ ہٹ گیا
ایک ایک مرتے مرتے پروں کو اُلٹ گیا

۹۳

نکلا وغا کو ایلچیٔ شاہ کے پسر　　ماتم میں تھے کہ تھا ابھی تازہ غمِ پدر
نوجوں پہ حملہ ور ہوئے جس دم وہ شیر نر　　دم میں تنوں سے کٹ کے گرے کوفیوں کے سر
رن پر چڑھے جو سوگ کے کپڑے اُتار کے
مارے گئے وہ شیر ہزاروں کو مار کے

۹۴

لاشوں کو قتل گاہ سے لے آئے جب حسینؑ　　نکلے پرے سے حضرتِ زینبؑ کے نورِ عین
کی عرض یا امامِ زماں شاہِ مشرقین　　رانڈوں میں ہے یتیموں کے ماتم کا شور و شین
پھر وقت کون سا ہے جو اب ہم فدا نہ ہوں
دل تھرتھرا رہے ہیں کہ اماں خفا نہ ہوں

۹۵

فرمایا کیا نہ جاؤ گے رخصت کو ماں کے پاس　　دونوں نے ہاتھ جوڑ کے تب کی یہ التماس
اکبرؑ سے آپ پوچھ لیں یا شاہِ حق شناس　　فرما چکی ہیں والدۂ آسماں اساس
اب گھر میں آئیو تو وغا کر کے آئیو
سر لے کے ابن سعد کا یا مر کے آئیو

۹۶

فرمایا خیر فوج سے جنگ و جدل کرو　　جو ماں نے کہہ دیا ہے اُسی پر عمل کرو
ہاں خواہشِ وصالِ عروسِ اجل کرو　　بچپن میں اس بقا کو فنا سے بدل کرو
راحت نے اس طرف نہ کیا رُخ نہ چین نے
دیکھے نہ ماں نے بیاہ نہ سہرے حسینؑ نے

۹۷
تسلیم کر کے گھوڑوں پہ وہ نازنیں چڑھے — غُل پڑ گیا جہاد پہ دو مہ جبیں چڑھے
یوں اشہبوں پہ دلبر ضرغام دیں چڑھے — نظروں سے سب اُتر گئے گھوڑے زمیں چڑھے
پریاں نکل کے قاف کی راہوں سے چھپ گئیں
دو بجلیاں چمک کے نگاہوں سے چھپ گئیں

۹۸
پہنچے جو رَن میں بُرج شرف کے وہ آفتاب — نیزے زمیں پہ گاڑ دیے مثل بوترابؑ
نعرہ کیا کہ او پسرِ سعد بے حجاب — ہمراہ لے کے شمر کو آ سامنے شتاب
گو سیکڑوں سوار ہزاروں پیادے ہیں
تلوار پہلے تجھ سے چلے یہ ارادے ہیں

۹۹
ہم نے سُنا یہ ہے کہ قریشی نسب ہے تو — نیکوں میں بد ہوئے ہیں بدوں میں خجستہ خو
ہم ٹوکتے ہیں او سگِ ناپاک کینہ جو — شیروں سے آ دغا کو جو ہے پاسِ آبرو
فاقوں میں زور دیکھ جدال و قتال دیکھ
دعویٰ ہے کچھ تو ہاشمیوں کا جلال دیکھ

۱۰۰
ماں بنت فاطمہؑ ہیں بنی فاطمہؑ ہیں ہم — دادا ہیں ابن عمِ رسولِؐ فلک حشم
ہیں اس طرح نسب میں نبیؐ و علیؑ بہم — دو نام ہیں گو ایک ہے[1] پر کعبہ و حرم
بھائی جُدا ہے خویش جُدا ہے وصی جُدا
اُن سے علیؑ جُدا نہ خُدا سے نبیؐ جُدا

۱۰۱
بے فصل ہے وصی نبیؐ مالک الرقاب — ضرغام دیں مدینۂ علم نبیؐ کا باب
دریائے فیض رحمتِ معبود کا سحاب — نورِ خُدا سپہر جلالت کا آفتاب
جو اُن سے منحرف ہوا وہ دوزخی ہوا
ایسا شجاع کوئی نہ ایسا سخی ہوا

---
[1] ہیں۔

۱۰۲
کہف الوریٰ سراج ہدیٰ حجتِ خدا — جس سے فزوں کسی نے نہ کی طاعتِ خدا
خاکی نہاد آئینۂ قدرتِ خدا — ہر ضرب جس کے ہاتھ کی تھی ضربتِ خدا
حق ساتھ ہے حسینؑ کے ہم اُن کے ساتھ ہیں
پہنچا علیؑ کا زور جنھیں یہ وہ ہاتھ ہیں

۱۰۳
چھوٹے نے کی یہ عرض کہ بڑھئے بس اب حضور — مخفی ہوا ہے خیمے میں ڈر کر وہ بے شعور
ہوتا ہے اور دھوپ سے اب پیاس کا وفور — مرتا ہے ہر طرح یہ تامل ہے کیا ضرور
دو ہاتھ میں بھگا کے سواروں کو گھاٹ کے
خیمہ گرا دو اُس پہ طنابوں کو کاٹ کے

۱۰۴
کھینچے یہ کہہ کے تیغ دونوں نے یک بیک — پہنچی زمیں سے آئینۂ مہر تک چمک
گاوِ زمیں ادھر تھی ہراساں اُدھر سمک — دب کر پروں پہ نادِ علی پڑھتے تھے ملک
غل تھا چمک دمک وہی سب آشکار ہے
اِک جا ہیں دو یہ تیغ یا ذوالفقار ہے

۱۰۵
دو بجلیاں سپاہ میں کوندیں فرس بڑھے — جس طرح قافلے سے صدائے جرس بڑھے
اب کون رو کے شیر بڑھے جب تو بس بڑھے — مقتل میں بیس ہو کے گرے وہ جو دس بڑھے
بچوں نے زورِ حق کے ولی کا دکھا دیا
سب رنگ ڈھنگ ضربِ علی کا دکھا دیا

۱۰۶
وہ اُن کے اشہبوں کی رو ادھر اُدھر — کاوے میں بس کے مر گئے سو سو ادھر اُدھر
تابندہ تھے جو آٹھ پہر نو اِدھر اُدھر — پھیلی ہوئی زمیں پہ تھی ضو ادھر اُدھر
نیلوں سے آشکار تھے جلوے نجوم کے
پریاں تھیں وہ کہ پھر رہی تھیں جھوم جھوم کے

۱۰۷

آئے جدھر خُدا کا غضب آگیا اُدھر　　پلٹے جدھر یہ رُعب علیؑ چھا گیا اُدھر

جھپٹے جدھر شکست عدو پا گیا اُدھر　　ٹھہرے جہاں کسی سے نہ دیکھا گیا اُدھر

انساں تو کیا ہے شیروں کے زہرے بھی آب ہیں

آنکھیں ملائے کون کہ دو آفتاب ہیں

۱۰۸

کیا دونوں تازیوں کی سبک تازیاں لکھوں　　کیونکر رواروی میں خوش اندازیاں لکھوں

کس طرح نیچوں کی سرافرازیاں لکھوں　　کیا دونوں شاہزادوں کی جانبازیاں لکھوں

پوتے ہیں کس جری کے خلف کس ولی کے ہیں

اعلیٰ یہ مدح ہے کہ نواسے علیؑ کے ہیں

۱۰۹

جو شیرِ حق میں تھی وہ شجاعت انھیں میں ہے　　جعفرؑ کی شان و شوکت و صولت انھیں میں ہے

شبیرؑ سے کریم کی ہمت انھیں میں ہے　　کونین بخش دیں یہ سخاوت انھیں میں ہے

گو ان کے مدح خوانوں کے لب بے سوال ہیں

منھ بھر دیں موتیوں سے یہ زینبؑ کے لال ہیں

۱۱۰

وہ چھوٹے چھوٹے خوردہ پیشانیوں کی شان　　وہ دبدبہ وہ رعب وہ عمرانیوں کی شان

دینداریوں کا نور خُدا دانیوں کی شان　　وہ دونوں نیچوں کی سرافشانیوں کی شان

بیہم چلے پہ زور گھٹا کچھ نہ کس گیا

جب چمکے مینھ سروں کا سراسر برس گیا

۱۱۱

جس صف پہ دور سے وہ جلالت قریں بڑھے　　غل پڑ گیا کہ دلبرِ ضرغامِ دیں بڑھے

وہ کیا بڑھے کہ دو اسد خشمگیں بڑھے　　شیروں کا وہ شکار ہوئے جو لعیں بڑھے

ڈندے بھی کشتۂ خطر و بیم ہو گئے

دو حصّہ ہو کے موت میں تقسیم ہو گئے

۱۱۲

چلّے سے جس کا تیر ملا تن پہ سر نہ تھا — جز گوشۂ مزار کسی جا مفر نہ تھا
زندہ جو بھاگ گئے ہیں اِدھر تھا اُدھر نہ تھا — کشتوں کے پُشتے تھے کہ نظر کا گذر نہ تھا
دریا تھا یا سیاہ صفیں تھیں کہ موج تھی
دو بجلیوں کے بیچ میں اعدا کی فوج تھی

۱۱۳

نیزوں میں جس طرف وہ گئے بید دھڑک گئے — شیروں کی بو جو آ گئی گھوڑے بھڑک گئے
زندوں کے خوف جاں سے کلیجے دھڑک گئے — زخموں میں کیا مزا تھا کہ بسمل پھڑک گئے
یکسر قدم سپاہ کے دریا سے اُٹھ گئے
ہونٹوں کو چاٹتے ہوئے دُنیا سے اُٹھ گئے

۱۱۴

وہ گورے گورے ہاتھ وہ نازک کلائیاں — وہ بازوؤں کا زور وہ تیغ آزمائیاں
وہ پیچ میں سیف علیؑ کی صفائیاں — وہ ولولے وہ پہلے پہل کی لڑائیاں
جس غول پر وہ صاحبِ شمشیر آ پڑے
ثابت ہوا کہ فوج پہ دو شیر آ پڑے

۱۱۵

جس پہلواں پہ عون کی تلوار پڑ گئی — چہرہ تو کیا ہے زیست کی صورت بگڑ گئی
چھوٹے کی آنکھ جس سے لڑائی میں لڑ گئی — سر تیز اک سناں تھی کہ پُتلی میں گڑ گئی
آنکھوں کو روکے صف سے وہ مردک نکل گیا
گویا قفا کو توڑ کے ناوک نکل گیا

۱۱۶

اک شور تھا کہ چشم نمائی غضب کی ہے — آفت کا معرکہ ہے لڑائی غضب کی ہے
یہ گھاٹ قہر کا یہ ترائی غضب کی ہے — چھوٹے سے بچّوں کی صفائی غضب کی ہے
دونوں ہیں نورِ عین علیؑ سے غیور کے
آنکھیں نکال لیں کوئی دیکھے تو گھور کے

۱۱۷
جس پر اُڑا کے رخش وہ جاں باز آ پڑا
ثابت ہوا کہ صید پہ شہباز آ پڑا
دو ہو کے تیغ پر وہ فسوں ساز آ پڑا
خود منہ کے بل سمند سبک تاز آ پڑا
بڑھتا تھا آپ سے نہ کوئی جنگ کے لئے
لاتی تھی موت گھیر کے چو رنگ کے لئے

۱۱۸
اللہ کا غضب اُدھر آیا جدھر بڑھے
پہنچا سروں پہ تیغ کا سایہ جدھر بڑھے
جلوہ عروسِ فتح نے پایا جدھر بڑھے
گھونگھٹ سیاہ شام نے کھایا جدھر بڑھے
گرتی تھی برق لشکرِ ابنِ زیاد پر
گویا چڑھے تھے دو نئے دولھا جہاد پر

۱۱۹
ماتھے وہ اور وہ پیچ عماموں کے لٹ پٹے
گیسو وہ بنت فاطمہؑ کے ہاتھ کے بٹے
وہ ابروؤں کے خم کہ ہلالِ فلک کٹے
آنکھیں وہ نرگسی کہ نہ جن سے نظر ہٹے
چہرے کسی نے دیکھے ہیں اس آب و تاب کے
رخسار چار پھول کھلے ہیں گلاب کے

۱۲۰
وہ برگ گل سے لب وہ دہن انکے تنگ تنگ
نہ بھینی بھینی بو کسی غنچے میں وہ نہ رنگ
لعل و گہر ہیں اُن لب و دنداں کے آگے دنگ
اِک منجمد یہ قطرۂ نیساں ہے اور وہ سنگ
تشبیہ بھی جو اُن سے نہ دی ناامید ہیں
اس غم سے موتیوں کے کلیجوں میں چھید ہیں

۱۲۱
گورے گلے کہ جس سے نمایاں ہے نورِ حق
سُرخی نہیں یہ مہر منوّر یہ ہے شفق
وہ نیچے وہ ہاتھ دلِ کفر جس سے شق
سینے میں ایک مصحفِ ناطق کے دو ورق
خالی ہیں گو شکم پہ یہ جرار سیر ہیں
فاقہ تو ارث ہے کہ یہ شیروں کے شیر ہیں

۱۲۲

اُن دونوں اشہبوں کی وہ چھلبل وہ تنگ جائے — جو اُن کی چال دیکھنے آئے وہ دنگ جائے
صورت کا نہ بناؤ نہ سُرعت کا ڈھنگ جائے — اُڑتے تھے یوں کہ جیسے ہوا پر خدنگ جائے

پریاں تھیں دو وہ اسپ سعادت اثر نہ تھے
سب تھی ہما کی تیز پری اور پر نہ تھے

۱۲۳

اسوار آفتاب تو گھوڑے بھی ماہرو — سُرعت یہ تھی کہ دوڑتا تھا جسم میں لہو
جاندار و خوش رکاب و سعید و خجستہ خو — صاف آتی تھی پسینے سے جن کی وفا کی بو

ڈھالا تھا جوڑ بند کو سانچے میں نور کے
نازک کلائیاں تھیں کہ پہنچے تھے حور کے

۱۲۴

دونوں کنوتیاں کہ دو پیکان تیر ہیں — چاروں سُم اُن کے غیرت تو بدر منیر ہیں
آنکھوں پہ کیجئے جو نظر بے نظیر ہیں — بال ایسے جن کے پیچ میں پریاں اسیر ہیں

سُرعت میں اُن سے طیر کو نسبت نہ تیر کو
نرمی یہ جلد میں کہ خجالت حریر کو

۱۲۵

آئے اُدھر سے گر تو اِدھر سے نکل گئے — پہنچے کنارِ بحر تو بر سے نکل گئے
مانند برق لشکرِ شر سے نکل گئے — وہ تیر آگئے تیز نظر سے نکل گئے

یوں پھر رہے تھے بیچ میں فوجِ غنیم کے
جیسے سحر کو چلتے ہیں جھونکے نسیم کے

۱۲۶

غنچے تھے دو ملے ہوئے اک جا کہ اُن کے گوش — برگستواں میں جسم کہ رستم تھا درعہ پوش
سُرعت کو دیکھ لیں تو اڑیں طائروں کے ہوش — گرتا تھا منہ سے کف تو شجاعت کا تھا یہ جوش

پریاں اُڑا سکیں نہ روش اُن کی چال کی
بانکل مزاج شیر کا آنکھیں غزال کی

۱۲۷

وہ سُم وہ نعل اور وہ سینے وہ ترک و تاز　　بدر و ہلال و آئینہ و کبک و شاہباز
زیور تھا ایک شب کی دلہن کا کہ اُن کے ساز　　وہ کلغیاں کہ طرۂ لیلیٰ سے سرفراز
بن کر گہر پسینے کے قطرے ٹپکتے تھے
ہیکل کی تختیاں[1] کہ ستارے چمکتے تھے

۱۲۸

گو چھوٹے چھوٹے پاؤں نہ جاتے تھے تا رکاب　　پر پٹریاں جمی ہوئی تھیں مثلِ بوترابؑ
یوں مرکبوں کے باندھے تھے سر وہ فلک جناب　　بیجا قدم رکھیں یہ سمندوں کو تھی نہ تاب
غُل تھا ہٹے رہو کہ مزاج اُن کا آگ ہے
حیدرؑ سے شہسوار کی یہ ران باگ ہے

۱۲۹

گھوڑوں نے کس پرے میں قیامت بپا نہ کی　　فاقہ تھا پر کمی تگ و دو میں ذرا نہ کی
وہ کون سی گرہ تھی کہ تیغوں نے وا نہ کی　　کن سرکشوں کے جسم سے گردن جُدا نہ کی
نیزوں کے بند قطع کمانوں کے ساتھ تھے
حلّالِ مشکلات کے بچوں کے ہاتھ تھے

۱۳۰

پیاسوں کے نیچے بھی غضب آبدار تھے　　سیلِ فنا تھے صاعقۂ شعلہ بار تھے
دونوں بہم جو ہو کے اُٹھے ذوالفقار تھے　　سائے کو بھی شریک جو کیجے تو چار تھے
دو کرتے تھے یہ راکب و مرکب کو زین کو
دو ہاتھ کاٹ دیتا تھا سایہ زمین کو

۱۳۱

قبضے وہ تکیہ گاہ ظفر جن کا نام ہے　　پھل وہ کہ جن کو کھاتے ہی قصّہ تمام ہے
پانی وہ جس کو کہیے کہ زہر القیام[2] ہے　　کاٹ ایسا سنگ سخت جہاں موم خام ہے
جوہر وہ دم نکلتے ہیں جن کی مثال پر
افشاں چُنی ہوئی ہے جبینِ ہلال پر

---

[1] تمغیوں کے ۔ [2] زہر پلانے سے کام ہے

۱۳۲
فولاد پوش پھینک کے ہتھیار چھپ گئے — گوشوں میں سر جھکا کے کماں دار چھپ گئے
چار آٹھ میں جو قتل ہوئے چار چھپ گئے — زخموں کے گل بہت جو کھلے خار چھپ گئے
مشکل وہاں تمیزِ بد و نیک ہوگئی
غل تھا کہ لو بہار و خزاں ایک ہوگئی

۱۳۳
جن کے جمے تھے رنگ وہ بے رنگ ہوگئے — لڑنے کا حوصلہ نہ رہا تنگ ہوگئے
چار آئینے جو پہنے تھے چو رنگ ہوگئے — بچوں نے وہ کیا کہ جواں دنگ ہوگئے
مُہلت نہ سر اُٹھانے کی تھی فوجِ شام کو
دونا بلند کر گئے جعفرؑ کے نام کو

۱۳۴
کوئی بچے نہ رومی و رازی جدھر پھرے — جھک جھک گئیں صفیں وہ نمازی جدھر پھرے
غازہ لگایا فتح نے غازی جدھر پھرے — پسپا تھے یکہ تاز وہ تازی جدھر پھرے
دھوئیں دغا کی قاف سے تا قاف ہوگئیں
اللہ رے مصاف صفیں صاف ہوگئیں

۱۳۵
جا پہنچے تھے خیامِ بن سعد کے قریں — کتنی طنابیں کاٹ چکے تھے یہ مہ جبیں
ہاں ہاں کا شور کر کے بڑھے سب عدو دیں — بھاگا عقب سے چیر کے خیمے کو وہ لعیں
بھاگا اُدھر تو جوش میں وہ اضطراب کے
یہ دونوں بھائی رہ گئے ہونٹوں کو چاب کے

۱۳۶
چھوٹے نے عرض کی یہ سراپا ہیں کر و کید — دیکھا حضور چھٹ گیا پنجے میں آ کے صید
چھپنے کی شرم ہے نہ اُنھیں بھاگنے کی قید — فرمایا عون نے یہ ہیں اُستاد زرق و شید
بھاگا طناب کٹتے ہی کیا حیلہ ساز ہے
سچ ہے حرام زادے کی رسّی دراز ہے

۱۳۷

بڑھ کر پکارے حضرت عباسؑ عرش جاہ　کس سمت ابن سعد ہے اور شمر روسیاہ

ذلت اُٹھا کے بھاگ گیا افسرِ سپاہ　رہ کے گئے نہ ایک سے دو طفل واہ واہ

سرسبز ہوتے ہیں ہمیں جب کھیت پڑتے ہیں

یوں لشکروں سے شیر کے فرزند لڑتے ہیں

۱۳۸

ہاں مردگر ہے سامنے بچوں کے آتو جائے　بھاگے گا پھر تو خیر کوئی زخم کھا تو جائے

مخفی کدھر ہے شیروں کو صورت دکھا تو جائے　بگڑی ہوئی لڑائی کو ظالم بنا تو جائے

بپھرے ہیں شیر ہاتھ میں تیغ و سپر تو لے

گرتا ہے وہ جھکا ہوا خیمہ خبر تو لے

۱۳۹

بھاگا رئیس خود یہ خبر چار سو گئی　عزت سبھوں کی آج گئی آبرو گئی

آخر شغال تھا نہ دبکنے کی خو گئی　خلعت پہن کے بھی نہ رذالت کی بو گئی

جب کچھ کڑی پڑی تو جفاجو نکل گیا

ضیغم جلال میں ہیں کہ آہو نکل گیا

۱۴۰

مرتا ہے بے حیا زر و جاگیر مال پر　اک نیمچے کا وار بھی روکا نہ ڈھال پر

آنکھیں چرائیں شیر جب آئے جلال پر　سردار ہو کے چھپ گیا تف اس جدال پر

پائے نہ گر شکار تو جاں باز کیا کرے

کنجشک جب نہاں ہو تو شہباز کیا کرے

۱۴۱

باتوں میں اتنا تھم جو گئے وہ فلک پناہ　خیمے کو لے کے پشت پہ سب جم گئی سپاہ

دریا کی فوج اُدھر سے ہوئی بڑھ کے سدِ راہ　چاروں طرف سے گھر گئے زینب کے رشک ماہ

تھم بھی تیر ظلم بھی نیزے بھی چل گئے

سینوں کو توڑ توڑ کے ناوک نکل گئے

۱۴۲
یوںؑ تیر کھا کے فوج پہ جاتے تھے وہ دلیر　　غصّے میں جس طرح کہ جھپٹتا ہے زخمی شیر
لشکر کو کر دیا تھا زبردستیوں سے زیر　　انبار ادھر سروں کے اُدھر زخمیوں کے ڈھیر
دیکھا غضب سے جس کی طرف زرد ہو گیا
تلوار جس پہ سَن سے چلی سرد ہو گیا

۱۴۳
تیغیں قریب سے جو لگاتے تھے اہلِ شر　　اک بھائی بڑھ کے ہوتا تھا اک بھائی کی سپر
عباسؑ پھر کے دیتے تھے حضرت کو یہ خبر　　کیا لڑ رہے ہیں آپ کی ہمشیر کے پسر
نامی جوان بھاگ گئے شام و روم کے
خیمے پہ جا پڑے پسرِ سعد شوم کے

۱۴۴
پر اب خدا بچائے کہ فوجیں کثیر ہیں　　تیغیں ہیں برچھیاں ہیں سنانیں ہیں تیر ہیں
رو کر امامِ دیں نے کہا اب بخیر ہیں　　کب تک لڑیں کہ تشنہ دہن ہیں صغیر ہیں
نو دس برس میں ماں سے بچھڑنے کے دن نہ تھے
یہ کھیلنے کی فصل تھی لڑنے کے دن نہ تھے

۱۴۵
زینب کھڑی تھیں پردے کے پیچھے جو بیقرار　　فضہ خبر یہ دیتی تھی جا جا کے بار بار
کیا لڑ رہے ہیں جعفرؑ و حیدرؑ کے یادگار　　حضرت سے مدح کرتے ہیں عباسؑ نامدار
جس وقت ذکرِ معرکہ آرائی ہوتے ہیں
رومال رکھ کے آنکھوں پہ حضرت بھی روتے ہیں

۱۴۶
رو کر کہا کہ روتے ہیں کس واسطے امام　　میں اِک کنیز اُن کی وہ دونوں پسر غلام
مجھ کو دکھا تو دے کہ کدھر ہیں وہ لالہ فام　　اس نے کہا کہ چھائی ہے جنگل میں فوجِ شام
لاکھوں سے معرکہ ہے مگر باحواس ہیں
بی بی وہ ابنِ سعد کے خیمے کے پاس ہیں

١٤٧

تلوار چل رہی ہے کہ اللہ کی پناہ — ڈھالوں کی بدلیوں میں چھپے ہیں وہ رشکِ ماہ

کثرت ہے اس قدر کہ پہنچتی نہیں نگاہ — وہ بھاگتی ہے اور پلٹتی ہے سب سپاہ

آوازِ دار و گیر کی گردوں پہ جاتی ہے

دونوں کے نیمچوں کی چمک یاں تک آتی ہے

١٤٨

طبلِ ظفر پہ چوب لگی یک بہ یک اُدھر — ڈیوڑھی سے آئیں خیمے میں زینب جھکا کے سر

عباسؑ نے کہا شہِ والا سے دوڑ کر — چلیے حضور لُٹ گیا بنتِ علیؑ کا گھر

گھبرا کے کشمکش میں دم اُن کے نکل نہ جائیں

لاکھوں سوار ہیں کہیں بچے کچل نہ جائیں

١٤٩

تلوار لے کے قاسمِ شیریں سخن بڑھے — عباسؑ کیا بڑھے شہِ خیبر شکن بڑھے

مانندِ شیر اکبرؑ گل پیرہن بڑھے — فرزند سے یہ کہہ کے امامِ زمن بڑھے

پردے میں اہلِ بیتِ نبیؐ کے خلل نہ آئے

ڈیوڑھی پہ تم رہو کہیں زینب نکل نہ آئے

١٥٠

پہنچے یہ تیغ شیر جو مقتل میں ایک بار — کیا پیدلوں کا ذکر فراری ہوئے سوار

ریتی پہ شہ کو یوں نظر آئے وہ گلعذار — بند آنکھیں منہ کھلے ہوئے ہونٹوں پہ جانِ زار

دُنیا سے وقتِ کوچ بھی دونوں کا ساتھ ہے

گردن پہ ایک بھائی کی بھائی کا ہاتھ ہے

١٥١

بچوں کو جاں کنی میں جو پایا حسینؑ نے — بوسے لیے گلے سے لگایا حسینؑ نے

آنکھوں سے خون جگر کا بہایا حسینؑ نے — ہاتھوں سے نیمچوں کو چھڑایا حسینؑ نے

آغوش میں بڑے کو شہنشاہ لے چلے

چھوٹے کی لاش قاسمِ ذی جاہ لے چلے

؎ نوشاہ

۱۵۲؎

پہنچے قریب خیمہ جو شاہِ فلک سریر — تھا غیر حال مر گئے رستے میں وہ صغیر

پردہ اُلٹ کے خیمے کا با حالتِ تغیر — فضہ پکاری اے حرمِ شاہِ قلعہ گیر

دوڑو حسینؑ خیمے میں لاشوں کو لاتے ہیں

دولھا بنے ہوئے مرے شہزادے آتے ہیں

۱۵۳؎

دوڑے اُدھر سے چھاتیوں کو پیٹتے حرم — ڈیوڑھی سے پہلے آیا لچکتا ہوا علَم

رایت کے نیچے بچّوں کی تھیں منتیں بہم — آ پہنچے لڑکھڑاتے ہوئے سرورِ اُمم

لاشوں کے آگے اکبرِ یوسف جمال تھے

کپڑے ہر اک کے خون سے بچّوں کے لال تھے

۱۵۴؎

ماتم کی صف سے اُٹھ گئیں زینب یہ کہہ کے بات — لوگو کہو یہ کون سے دولھا کی ہے برات

لاشوں کو رکھ کے غش ہوئے سردارِ کائنات[1] — دوڑیں لٹا کے بچّے کو بانوئے خوش صفات

لڑکے بھی چھاتیوں کو بہم پیٹنے لگے

لاشوں کے گرد آ کے حرم پیٹنے لگے

۱۵۵؎

بیٹھی تھیں ایک گوشے میں زینب جو ننگے سر — واں جا کے بولیں بانوئے ناشاد نوحہ گر

پُرسے کو لوگ جمع ہیں چلیئے ذرا اُدھر — فرمایا میں نہ جاؤں گی بچّوں کی لاش پر

آنچ آ تما کے دل کو جلائے تو کیا کروں

گر فرق میرے صبر میں آئے تو کیا کروں

۱۵۶؎

بس سُن چکی کہ نام کیا خوب لڑ چکے — لاشوں پہ لاشیں لوٹ مٹ چکیں کھیت پڑ چکے

کُنبہ تمام ہو چکا دو گھر اُجڑ چکے — گودی میں جو پلے تھے وہ بچے بچھڑ چکے

اب اُن کا غم نہ فکر مرے گھر کی چاہیئے

بی بی سلامتی علی اکبرؑ کی چاہیئے

---

[1] سلطانی

۱۵۷
بھائی کے آگے لاشوں پہ جاکر کروں میں بین　　بے صبر ہے یہ دل میں کہیں گے مجھے حسینؑ
گر مر گئے تو مر گئے وہ دونوں نورِ عین　　کیونکر چلوں کھڑے ہیں شہنشاہِ مشرقین
روؤں گی میں تو پھر علی اکبرؑ بھی روئیں گے
صدمہ یہ مجھ کو ہے کہ برادر بھی روئیں گے

۱۵۸
بھائی کا حق ادا ہوا احسان کردگار　　روتا ہے واں بھی میں یہیں روؤنگی زار زار
لاشوں کو دیکھ کر مرا دل ہوگیا بے قرار　　کی عرض آپ صاحب ماتم ہیں میں نثار
چلئے نہ ضبط کیجئے فریاد و آہ کو
لاشوں پہ بھانجوں کی غش آیا ہے شاہ کو

۱۵۹
لاشوں پہ لائیں بیبیاں زینبؑ کو تھام کر　　ماتم کی صف پہ گر پڑی وہ سوختہ جگر
بولیں بڑھا کے دستِ مبارک اِدھر اُدھر　　بچے کدھر ہیں مجھ کو کچھ آتا نہیں نظر
کیسی دھڑا دھڑی ہے یہ کیوں بین ہوتے ہیں
لوگو نہ غُل مچاؤ مرے لال سوتے ہیں

۱۶۰
ماں صدقے جائے لو مرے زانو پہ سر رکھو　　اس بیکسی میں ماں کی بھی جانب نظر رکھو
لازم نہیں کہ ہاتھ سے تیغ و سپر رکھو　　آفت میں ماموں جان کی اپنے خبر رکھو
دیکھو نہ آنچ آئے شہِ خوشخصال پر
فوجوں کی پھر چڑھائی ہے زہراؑ کے لال پر

۱۶۱
کیسی یہ نیند آج ہے پیارو اٹھو اُٹھو　　ماموں کے ساتھ رن میں سدھارو اٹھو اُٹھو
کپڑے لہو بھرے یہ اُتارو اُٹھو اُٹھو　　گیسو الجھ گئے ہیں سنوارو اُٹھو اُٹھو
ان پیاری پیاری آنکھوں پہ اماں نثار ہو
انگڑائیاں تو لو کہ جگر کو قرار ہو

۱۶۲
سینوں سے تو زمیں پہ رکھو ہاتھ اُتار کے　　باندھو کھلے ہوئے یہ عمامے سنوار کے
اماں نثار گیسوؤں کے تار تار کے　　چونکو اُٹھو کلام کرو ماں سے پیار کے
نخلِ مراد میں نہ ثمر ہے نہ برگ ہے
اب مجھی میں یہ نیند نہیں خوابِ مرگ ہے

۱۶۳
لاکھوں سے معرکہ میں وغا کر کے آئے ہو　　بچپن کی غفلتیں یہ نہیں مر کے آئے ہو
دولھا بنے ہو خون میں سب بھر کے آئے ہو　　صدقے گئی رولانے کو مادر کے آئے ہو
مجھ سے بچھڑ کے تم اسی منزل پہ رہ گئے
ارمان شادیوں کے مِرے دل میں رہ گئے

۱۶۴
کیونکر ملے گا ماں کو تمھارا سُراغ ہائے　　لوٹا اجل نے حیدرؑ و جعفرؑ کا باغ ہائے
یوں بجھ گئے ہمارے لحد کے چراغ ہائے　　میرا بڑھاپا اور یہ بچوں کے داغ ہائے
ہے ہے یہ گھر بھرا ہوا ویران کر گئے
اماں کی قبر بننے نہ پائی کہ مر گئے

۱۶۵
کس طرح دیکھوں خاک میں چہرے اَٹے ہوئے　　اُلجھے ہیں میرے ہاتھ کے گیسو بٹے ہوئے
سینے فگار چاند سے بازو کٹے ہوئے　　ہے ہے کفن بنے یہی کپڑے پھٹے ہوئے
نہ کچھ تزک نہ غسل شہیدوں کو چاہیئے
مرنا یوں ہی جہاں میں سعیدوں کو چاہیئے

۱۶۶
تابوت اُٹھاتی دھوم سے مرتے وطن میں گر　　ہوتا پدر بھی ساتھ جنازے کے ننگے سر
قبریں بناتی ماں کی لحد کے اِدھر اُدھر　　کیا حشر ہوگا پہنچے گی یثرب میں جب خبر
اُم البنینؑ پیٹتی روضے پہ جائیں گی
صغرا کے پاس بیبیاں پُرسے کو آئیں گی

ے نخلِ خوشی میں کوئی ثمر

۱۶۷

بچو تمھیں بتاؤ میں غربت میں کیا کروں ۔ نہ گھر ہے نہ وطن ہے مصیبت میں کیا کروں

بھائی گھرا ہوا ہے اس آفت میں کیا کروں ۔ فاقوں میں تشنگی میں صعوبت میں کیا کروں

راحت نہ روح کو نہ کسی دل کو صبر ہے

پانی نہ غسل کو نہ کفن ہے نہ قبر ہے

۱۶۸

مجبور تم ہو ماں بھی ہے ناچار میں نثار ۔ تنہائی میں خدا ہے مددگار میں نثار

رستا بُرا ہے باندھ لو ہتھیار میں نثار ۔ چھوٹے مرے پسر سے خبردار میں نثار

اللہ اس سفر کی بلاؤں کو رد کرے

کھٹکا جہاں ہو بھائی کی بھائی مدد کرے

۱۶۹

سُنتی ہوں اس سفر میں خطرے شمار ہیں ۔ جانیں وہی اسے جو میانِ مزار ہیں

پُرسش ہے روک ٹوک ہے جنگل ہے خار ہیں ۔ وہ بھی ڈرے ہوئے ہیں جو طاعت گذار ہیں

منزل کا شب کی ماں کو پتہ دے کے جائیو

قربان جاؤں ساتھ مجھے لے کے جائیو

۱۷۰

دن ڈھل گیا قریب ہے شام اے مسافرو ۔ کس بن میں شب کو ہوگا مقام اے مسافرو

کچھ تو کرو زباں سے کلام اے مسافرو ۔ بھیجو گے کب پیام و سلام اے مسافرو

بیٹوں گی پہلوؤں میں جو تم کو نہ پاؤں گی

میں شب کو ڈھونڈھتی ہوئی جنگل میں آؤں گی

۱۷۱

کہتا تھا باپ شب کو نہ بچے نکلنے پائیں ۔ بھولے ہیں راستہ نہ کہیں گھر کا بھول جائیں

دربار میں بھی ہوں تو سویرے سے گھر میں آئیں ۔ ہے ہے یہ دشتِ ظلم جو کرتا ہے سائیں سائیں

پہنچوں گی کس طرح میں جو ڈر ڈر کے روؤ گے

واری اندھیری رات میں کس طرح سوؤ گے

ے مقتل

۱۷۲
شب کو خوشامدیں مری کرتے تھے بار بار تا دودھ ہم کو بخش دے مادر جگر فگار
اُن بھولی بھولی باتوں کے ماں ہو گئی نثار باتیں نہ رات کی مجھے بھولیں گی وہ نہ پیار
واری سفید رو رہو تم رب کے سامنے
لو میں نے دودھ بخش دیا سب کے سامنے

۱۷۳
یہ بین کر کے لاشوں سے لپٹی وہ نوحہ گر غش آیا سانس اُلٹ گئی ٹکڑے ہوا جگر
اِک حشر تھا کسی کو کسی کی نہ تھی خبر بانو پکاری سوئے علمدار دیکھ کر
بچوں کے ساتھ ماں بھی جہاں سے گذر نہ جائے
لاشے اُٹھاؤ شاہ کی ہمشیر مر نہ جائے

۱۷۴
بس اے انیسؔ طول سے بہتر ہے اختصار ہاں ختم کر کے مرثیۂ شاہِ نامدار
خالق سے ہاتھ اُٹھا کے دُعا کر بہ انکسار قائم رہے جہاں میں یہ شاہِ فلک وقار
ہر دم زیادہ حشمت و اقبال و جاہ ہو
حامی جنابِ فاطمہ زہراؑ کا ماہ ہو

مرثیہ (۸)

۱
نمکِ خوانِ تکلم ہے فصاحت میری — ناطقے بند ہیں سن سن کے فصاحت میری
رنگ اُڑتے ہیں وہ رنگیں ہے عبارت میری — شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری
عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیّر کی مدّاحی میں

۲
ایک قطرہ کو جو دوں بسط تو قلزم کر دوں — بحرِ مواج فصاحت کا تلاطم کر دوں
ماہ کو مہر کروں ذرّوں کو انجم کر دوں — گنگ کو ماہرِ اندازِ تکلم کر دوں
درد سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

۳
اس ثنا خواں کے بزرگوں میں ہیں کیا کیا مدّاح — جدِّ اعلیٰ سا نہ ہوگا کوئی اعلیٰ مدّاح
باپ مدّاح کا مدّاح ہے دادا مدّاح — عمِ ذی قدر ثنا خوانوں میں یکتا مدّاح
جو عنایاتِ الٰہی سے ہوا نیک ہوا
نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

۴
طبع ہر ایک کی موزوں قدِ زیبا موزوں — صورتِ سروِ ازل سے ہیں سراپا موزوں
نثر بے سجع نہیں نظمِ معلّیٰ موزوں — کہیں سکتہ نہیں آ سکتا تھا ناموزوں
تول لے عقل کی میزاں پہ جو فہمیدہ ہے
بات جو منھ سے نکلتی ہے وہ سنجیدہ ہے

۵
خلق میں مثلِ خلیق اور تھا خوشگو کوئی کب — نام لے دھو لے زباں کوثر و تسنیم سے جب
بلبلِ گلشنِ زہرا و علی عاشقِ رب — متبعِ مرثیہ گوئی میں ہوئے جس کے سبب
ہو اگر ذہن میں جودت ہے کہ موزونی ہے
اس احاطے سے جو باہر ہے وہ بیرونی ہے

۳۰ بھائی خوش فکرت وخوش لہجہ و پاکیزہ خصال ‌ جن کا سینہ گہرِ علم سے ہے مالا مال
یہ فصاحت یہ بلاغت یہ سلاست یہ کمال ‌ معجزہ گر نہ اسے کہئے تو ہے سحر حلال
اپنے موقع پہ جسے دیکھئے لاثانی ہے
لطف حضرت کا یہ ہے رحمتِ یزدانی ہے

۳۱ کیوں نہ ہو بندۂ موروثی مولا ہوں میں ‌ قلزمِ رحمتِ معبود کا قطرہ ہوں میں
جس میں لاکھوں دُر و مرجاں ہیں وہ دریا ہوں میں ‌ مدح خوانِ پسر حضرت زہرا ہوں میں
وصف جوہر کا کروں یا صفتِ ذات کروں
اپنے رُتبے پہ نہ کیوں آپ مباہات کروں

۳۲ مبتدی ہوں مجھے توقیر عطا کر یا رب ‌ شوق مدّاحی شبیر عطا کر یا رب
سنگ ہو موم وہ تقریر عطا کر یا رب ‌ نظم میں رونے کی تاثیر عطا کر یا رب
جدّ و آبا کے سوا اور کی تقلید نہ ہو
لفظ مغلق نہ ہوں گنجلک نہ ہو تعقید نہ ہو

۳۳ وہ مرقع ہو کہ دیکھیں اسے گر اہل شعور ‌ ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے کہیں نور
غُل ہو یہ ہے کشش مو قلم طرۂ حور ‌ ایک اک حرف میں ہو صنعت صانع کا ظہور
کوئی ناظر جو یہ نایاب نظیریں سمجھے
نقش ارژنگ کو کاواک لکیریں سمجھے

۳۴ قلزم فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ ‌ شمع تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ
صاف حیرت زدہ مانی ہو تو بہزاد ہو دنگ ‌ خوں برستا نظر آئے جو دکھادوں صف جنگ
رزم ایسی ہو کہ دل سب کے بھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

[۱۱] روزمرہ شرفا کا ہو سلاست ہو وہی — لب و لہجہ وہی سارا ہو متانت ہو وہی
سامعیں جلد سمجھ لیں جسے صنعت ہو وہی — یعنی موقع ہو جہاں جس کا عبارت ہو وہی
لفظ بھی چست ہوں مضمون بھی عالی ہووے
مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے

[۱۲] بے کجی عیب مگر حسن ہے ابرو کے لئے — سرمہ زیبا ہے فقط نرگس جادو کے لئے
تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لئے — زیب ہے خال سیہ چہرۂ گلرو کے لئے
داند آں کس کہ فصاحت بہ کلامے دارد
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

[۱۳] بزم کا رنگ جدا رزم کا میداں ہے جدا — یہ چمن اور ہے زخموں کا گلستاں ہے جدا
فہم کامل ہو تو ہر نامہ کا عنواں ہے جدا — مختصر پڑھ کے رلا دینے کا ساماں ہے جدا
دبدبہ بھی ہو مصائب بھی ہوں توصیف بھی ہو
دل بھی محظوظ ہوں رقت بھی ہو تعریف بھی ہو

[۱۴] ماجرا صبح شہادت کا بھی بیاں کرتا ہوں — رنج و اندوہ و مصیبت بھی بیاں کرتا ہوں
تشنہ کاموں کی عبادت کا بیاں کرتا ہوں — جاں نثاروں کی اطاعت کا بیاں کرتا ہوں
جن کا ہمتا نہیں ایک ایک مصاحب ایسا
ایسے بندے نہ کبھی ہوں گے نہ صاحب ایسا

[۱۵] صبح صادق کا ہوا چرخ پہ جس وقت ظہور — زمزمے کرنے لگے یاد الٰہی میں طیور
مثل خورشید برآمد ہوئے خیمہ سے حضور — یک بیک پھیل گیا چار طرف دشت میں نور
شش جہت میں رخِ مولائے ظہورِ حق تھا
صبح کا ذکر ہے کیا چاند کا چہرہ فق تھا

۱۶
ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیاباں وہ سحر　　دمبدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرش زمرد پہ بچھائے تھے گہر　　لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر
دشت میں جھوم کے جب بادِ صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

۱۷
بلبلوں کی وہ صدائیں وہ گلوں کی خوشبو　　دل کو الجھاتے تھے سنبل کے وہ پرخم گیسو
قمریاں کہتی تھی شمشاد پہ یاہو یاہو　　فاختہ کی یہ صدا سرو پہ تھی کو کو کو
وقت تسبیح کا تھا عشق کا دم بھرتے تھے
اپنے معبود کی سب حمد و ثنا کرتے تھے

۱۸
آئے سجادۂ طاعت پہ امامِ دو جہاں　　اس طرف طبل بجا یاں ہوئی لشکر میں اذاں
وہ مصلی کہ زباں جن کی حدیث و قرآں　　وہ نمازی کہ جو ایماں کے تن پاک کی جاں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کئے تلواروں میں

۱۹
عرش اعظم کو ہلاتی تھیں دعائیں ان کی　　وجد کرتے تھے ملک سن کے صدائیں ان کی
وہ عمامے وہ قبائیں وہ عبائیں ان کی　　حوریں لیتی تھیں بصد شوق بلائیں ان کی
ذکر خالق میں لب ان کے جو ہلے جاتے تھے
غنچے فردوس کے شادی سے کھلے جاتے تھے

۲۰
کیا جوانان خوش اطوار تھے سبحان اللہ　　کیا رفیقان وفادار تھے سبحان اللہ
صفدر و غازی و جرار تھے سبحان اللہ　　زاہد و عابد و ابرار تھے سبحان اللہ
زن و فرزند سے فرقت ہوئی مسکن چھوڑا
مگر احمدؐ کے نواسے کا نہ دامن چھوڑا

اللہ اللہ عجب فوج عجب غازی تھے — عجب اسوار تھے بے مثل عجب تازی تھے
لائق مدح و سزاوار سرافرازی تھے — گو بہت کم تھے پہ آمادۂ جاں بازی تھے
پیاس ایسی تھی کہ آ آگئی جاں ہونٹوں پر
جابر ایسے تھے کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پر

زہد میں حضرت سلمانؓ کے برابر کوئی — دولت فقر و قناعت میں اباذرؓ کوئی
صدق گفتار میں عمارؓ کا ہمسر کوئی — حمزۂ عصر کوئی مالک اشترؓ کوئی
ہوں گے ایسے ہی محمدؐ کے جو شیدا ہوں گے
پھر جہاد ایسا نہ ہوگا نہ وہ پیدا ہوں گے

گو مصیبت میں تلاطم میں تباہی میں رہے — سر کٹے پاؤں مگر راہ الٰہی میں رہے
یوں سرافراز وہ سب لشکر شاہی میں رہے — جس طرح تیغ دو دم دست سپاہی میں رہے
اس مصیبت میں نہ پایا کبھی شاکی ان کو
آبرو ساقیٔ کوثر نے عطا کی ان کو

وہ تخشع وہ تضرع وہ قیام اور قعود — وہ تذلل وہ دعائیں وہ رکوع اور سجود
یاد حق دل میں تو سو کھے ہوئے ہونٹوں پہ درود — یہ دعا خالق اکبر سے کہ اے رب ودود
یوں کٹیں ہم کہ نہ آل اور نہ اولاد رہے
مگر احمد کے نواسے کا گھر آباد رہے

موم فولاد ہو آوازوں میں وہ سوز و گداز — اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز و نیاز
سر تو تجادوں پہ تھے عرش معلّٰی پہ نماز — شیر دل منتخب دہر وحید و ممتاز
چاند شرمندہ ہو چہرے متجلّی ایسے
نہ امام ایسا ہوا پھر نہ مصلّی ایسے

۲۶
جب فریضے کو ادا کر چکے وہ خوش کردار ‏ ‏ کس کے کمروں کو بصد شوق لگائے ہتھیار
جلوہ فرما ہوئے گھوڑے پہ شہ عرش وقار ‏ ‏ علم فوج کو عباس نے کھولا اک بار
دشت میں نکہت فردوس بریں آنے لگی
عرش تک اس کے پھریرے کی ہوا جانے لگی

۲۷
لہر وہ سبز پھریرے کی وہ پنجے کی چمک ‏ ‏ شرم سے ابر میں چھپ جاتا تھا خورشید فلک
کہتے تھے صلّ علیٰ عرش پہ اٹھ اٹھ کے ملک ‏ ‏ رنگ تھے سب وہ سما سے تھا سماں تا بہ سمک
کہئے پستی اسے جو اوج ہما نے دیکھا
وہ سماں پھر نہ کبھی ارض و سما نے دیکھا

۲۸
اس طرح جب علم دلبر زہرا جائے ‏ ‏ کس سے پھر معرکۂ رزم میں ٹھہرا جائے
سانپ دشمن کی نہ کیوں چھاتی پہ لہرا جائے ‏ ‏ لہریں تا بہ فلک جس کا پھریرا جائے
دفع شر کو علم خیر بشر آیا تھا
سورۂ نصر پئے فتح و ظفر آیا تھا

۲۹
وہ علم دار کہ جو شیر الٰہی کا خلف ‏ ‏ گوہر بحر وفا نیّر دیں دُرِّ نجف
فخر حمزہ سے نمودار تھا جعفر کا شرف ‏ ‏ کس طرح چاند کہوں چاند میں ہے عیب کلف
کس نے پایا وہ جو تھا جاہ و حشم ان کے لئے
یہ علم کے لئے تھے اور علم ان کے لئے

۳۰
سرو شرمائے قد اس طرح کا قامت ایسی ‏ ‏ اسد اللہ کی تصویر تھے صورت ایسی
شیر نعروں سے دہل جاتے تھے صولت ایسی ‏ ‏ جا کے پانی نہ پیا نہر میں ہمت ایسی
جان جب تک تھی اطاعت میں رہے بھائی کی
تھے علمدار مگر بچوں کی سقاؤں کی

۳۱

وہ بہشتی نے کیا جس کو وفا کہتے ہیں — سب انھیں عاشقِ شاہِ شہدا کہتے ہیں
ان کو قبلہ تو انھیں قبلہ نما کہتے ہیں — جو بہادر ہیں وہ شمشیرِ خدا کہتے ہیں
عشق سردار و علمدار کا افسانہ ہے
وہ چراغِ رہِ دیں ہے تو یہ پروانہ ہے

۳۲

اک طرف اکبرِ مہرو سا جوانِ نایاب — کچھ تو بچپن تھا تو کچھ آمدِ ایامِ شباب
تمتمی چہرے پہ ایسی کہ خجل ہو مہتاب — آنکھیں ایسی کہ رہا نرگسِ شہلا کو حجاب
جس نے ان گیسوؤں میں رُخ کی ضیا کو دیکھا
شبِ معراج میں محبوبِ خدا کو دیکھا

۳۳

اے خوشا حُسن رُخِ یوسفِ کنعانِ حسن — راحتِ روحِ حسینؓ ابنِ علی جانِ حسنؓ
جسم میں نورِ علی طبع میں احسانِ حسن — ہمہ تن خلقِ حسن حُسنِ حسن شانِ حسن
تن پہ کرتی تھی نزاکت سے گرانی پوشاک
کیا بھلی لگتی تھی بچپن میں شہانی پوشاک

۳۴

اللہ اللہ اسدِ حق کے نواسوں کا جلال — چاند سے چہروں پہ بل کھائے ہوئے زلفوں کے بال
نیچے کاندھوں پہ رکھے ہوئے مانندِ ہلال — گرچہ بچپن تھا پہ رستم کو سمجھتے تھے وہ زال
صف سے گھوڑوں کو بڑھا کر جو بڑھے جاتے تھے
مورچے لشکرِ کفار کے ہٹ جاتے تھے

۳۵

آستینوں کو چڑھائے ہوئے آمادۂ جنگ — وہی سارا اسد اللہ کا نقشہ وہی ڈھنگ
سُرخ چہرے تھے کہ شیروں کا یہی ہوتا ہے رنگ — ولولہ صف کے اُلٹنے کا لڑائی کی اُمنگ
جسم پہ تیر چلیں نیزۂ خونخوار چلے
شوق اس کا تھا کہ جلدی کہیں تلوار چلے

۳۶

یک بیک طبل بجا فوج میں گرجے بادل — کوہ تھرائے زمیں ہل گئی گونجا جنگل

پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے تلواروں کے پھل — مرنے والوں کو نظر آنے لگی تھی شکل اجل

واں کے چاؤش بڑھانے لگے دل لشکر کا

فوج اسلام میں نعرہ ہوا یا حیدر کا

۳۷

شور میدانوں میں تھا کہ دلیرو نکلو — نیزہ بازی کرو رہواروں کو پھیرو نکلو

نہر قابو میں ہے اب پیاسوں کو گھیرو نکلو — غازیو صف سے بڑھو غول سے شیرو نکلو

رستمو داد وغا دو کہ یہ دن داد کا ہے

سامنا حیدر کرار کی اولاد کا ہے

۳۸

شور سادات میں تھا یا شہ مرداں مدد دے — کعبۂ دیں مدد دے قبلۂ ایماں مدد دے

قوت بازوئے پیغمبر ذی شاں مدد دے — دم تائید ہے اے فخر سلیماں مدد دے

تیسرا فاقہ ہے طاقت میں کمی ہے مولا

طلب قوت ثابت قدمی ہے مولا

۳۹

پیاس میں حرف نہ شکوے کا زباں پر لائیں — دمبدم سینوں پہ فاقوں میں سنانیں کھائیں

دل نہ تڑپے جو دم نزع نہ پانی پائیں — تیرے فرزند کی تائید کریں مر جائیں

لاشیں مقتل میں ہوں لاش شہ دلگیر کے ساتھ

سر ہوں نیزوں پہ سر حضرت شبیر کے ساتھ

۴۰

سامنے بڑھ کے یکایک صف کفار آئی — جھوم کر تیرہ گھٹا تاروں پہ اک بار آئی

روز روشن کو چھپانے کو شب تار آئی — تشنہ کاموں کی طرف تیروں کی بوچھار آئی

ہنس کے منہ بھائی کا شاہ شہدا نے دیکھا

اپنے آقا کو بہ حسرت رفقا نے دیکھا

۴۱
عرض عباس نے کی جوش ہے جراروں کو — تیر سب کھاتے ہیں تولے ہوئے تلواروں کو
میہمانوں کا نہیں پاس ستمگاروں کو — مصلحت ہو تو رضا دیجئے غمخواروں کو
روسیاہوں کو ہٹا دیں کہ بڑھے آتے ہیں
ہم جو خاموش ہیں وہ منھ پہ چڑھے آتے ہیں

۴۲
شہ نے فرمایا مجھے خود ہے شہادت منظور — نہ لڑائی کی ہوس ہے نہ شجاعت کا غرور
جنگ منظور نہ تھی ان سے پر اب ہوں مجبور — خیر لڑ لو کہ ستاتے ہیں یہ بے جرم و قصور
ذبح کرنے کے لئے لشکر ناری آئے
کہیں جلدی مرے سر دینے کی باری آئے

۴۳
حکم پانا تھا کہ شیروں نے اُڑائے تازی — مثل شہباز گیا ایک کے بعد اک غازی
واہ ری حرب خوشا ضرب زہے جاں بازی — اڑ گئے ہاتھ بڑھا جو پئے دست اندازی
تن و سر لوٹتے ریتی پہ نظر آتے تھے
ایک حملے میں قدم فوج کے اُٹھ جاتے تھے

۴۴
جس پہ غصہ میں گئے صید بہ شہباز گرا — یہ کماں کٹ کے گری وہ قدر انداز گرا
جب گرا خاک پہ گھوڑے سے تو ممتاز گرا — نہ اُٹھا پھر کبھی جو تفرقہ پرداز گرا
ہاتھ مُنھ کٹ گئے سر اُڑ گئے جی چھوٹ گئے
مورچے ہو گئے پامال پرے ٹوٹ گئے

۴۵
بعد غیروں کے عزیزوں نے کیا عزم نبرد — سر کو نہوڑا کے بھرا سبط نبی نے دم سرد
ہوک اُٹھتی تھی کبھی سینے میں دل میں کبھی درد — سُرخ ہوتا تھا کبھی چاند سا چہرہ کبھی زرد
کوئی گلرو تو کوئی سرو سہی بالا تھا
وہ بچھڑنے لگے گودی میں جنھیں پالا تھا

۴۶
زلفوں والا تھا کوئی کوئی مرادوں والا   کوئی بھائی کا پسر کوئی بہن کا پالا
چاند سا منہ جو کسی کا تھا تو گیسو ہالا   کوئی قامت میں بہت کم کوئی قد میں بالا
نوجواں کون سا خوش رو و خوش انداز نہ تھا
کتنے ایسے تھے کہ سبزہ ابھی آغاز نہ تھا

۴۷
ہاتھ وہ بچوں کے اور چھوٹی سی وہ تلواریں   موم کر دیتی تھیں فولاد کو جن کی دھاریں
آب ہو شیر کا زہرہ وہ اگر للکاریں   بجلیاں کوند رہی ہیں کسے نیزے ماریں
کس بشاشت سے ہزاروں پہ دلیر آتے ہیں
بچے آتے ہیں کہ بپھرے ہوئے شیر آتے ہیں

۴۸
یہی ہنگامہ رہا صبح سے تا وقت زوال   لاش پہ لاش گری بھر گیا میدان قتال
مورچے سب تہ و بالا تھے پرے سب پامال   سرخرو خلق سے اُٹھے اسد اللہ کے لال
کھیت ایسے بھی کسی جنگ میں کم پڑتے ہیں
جو لڑا سب یہی سمجھے کہ علیؑ لڑتے ہیں

۴۹
قاسمؑ و اکبرؑ و عباسؑ کا اللہ رے جہاد   غُل ہر اک ضرب پہ تھا اب ہوئی دُنیا برباد
الاماں کا تھا کہیں شور کہیں تھی فریاد   دے گئے خلق میں مردانگی و حرب کی داد
گو وہ دُنیا میں نہیں عرش مقام ان کا ہے
آج تک عالمِ ایجاد میں نام ان کا ہے

۵۰
دوپہر میں وہ چمن بادِ خزاں نے لوٹا   پتا پتا ہوا تاراج تو بوٹا بوٹا
باپ بیٹے سے چھٹا بھائی سے بھائی چھوٹا   ابن زہرا کی کمر جھک گئی بازو ٹوٹا
پھر نہ یاور نہ وہ جاں باز نہ وہ شیدا تھے
ظہر کے وقت حسین ابن علیؑ تنہا تھے

۵۱

ساتھ جو جو کہ بہادر تھے وطن سے آئے ۔۔۔ سامنے سوتے تھے ریتی پہ سنانیں کھائے
دھوپ میں پیاس سے مثلِ گُل تر مُرجھائے ۔۔۔ مر گئے پر نہ غریبوں نے کفن تک پائے

دھوپ پڑتی تھی یہ دن چرخ نے دکھلایا تھا
نہ تو چادر تھی کسی لاش پہ نہ سایا تھا

۵۲

صاحبِ فوج پہ طاری تھا عجب رنج وملال ۔۔۔ زرد تھا رنگ تو آنکھیں تھیں لہو رونے سے لال
کبھی بھائی کا الم تھا کبھی بیٹے کا خیال ۔۔۔ کبھی دھڑکا تھا کہ لاشیں نہ کہیں ہوں پامال

کبھی بڑھتے تھے وغا کو کبھی رُک جاتے تھے
سیدھے ہوتے تھے کبھی اور کبھی جُھک جاتے تھے

۵۳

بڑھ کے چلّاتے تھے بیدرد کہ اب آپ آئیں ۔۔۔ جوہرِ تیغ شہنشاہ نجف دکھلائیں
مرنے والے نہیں جیتے جو سنانیں کھائیں ۔۔۔ کاٹ لیں آپ کا سر تن سے تو فرصت پائیں

پسرِ سعد سے وعدہ ہے صلہ لینے کا
حکم ہے خیمۂ اقدس کے جلا دینے کا

۵۴

شہ نے فرمایا کہ سر کاٹ لو حاضر ہوں میں ۔۔۔ نہ تو لڑنے میں نہ مرجانے میں قاصر ہوں میں
فوج بھی اب نہیں بے یار و ناصر ہوں میں ۔۔۔ شہر و صحرا ابھی تمہارا ہے مسافر ہوں میں

لوٹ لو پھونک دو تاراج کرو بہتر ہے
کلمہ گو یو یہ تمہارے ہی نبی کا گھر ہے

۵۵

کئی سیدانیاں خیمے میں ہیں پردے والی ۔۔۔ جن کا رتبہ ہے زمانے میں ہر اک پر عالی
اب نہ وارث ہے کوئی سر پہ نہ کوئی والی ۔۔۔ ان کو دیجو کوئی رہ جائے جو خیمہ خالی

یہ نبی زادیاں بے پردہ نہ ہوئیں جس میں
ایک گوشہ ہو کہ سب بیٹھ کے روئیں جس میں

۵۶

شہ کی ان باتوں کا اعدا نے دیا جو کہ جواب — گر لکھوں اس کو تو ہو جائے جگر سنگ کا آب
قلب تھرا گیا ہر گز نہ رہی ضبط کی تاب — دیکھ کر رہ گئے گردوں کو شہ عرش جناب
اشک خالی اسے کرتے ہیں جو دل بھر آئے
آپ رونے کے لئے خیمے کے باہر آئے

۵۷

تھم کے چلائے کہ اے زینب و اُم کلثوم — تم سے رخصت کو پھر آیا ہے حسین مظلوم
اب مرے قتل کے درپے ہے یہ سب لشکر شوم — ہاں جگا دو اسے غش ہو جو سکینہ معصوم
نہیں ملتا جو زمانے سے گذر جاتا ہے
کہدو عابد سے کہ مرنے کو پدر جاتا ہے

۵۸

یہ صدا سن کے حرم خیمے سے مضطر دوڑے — شہ کی آواز پہ سب بیکس و بے پر دوڑے
گر پڑیں سر سے ردائیں تو کھلے سر دوڑے — بچے روتے ہوئے ماؤں کے برابر دوڑے
رو کے چلائی سکینہ شہ والا آؤ
میں تمہیں ڈھونڈھتی تھی دیر سے بابا آؤ

۵۹

آؤ اچھے مرے بابا میں تمہارے واری — دیکھو تم بن ہیں گلے تک مرے آنسو جاری
آج یہ کیا ہے کہ بھولے مری خاطر داری — ہاتھ پھیلا کے کہو آ مری بیٹی پیاری
منہ چھپانے کی ہے کیا وجہ نہ شرماؤ تم
اب میں پانی بھی نہ مانگوں گی چلے آؤ تم

۶۰

دیکھ کر پردہ سے یہ کہنے لگی زینب زار — ابن زہرا تری مظلومی کے ہمشیر نثار
آؤ چادر سے کروں پاک میں چہرے کا غبار — شہ نے فرمایا بہن مر گئے سب مونس و یار
تم نے پالا تھا جسے ہم اسے رو آئے ہیں
علی اکبر سے جگر بند کو کھو آئے ہیں

۶۱

منہ دکھائیں کسے سب سے ہے ندامت زینب — گھر میں آنے کی نہیں بھائی کو فرصت زینب
کھینچ لائی ہے سکینہ کی محبت زینب — بھائی کہ جاتا ہے دکھا دو ہمیں صورت زینب
نہ تو سر کھولو نہ منہ پیٹو نہ فریاد کرو
بھول جاؤ ہمیں اللہ کو اب یاد کرو

۶۲

صبر سے خوش ہے خدا اے مری غمخوار بہن — سہل ہو جاتا ہے جو امر ہو دشوار بہن
اپنی ماں کا ہے طریقہ تمہیں درکار بہن — پھر میں کہتا ہوں سکینہ سے خبردار بہن
نازپرور ہے مرے بعد الم اس پہ نہ ہو
بُندے کانوں سے اُتارو کہ ستم اس پہ نہ ہو

۶۳

کہو عابد سے یہ پیغام مرا بعد سلام — غش تھے تم پھر گئے دروازے تلک آ کے امام
قید میں پھنس کے نہ گھبرائیو اے گل اندام — کاٹیو صبر و رضا سے سفرِ کوفہ و شام
ناؤ منجدھار میں ہے شور و تلاطم جانو
ناخدا جاتا ہے گھر جانے اب اور تم جانو

۶۴

کہہ کے یہ باگ پھرائی طرفِ لشکرِ شام — پڑ گیا خیمۂ ناموسِ نبیؐ میں کہرام
رن میں گھوڑے کو اُڑاتے ہوئے آئے جو امام — رعب سے فوج کے دل ہل گئے کانپے اندام
سر جھکے ان کے جو کامل تھے زباندانی میں
اُڑ گئے ہوش فصیحوں کے رجز خوانی میں

۶۵

تھا یہ نعرہ کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں — مجھ کو پہچانو کہ خالق کا شناسا ہوں میں
زخمی ہونے سے نہ مرنے سے ہراساں ہوں میں — تیسرا دن ہے یہ گرمی میں کہ پیاسا ہوں میں
چین کیا چیز ہے آرام کسے کہتے ہیں
اس پہ شکوہ نہیں کچھ صبر اسے کہتے ہیں

۶۶

اس کا پیارا ہوں جو ہے ساقیِ حوضِ کوثر — اس کا بیٹا ہوں جو ہے فاتحِ بابِ خیبر
اس کا فرزند ہوں کی جس نے مہم بدر کی سر — اس کا دلبر ہوں میں دی جس کو نبیؐ نے دختر

صاحبِ تخت ہوئے تیغ ملی تاج ملا

دوشِ احمدؐ پہ انھیں رُتبۂ معراج ملا

۶۷
وہ علیؑ حق نے جسے عرش سے بھیجی شمشیر
وہ علیؑ جس کا دو عالم میں نہیں کوئی نظیر
وہ علیؑ جو ہوا احمدؐ کا وصی روزِ غدیر
وہ علیؑ جس کی رسولوں سے فزوں ہے توقیر

وہ علیؑ سب سے زیادہ ہے عبادت جس کی

وہ علیؑ گھر میں خدا کے ہے ولادت جس کی

۶۸
بے وطن ہوں نہ مسافر کو ستاؤ للّٰہ
قتل کیوں کرتے ہو تم کونسا میرا ہے گناہ
اب نہ یاور ہے کوئی ساتھ نہ لشکر نہ سپاہ
تم کو لازم ہے غریبوں پہ ترحم کی نگاہ

ہاتھ آئے گا نہ انعام نہ زر پاؤ گے

یاد رکھو مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے

۶۹
نہ ابھی ختم ہوئی تھی یہ مسلسل تقریر
حجت اللہ کے فرزند پہ چلنے لگے تیر
چوم کر تیغ کے قبضہ کو پکارے شبیر
لو خبردار چمکتی ہے علیؑ کی شمشیر

پسرِ فاتحِ صفین و حنین آتا ہے

لو صفیں باندھ کے رد کو تو حسین آتا ہے

۷۰
لو کھنچی تیغ دو سر فوج پہ آفت آئی
لو ہلا قائمۂ عرش قیامت آئی
فتح تسلیم کو آداب کو نصرت آئی
فخر سے غاشیہ برداری کو شوکت آئی

چوم لوں پاؤں جلال اس تگ و دو میں آیا

ہاتھ جوڑے ہوئے اقبال جلو میں آیا

۷۱
آپ سیدھے جو ہوئے رخش نے بدلے تیور
دونوں آنکھیں اُبل آئیں کہ ڈرے بانیٔ شر
تھوتھنی مل گئی سینے سے کیا دُم کو چنور
مثلِ طاؤس اُڑا گاہ اِدھر گاہ اُدھر

دم بدم گرد نسیمِ سحری پھرتی تھی

جھوم کر پھرتا تھا گھوڑا کہ پری پھرتی تھی

۷۲
ابر ڈھالوں کا اُٹھا تیغ دو پیکر چمکی — برق چھپتی ہے یہ چمکی تو برابر چمکی
سوئے پستی کبھی کوندی کبھی سر پر چمکی — کبھی انبوہ کے اندر کبھی باہر چمکی
جس طرف آئی وہ ناگن اُسے ڈستے دیکھا
مینھ سروں کا صف دشمن پہ برستے دیکھا

۷۳
دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہے دھارا جیسے — گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے
چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارا جیسے — روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے
کوندنا برق کا شمشیر کی ضد میں دیکھا
کبھی ایسا نہیں دم خم مہ نو میں دیکھا

۷۴
اک اشارے میں برابر کوئی دو تھا کوئی چار — نہ پیادہ کوئی بچتا تھا سلامت نہ سوار
برق گرتی تھی کہ چلتی تھی صفوں پر تلوار — غضب اللہ علیہم کے عیاں تھے آثار
موت ہر غول کو برباد کئے جاتی تھی
آگ گھیرے ہوئے دوزخ میں لئے جاتی تھی

۷۵
تیغیں آری ہوئیں ڈھالوں کے اڑے پرکالے — بند سب بھول گئے خوف سے نیزوں والے
جو بڑھا ہاتھ سر دست قلم کر ڈالے — تیغ کہتی تھی یہ سب ہیں مرے دیکھے بھالے
صف بہ صف باندھ کے نیزوں کو عبث تولے ہیں
ایسے عقدے مرے ناخن نے بہت کھولے ہیں

۷۶
جب کبھی جائزۂ فوج ستم لیتی ہوں — موت سے رحم نہ کرنے کی قسم لیتی ہوں
دو زبانوں سے صدا کار قلم لیتی ہوں — چہرے کٹ چکتے ہیں لشکر کے تو دم لیتی ہوں
ہر طرف ہو کے عدم کے سفری ہوتے ہیں
طبلقیں کٹتی ہیں چہرے نظری ہوتے ہیں

۷۷
وہ برش وہ چمک اس کی وہ صفائی اسکی — کسی تلوار نے تیزی نہیں پائی اس کی
اس کا بازو جو اڑایا تو کلائی اس کی — مل گئے جس کے گلے سے اجل آئی اس کی

صورتِ مرگ کسی نے کبھی نہ آتے دیکھا
سر پہ چمکی تو کمر سے اسے جاتے دیکھا

۴۸
کبھی ڈھالوں پہ گری اور کبھی تلواروں پر
پیدلوں پر کبھی آتی کبھی اسواروں پر
کبھی ترکش پہ رکھا مُنہ کبھی سوفاروں پر
کبھی سر کاٹ کے آ پہنچی کمانداروں پر
گر کے اس غول سے اُٹھی تو اس انبوہ میں تھی
کبھی دریا میں کبھی بر میں کبھی کوہ میں تھی

۴۹
کبھی چہرہ کبھی شانہ کبھی پیکر کاٹا
کبھی در آئی گلے میں تو کبھی سر کاٹا
کبھی مغفر کبھی جوشن کبھی بکتر کاٹا
طول میں راکب و مرکب کو برابر کاٹا
برشِ تیغ کا غل قاف سے تا قاف رہا
پی گئی خون ہزاروں کا پہ مُنہ صاف رہا

۵۰
نہ رُکی خود پر وہ اور نہ سر پہ ٹھہری
نہ کسی تیغ پہ دم بھر نہ سپر پہ ٹھہری
نہ جبیں پر نہ گلے پر نہ جگر پر ٹھہری
کاٹ کر زیں کو نہ گھوڑے کی کمر پہ ٹھہری
جان گھبرا کے تنِ دشمنِ دیں سے نکلی
ہاتھ بھر ڈوب کے تلوار زمیں سے نکلی

۵۱
کٹ گئی تیغ تلے جب صفِ دشمن آئی
یک بیک فصلِ فراقِ سر و گردن آئی
بگڑی اس طرح لڑائی نہ کبھی بن آئی
تیغ کیا آئی کہ اڑتی ہوئی ناگن آئی
غل تھا بھاگو کہ یہ ہنگام ٹھہرنے کا نہیں
زہر اس کا جو چڑھے گا تو اُترنے کا نہیں

۵۲
وہ چمک اس کی سروں کا وہ برسنا ہر سو
گھاٹ سے تیغ کے اک حشر بپا تھا لب جو
آب میں صورتِ آتش تھی جلا دینے کی خو
اور دم بڑھتا تھا پیتی تھی جو اعدا کا لہو
کبھی جوشن تو کبھی صدر کشادہ کاٹا
جب چلی ضربتِ سابق سے زیادہ کاٹا

۴۳

تن تنہا شہ دیں لاکھ سواروں سے لڑے — بے سپر برچھیوں والوں کی قطاروں سے لڑے
صورتِ شیر خدا ظلم شعاروں سے لڑے — دو سے اِک لڑ نہیں سکتا یہ ہزاروں سے لڑے

گر ہو غالب تو ہزاروں پہ وہی غالب ہو
جو دل و جان علی ابن ابی طالب ہو

۴۴

تیسرے فاقے میں یہ جنگ یہ حملے یہ جدال — پیاس وہ پیاس کہ نیلم تھے سراسر لب لعل
دھوپ وہ دھوپ کہ سوکھے ہوئے تھے تازہ نہال — لو وہ لو جس کی حرارت سے پگھلتے تھے جبال

سنگریزوں میں تب و تاب تھی انگاروں کی
سر پہ یا دھوپ تھی یا چھاؤں تھی تلواروں کی

۴۵

تیر سے تھے کبھی جنگل میں ترائی میں کبھی — ڈھال کو جھرے پہ روکا نہ لڑائی میں کبھی
تیغ حیدر نے کمی کی نہ صفائی میں کبھی — فرق آیا نہ سر و تن کی جدائی میں کبھی

کسی ابرو کا بھی ایسا نہ اشارا دیکھا
جس پہ اک بار چلی اس کو دوبارہ دیکھا

۴۶

آنکھ وہ آنکھ کہ شیروں کی جلالت جس میں — رخش وہ رخش کہ سب برق کی سُرعت جس میں
تیغ وہ تیغ عیاں موت کی صورت جس میں — ہاتھ وہ ہاتھ یداللہ کی طاقت جس میں

روک لے وار جگر کیا کسی بے پیر کا ہے
زور وہ جس میں اثر فاطمہ کے شیر کا ہے

۴۷

جنگ میں پیاس کا صدمہ شہ دیں سے پوچھو — تن تنہا کی وغا لشکر کیں سے پوچھو
زلزلہ دشت پر آفت کا زمیں سے پوچھو — ضرب شمشیر دو سر مدح امیں سے پوچھو

باپ اس فوج میں تنہا پسر اس لشکر میں
کربلا میں یہ تلاطم ہوا یا خیبر میں

۴۸

اسداللہ کے صدقے شہ والا کے نثار — وہی حملے تھے وہی زور وہی تھی تلوار
فتح حیدر نے کیا جنگ میں خیبر کا حصار — مورچے فوج کے حضرت نے بھی توڑے کئی با

کیوں نہ ہو احمدؐ مرسل کے نواسے تھے حسینؑ
فرق اتنا تھا کہ دو روز کے پیاسے تھے حسینؑ

۸۹
ہر طرف فوج میں غل تھا کہ دوہائی مولا — ہم نے دیکھی ترے ہاتھوں کی صفائی مولا
الاماں خوب سزا جنگ کی پائی مولا — آپ کرتے ہیں بُروں سے بھی بھلائی مولا
ہاتھ ہم باندھتے ہیں پھینک کے شمشیروں کو
بخشئے اُمتِ نا اہل کی تقصیروں کو

۹۰
آئی ہاتف کی یہ آواز کہ اے عرش مقام — یہ وغا تیسرے فاقے میں بشر کا نہیں کام
اے محمد کے جگر بند امام ابن امام — لوح محفوظ پہ مرقوم ہے صابر ترا نام
اب نہیں حکم لعینوں سے وغا کرنے کا
ہاں یہی وقت ہے وعدے کے وفا کرنے کا

۹۱
آج ہے آٹھ بہشتوں کی نئی تیاری — نخل سرسبز ہیں فردوس میں نہریں جاری
شب سے حوریں ہیں مکلّل بجواہر ساری — خانۂ دوست میں ہے دوست کی مہمانداری
پیشوائی کو رسول الثقلین آتے ہیں
عرش تک شور یہی ہے کہ حسینؑ آتے ہیں

۹۲
تھم گئے سن کے یہ آواز شہِ جن و بشر — روک کر تیغ کو فرمایا کہ حاضر ہے یہ سر
عید ہو جلد اگر ذبح کریں بانیٔ شر — شمرِ ظالم ہے کدھر کھینچ کے آئے خنجر
ہے وہ عاشق جو فدا ہونے کو موجود رہے
بس مری فتح یہی ہے کہ وہ خوشنود رہے

۹۳
کہہ کے یہ میان میں مولا نے رکھی تیغ دودم — ہاتھ اُٹھا کر یہ اشارا کیا گھوڑے کو کہ تھم
رہ گیا سر کو ہلا کر فرسِ تیز قدم — چار جانب سے مسافر پہ جھکے اہل ستم
نیزے یوں گرد تھے جیسے گل تر خاروں میں
گھر گئے سبط نبی ظلم کی تلواروں میں

۹۴

پہلے تیروں سے کمانداروں نے چھاتی چھانی	نیزے پہلو پہ لگاتے تھے ستم کے بانی
سر پہ تلواریں چلیں زخمی ہوئی پیشانی	خوں سے تر ہو گیا حضرت کا رُخ نورانی
جسم سب چور تھا پرزے تھے زرہ جامہ کے
پیچ کٹ کٹ کے کُھلے جاتے تھے عمامہ کے

۹۵

برچھیاں مارتے تھے گھاٹ پہ جو تھے پہرے	کس طرف جائے کہاں تیغوں میں بیکس ٹھہرے
اک ہزار اور کئی سو زخم تھے تن پر گہرے	دیکھنے والوں کے ہو جاتے تھے پانی زہرے
خوں میں ڈوبا ہوا وہ مصحف رُخ سارا تھا
جزو ہر اک تن شبیر کا سی پارہ تھا

۹۶

ہاتھ سے باگ جُدا تھی تو رکابوں سے قدم	غش میں سیدھے کبھی ہوتے تھے فرس پہ کبھی خم
بہتے تھے پہلوؤں سے خوں کے ڈڑیڑے پیہم	کوئی بیکس کا مددگار نہ تھا ہائے ستم
مارے تلواروں کے مہلت نہ تھی دم لینے کی
کوششیں ہوتی تھیں کعبہ کے گرا دینے کی

۹۷

دشت سے آتی تھی زہرا کی صدا ہائے حسین	میرے بیکس مرے بے بس مرے دُکھ پائے حسین
در سے چلاتی تھی زینب مرے ماں جائے حسین	کون تیغوں سے بچا کر تجھے لے آئے حسین
فاطمہؓ رو رہی تھیں ہاتھوں سے پہلو تھامے
حکم گر ہو تو بہن دوڑ کے بازو تھامے

۹۸

ہائے سید ترا تن اور ستم کے بھالے	کس کو چلاؤں کہ جیتے نہیں مرنے والے
اس پہ یہ ظلم دُکھوں سے جسے زہرا پالے	کون سر سے ترے تلواروں کی آفت ٹالے
کون فریاد سُنے بے سر و سامانوں کی
یاں تو بستی بھی نہیں کوئی مسلمانوں کی

۹۹

نہ رہا جبکہ ٹھہرنے کا فرس پر یارا	گر پڑا خاک پہ وہ عرش خدا کا تارا
غش سے کچھ دیر میں اُٹھا جو علی کا پیارا	نیزہ سینے پہ سناں ابن انس نے مارا

واں تو نیزے کی انی پُشت سے باہر نکلی
یاں بہن خیمہ کی ڈیوڑھی سے کُھلے سر نکلی

۱۰۰
کھینچ کر سینے سے نیزہ جو بڑھا دُشمنِ دیں　　جھک کے حضرت نے رکھی خاک پہ سجدے میں جبیں
تیز کرتا ہوا خنجر کو بڑھا شمرِ لعیں　　آسماں ہل گئے تھرا گئی مقتل کی زمیں
کیا کہوں تیغ کو کس طرح گلے پر رکھا
پاؤں قرآں پہ رکھا حلق پہ خنجر رکھا

۱۰۱
ڈھانپ کر ہاتھوں سے مُنہ بنتِ علیؑ چلّائی　　ذبح ہوتے ہو مرے سامنے ہے ہے بھائی
ضربِ اوّل تھی کہ تکبیر کی آواز آئی　　گر پڑی خاک پہ غش کھا کے علیؑ کی جائی
اُٹھ کے دوڑی تھی کہ ہنگامۂ محشر دیکھا
مُنہ جو کھولا تو سرِ شہ کو سناں پر دیکھا

۱۰۲
رو کے چلّائی کہ ہے ہے مرے مظلوم حسین　　فوجِ اعدا میں ترے قتل کی ہے دھوم حسین
کچھ مجھے آنکھوں سے ہوتا نہیں معلوم حسین　　ہائے میں رہ گئی دیدار سے محروم حسین
مڑ کے دیکھو کہ مصیبت میں پڑی ہوں بھائی
ننگے سر بلوۂ اعدا میں کھڑی ہوں بھائی

۱۰۳
بس انیسؔ آگے نہ لکھ زینبِ ناشاد کے بین　　قتل ہو جانے پہ بھی دھوپ میں تھی لاشِ حسین
قبر میں بھی نہ ملا احمدِ مختار کو چین　　گھر جلا قید ہوئی آلِ رسول الثقلین
کتنے گھر شاہ کے مرجانے سے برباد ہوئے
لُٹ گئے یوں کہ نہ سادات پھر آباد ہوئے

URDU LITERATURE SERIES.

No.	Title	Rs. nP.
1.	**ABEY-HAYAT** by Maulana Mohammad Husain Azad.	7.00
2.	**ASHAR MEER.** by A. Manan. M.A.	0.75
3.	**BAGHO BAHAR** or **CHAHAR DARWESH** by Meer Amman.	1.00
4.	**BAKAMALON KE DARSHAN** by Munshi Prem Chand.	1.25
5.	**DIWAN DAGH.** by Mirza Dagh.	1.00
6.	**DIWAN GHALIB** by Mirza Ghalib *with critical Introduction.*	1.50
7.	**DIWAN-E-HALI** by Maulana Hali.	2.50
8.	**FISANA-E-AJAIB** by Mirza Rajab Ali Beg *with introduction and notes* by Saiyed Makhmoor Akbarabadi.	4.00
9.	**HUMAYUN NAMA** by Molvi Riyaz Bari.	0.50
10.	**IBNUL WAQT** by Dr. Nazeer Ahmad.	3.00
11.	**IQBAL** by Akhtar Orinavi.	0.75
12.	**INTIKHAB MARASI-E-MEER ZAMIR** *with critical introduction.*	1.25
13.	**INTIKHAB MARASI-E-MIRZA SAUDA** *with critical introduction*	1.25
14.	**INTIKHAB MARASI-E-ANIS** *with critical introduction.*	1.50
15.	**INTIKHAB MARASI-E-DABIR** *with critical introduction.*	1 50
16.	**MAWAZNA ANIS WA DABIR** by Maulana Shibli Nomani.	3.00
17.	**MANAWI SAHERUL BAYAN WA MIR HASAN** *with introduction and notes* by Dr. Rafiq Husain.	1.50
18.	**MASNAWI GULZAR NASEEM** *with introduction and notes* by Dr. Rafiq Husain.	1.50
19.	**MUQADMAI-SHER-O-SHAIRI** by Maulana Hali.	2.50
20.	**MUSADDAS HALI** by Maulana Hali.	0.50
21.	**MURAQQAI LAILA MAJNOO** Dr. Mirza Ruswa.	0.75
22.	**MIR KE NASHTAR** by Masudur Rahman Khan Nadir	0.37
23.	**MAKTOOBAT MASHAHEER** by Molvi Latif Ahmad.	1.50
24.	**NAYE ASHAR** by Sultan Shaheeda Naqvi. M.A.	1.25
25.	**NAYE FASANE** by Syed Akhtar Ahamad orinavi. M.A.	1.50
26.	**NAIRANG KHYAL PART I** by Maulana Azad.	1.00
27.	**OOD-E-HINDI** by Mirza Ghalib.	1.25
28.	**SHAREEF-ZADA** by Dr. Mirza Ruswa.	1.25
29.	**SAU BARAS KI ZINDGI** by Munshi Ram Prasad.	0.50
30.	**SIKWAI HIND** by Maulana Hali.	0.12
31.	**TANWIR ADAB** by Saghir Ahmad Jan	2.50
32.	**TARIKH ADAB** Hindi by Syed Zahir Uddin Ahmad Alvi. M.A.	4.00
33.	**TAUBATUN NASUH** by Dr. Nazeer Ahmad *with notes & Glossary.*	1.25
34.	**TAZKIRA NAIRAN SAUDA** by M. Abdul Rafi.	0.75
35.	**URDU-E-MUALLA** by Mirza Ghalib *with notes and glossary.*	2.50
36.	**URDU GHAZAL KI NASHO NUMA** by Dr. Rafiq Husain M.A.	6.00